خودسازی

یا

تزکیہ وتہذیب نفس

تالیف

آیۃ اللہ ابراہیم امینی

ترجمہ

ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی

ناشر

تنظیم المکاتب

لکھنؤ۔ ہندوستان

خود سازی

یا

تزکیہ وتہذیب نفس

تالیف

آیۃ اللہ ابراہیم امینی

ترجمہ

ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج لکھنؤ۔۱۸ (ہندوستان)

نام کتاب	:	خودسازی یا تزکیہ وتہذیب نفس
تالیف	:	آیۃ اللہ ابراہیم امینی
ترجمہ	:	ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی
کمپوزنگ	:	آئیڈیل کمپیوٹر سنٹر، مفتی گنج، لکھنؤ
مطبوعہ	:	اے۔بی۔سی آفسیٹ پریس، دہلی
سنہ طباعت	:	دسمبر ۲۰۱۲ء
تعداد	:	ایک ہزار
ناشر	:	تنظیم المکاتب، لکھنؤ، ہندوستان
قیمت	:	₹120/-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

انتساب

میں اس معمولی تحریر کو اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے مستحکم عزم عرفاء راہ خدا میں سعی و کوشش کرنے والوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو سوسالہ راستہ کو ایک رات میں طے کر لیتے ہیں اور عشقِ محبوب میں لمحے میں جل جاتے ہیں اور اپنے رب سے رزق حاصل کرنے (عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ) کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس امید کے ساتھ کہ وہ اپنی ایک (نظر کرم) ہماری طرف بھی کرے۔

مؤلف

فہرست مطالب

پہلاباب تخلیہ یاتہذیب نفس

دوسرا باب تحلیہ یعنی نفس کی پرورش اور تکمیل

عرض تنظیم

تحریک دینداری کے پہلے مرحلہ میں بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ نے اگرچہ اپنی توجہ 'قیام مکاتب' پر مرکوز رکھی تھی مگر آپ کا نصب العین اس قوم کی ہر فرد کو دیندار بنانا تھا۔ دینی تعلیم کے بغیر دینداری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اسی لیے آپ نے روز اول مکاتب کے ساتھ تعلیم بالغان اور مراسلاتی کورس کو بھی تنظیم المکاتب کے بنیادی اہداف میں شامل فرمایا اور آپ کی زندگی میں یہ شعبے کم وبیش فعال بھی ہو گئے تھے مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی جس کا اہم سبب مناسب نصاب کا فقدان تھا۔

مکاتب کے ساتھ اسکول، جونیر ہائی اسکول اور ہائی اسکولوں میں دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ ہی قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ و سیرت اور اخلاق وحدیث پر مشتمل متوسط سطح کے ایسے نصاب کی ضرورت کا مزید احساس ہوا جس سے نوجوانوں میں دینی شعور پیدا ہو سکے۔ تربیت مدرسین کے علاوہ ادھر کچھ عرصہ سے نوجوانوں کے لیے دینی تعلیمی تربیتی کیمپ، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ جیسے سلسلے شروع کیے گئے جن کے لیے بھی کتب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔

نصاب کی تیاری ایک مشکل کام ہے اس کے لیے مختلف نمونوں، کتب اور مواد کے علاوہ صاحبان علم ہی نہیں بلکہ ماہرین فن کی ایسی تجربہ کار جماعت درکار ہوتی ہے جو یکسوئی کے ساتھ یہ کام انجام دے سکے اس راہ میں جن دشوار گذار اور صبر آزما مراحل سے گذرنا ہوتا ہے اس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایسے مشاغل سے سروکار رکھتے ہیں۔

موجودہ صورتحال میں مناسب محسوس ہوا کہ از سر نو نصاب ترتیب دینے اور تجربہ کرنے کے

بجائے مختلف ممالک اور زبانوں میں نوجوانوں کی تربیت کے لیے رائج نصاب سے استفادہ کیا جائے۔

چنانچہ طلاب کی سطح کے اعتبار سے تلاش شروع کی گئی مگر کسی ایک مرکز سے کوئی ایک ایسا جامع نصاب نہ مل سکا جو ہمارے ملک کی نسل نو کے دینی ضروریات کو پورا کر سکے لہٰذا مختلف تعلیمی مراکز میں رائج نصاب سے انتخاب کیا گیا جس کے باعث اسلوب نگارش، انداز بیان اور سطح فکر میں اختلاف ناگزیر ہے۔

کتب کا اردو میں ترجمہ بھی ایک مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ میں حوزۂ علمیہ قم میں زیر تعلیم اہل علم اور خوش استعداد صاحبان قلم خصوصاً جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب کے افاضل سے مدد لی گئی۔ اس طرح الحمد للہ اب قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ و سیرت اور اخلاق و حدیث پر مشتمل نصاب مرتب ہو کر اشاعت کی منزل میں ہے۔ فی الحال ان موضوعات سے روشناس کرانا مقصود ہے۔ آئندہ تجربہ کی روشنی میں کتب یا ان کے مشمولات میں تبدیلی کا امکان ہے جس کے لیے ہم اہل نظر اور ارباب بصیرت کی مثبت آراء اور تنقید کے منتظر ہیں۔

زیر نظر کتاب ''خودسازی یا تزکیہ و تہذیب نفس'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ مترجم کتاب جناب ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی صاحب ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوشوں اور عنایتوں سے زیر نظر کتاب کی اشاعت کا شرف ہمیں حاصل ہو رہا ہے۔

والسلام

سید صفی حیدر

سکریٹری

۵؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

عرض مترجم

بارگاہ خداوندی میں سر نیاز جھکانے اور محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام بھیجنے کے ساتھ عرض ہے کہ:

حضرت آیۃ اللہ ابراہیم امینی مدظلہ العالی کی بیش قیمت فارسی کتاب ''خودسازی'' کا اگرچہ حجۃ الاسلام اختر عباس صاحب پہلے ہی ترجمہ کر چکے ہیں جو عربی وفارسی زبان سے زیادہ قریب ہے، جس سے قارئین کو مطالب کے سمجھنے میں قدرے دشواری ہوتی ہے اور کہیں کہیں تو قاری یہ بھی محسوس نہیں کرسکتا کہ وہ اصل کتاب پڑھ رہا ہے یا اردو ترجمہ۔ اس دشواری کو محسوس کرتے ہوئے نیز کتاب کی اہمیت کے پیش نظر میں نے ادارۂ ''تنظیم المکاتب'' کی فرمائش پر، اس کتاب کے لفظی ترجمہ سے گریز کرتے ہوئے آسان اور عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہرحال آیۃ اللہ ابراہیم امینی کی اس بیش بہا کتاب ''خودسازی'' کا ترجمہ آپ کے سامنے اپنی غلطیوں اور کمیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس خیال سے پیش ہے کہ

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہ گارم

محمد تقی علی عابدی
شعبۂ علوم مشرقیہ (عربی وفارسی)
یونیورسٹی، لکھنؤ

پیش گفتار

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۝

اَلحَمدُللّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ وَ الصَّلوٰۃُ وَ السَّلامُ عَلیٰ اَشرَفِ الاَنبِیَاءِ وَ المُرسَلِینَ حَبِیبِ اِلٰہِ العَالَمِینَ اَبِی القَاسِمِ مُحَمَّدٍ الَّذِیٓ بَعَثَہُ اللّٰہُ رَحمَۃً لِلعَالَمِینَ لِیُزَکِّیَھُم وَ یُعَلِّمَھُمُ الکِتَابَ وَ الحِکمَۃَ وَ السَّلامُ عَلیٰ عِترَتِہٖ وَ اَھلِ بَیتِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاھِرِینَ

بارالہا! مجھے انسانیت کے سیدھے راستے اور درجۂ کمال حاصل کرنے کی ہدایت فرما، میرے تاریک دل کو معرفت خدا اور یقین سے روشن فرما، غرور و تکبر اور نفسانی خواہشات کو میرے دل سے دور فرما، میری باطنی آنکھوں کو اپنے بے مثال جمال کو دیکھنے کے لیے منور فرما، اپنے کو بنانے سنوارنے اور نفس کو پاک و پاکیزہ کرنے میں مدد فرما، اپنے علاوہ ہر کسی کی توجہ و محبت کو میرے دل سے نکال دے، میرے قلب سے غفلت کو دور فرما اور مجھے اپنی محبت و انس کے چشمہ سے سیراب کر۔

پروردگار! ایمان و یقین کے نور کو میرے دل میں روشن فرما اور مجھ کو خواب غفلت سے بیدار کر، تاکہ ہم اپنے کو پہچانیں اور اپنی بقیہ گرانقدر عمر کو پہلے کی طرح سستی اور کاہلی میں بسر نہ کریں۔

یہ حیران و پریشان، اپنی نفسانی خواہشات میں گرفتار، کمالات کے معنوی مقامات سے بے خبر، سیر و سلوک کے مرتبوں سے ناواقف، حقیر و ناچیز بندہ اس بات پر آمادہ ہوا ہے کہ خود کو سنوارے، تہذیب و تزکیہ نفس کی بحث میں قدم رکھے اور قرآنی آیات، پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ارشادات سے فائدہ اٹھا کر تزکیہ و تہذیب نفس اور راہ خدا میں آگے بڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرے۔ شاید یہ اللہ کے راستے میں آگے بڑھنے والوں کے لیے مددگار ثابت ہو اور خداوند عالم اس ناچیز بندہ پر اپنا احسان کرے اور اپنی مدد سے جہالت کے اندھیروں اور تکبر و خواب غفلت سے بیدار کرے اور ذکر انس و محبت کے ساتھ اپنی ملاقات کی رہنمائی فرمائے تاکہ باقی عمر میں اس کے نقصانات کی تلافی

کرسکوں ''أُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَ لَسْتُ مِنْهُم ''''میں نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اگر چہ میں خود ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔''

ایک اہم نکتہ کا ذکر:

اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے ایک اہم نکتہ کا ذکر ضروری ہے کہ خود کو بنانے سنوارنے اور نفس کو پاک و پاکیزہ کرنے کے لیے گوشہ نشینی، دنیاوی کاموں سے دوری اور اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول نہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کتاب کے مباحث سے خود یہ بات واضح و روشن ہو جائے گی کہ گوشہ نشینی، تنہائی یا اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول نہ کرنا، خودسازی اور تکمیل و تہذیب نفس کے خلاف ہے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرے اور اپنی اور اجتماعی ذمہ داریوں میں مشغول رہے، اپنے آپ سے غافل نہ ہو اور خودسازی اور تہذیب نفس کی طرف بھی خاص توجہ رکھتے ہوئے اس کو اہمیت دے۔

مؤلف

خود سازی

یا

تزکیہ اور تہذیب نفس

تذکیۂ نفس

انبیاءؑ کا عظیم مقصد

انبیاءؑ کی بعثت کا سب سے عظیم مقصد انسانوں کے نفسوں کی اصلاح، تربیت اور اس کو پاک و پاکیزہ بنانا تھا۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ: "اللہ نے مومنین پر یہ احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسولؐ کو ان کے درمیان بھیجا تا کہ وہ ان کے درمیان آیات الٰہی کی تلاوت کرے ،ان کے نفسوں کو پاک کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ بیشک وہ سب اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔"(۱)

تعلیم و تربیت کا موضوع اتنا اہم تھا کہ انبیاء کی بعثت کا سبب قرار پایا اور خداوند عالم نے اس سلسلے میں اپنے بندوں پر احسان کیا ہے۔انسان کی انفرادی اور اجتماعی شخصیت نیز دنیا و آخرت کی سعادت، خوشبختی اور بدبختی بھی اسی موضوع سے وابستہ ہے کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو بنائیں اور سنواریں۔اسی لئے خودسازی انسان کے لئے ایک بنیادی اور قسمت ساز امر شمار ہوتا ہے۔انبیاء کی آمد کا مقصد انسان کے نفس کی اصلاح، اس کی تربیت اور اسے پروان چڑھانے کا درس دینا اور زندگی کے اصلی اور بنیادی مقصد تک رسائی میں ان کے رہنما اور مددگار بننا تھا۔

۱۔سورۂ آل عمران،۱۶۴.

انبیاء آئے تا کہ انسانوں کے نفسوں کو ساری خرابیوں، اخلاقی برائیوں اور حیوانی صفتوں سے پاک ومنزہ بنائیں اور انھیں فضائل ومکارم اخلاق سے آراستہ کریں۔

انبیاء آئے تا کہ انسانوں کوخود سازی کا سبق دیں اور برے اخلاق کو پہچاننے کے راستے، ان پر قابو پانے اور خواہشات نفس پر غلبہ حاصل کرنے میں ان کی مدد کریں اور عذاب کا خوف دلا کر ان کے نفسوں کوتمام برائیوں اور خرابیوں سے پاک وپاکیزہ بنائیں۔

انبیاء آئے تا کہ فضائل اور مکارم اخلاق کے پودے کو ان کے نفسوں میں اُگائیں اور کھلائیں اور اپنی رہنمائی، تشویق وترغیب کے ذریعہ ان کے معین ومددگار بنیں۔

رسول خداؐ نے فرمایا: ”میں تمہیں اچھے اخلاق اپنانے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ خدا نے مجھے اسی مقصد کے لئے بھیجا ہے۔“(۱)

نیز ارشاد فرمایا: ”میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں۔“(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”خدا نے انبیاء کو اچھے اخلاق کے لیے منتخب کیا ہے لہٰذا جو شخص بھی اپنے اندر اچھے اخلاق کو پائے تو اس عظیم نعمت پر خدا کا شکر ادا کرے اور جو شخص اپنے اندر اچھے اخلاق کی کمی محسوس کرے وہ خدا کی بارگاہ میں گریہ کرے اور اس سے اچھے اخلاق کو طلب کرے۔“(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ”اگر بالفرض ہم بہشت کی امید نہ رکھتے، جہنم کی آگ سے نہ ڈرتے اور ثواب وعذاب کی امید نہ رکھتے تب بھی یہ ضروری تھا کہ ہم اچھے اخلاق کی تلاش میں لگے رہتے کیونکہ اچھے اخلاق کامیابی اور سعادت کے راستے ہیں۔“(۴)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ”ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہو۔“(۵)

رسول خداؐ نے فرمایا: ”قیامت کے دن کسی شخص کے میزان اعمال میں حسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہوگا۔“(۶)

۱۔ بحار رج ۶۹، ص ر ۳۷۵ — ۲۔ مستدرک رج ۲، ص ر ۲۸۲
۳۔ مستدرک رج ر ۲، ص ر ۲۸۳ — ۴۔ مستدرک رج ر ۲، ص ر ۲۸۳
۵۔ کافی رج ر ۲، ص ر ۹۹ — ۶۔ کافی رج ر ۲، ص ر ۹۹

نیز ارشاد فرمایا: ''سب سے اہم چیز جس کے ذریعہ میری امت جنت میں داخل ہوگی تقویٰ الٰہی اور حسن خلق ہے۔''(۱)

ایک شخص رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حسن خلق۔ وہ شخص حضورؐ کی داہنی جانب آیا اور عرض کیا: دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حُسن خلق۔ پھر وہ بائیں جانب آیا اور عرض کیا: دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حسن خلق۔ اس کے بعد وہ آپ کے پیچھے آیا اور عرض کیا: دین کیا ہے؟ حضرتؐ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: کیا تو نہیں سمجھا؟ دین یہ ہے کہ تم غصہ نہ کرو۔''(۲)

اسلام اخلاق کی طرف خاص توجہ رکھتا ہے اسی لئے قرآن میں اخلاقی آیتیں ''آیات الاحکام'' کے مقابلہ میں زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کی داستانیں بھی عام طور سے اخلاقی مقصد اور پیغام کی حامل ہیں۔ آپ کو حدیث کی کتابوں میں ہزاروں اخلاقی حدیثیں ملیں گی اگر وہ دوسرے موضوعات سے زیادہ نہ ہوں تو کم بھی نہیں ہیں۔ اچھے اخلاق سے متعلق جتنی بشارتیں اور اجر وثواب ذکر ہوئے ہیں، وہ دوسرے تمام اعمال سے متعلق ذکر شدہ اجر وثواب سے کم نہیں ہیں اور برے اخلاق سے متعلق جو دھمکیاں اور سزائیں بیان کی گئی ہیں، وہ دوسرے تمام برے اعمال سے کم نہیں ہیں۔ اسی لئے اخلاقیات اسلام کی بنیاد ہیں۔ اس کو احکام دین میں دینداروں کی حسن وزیبائی کے اسباب میں دوسرے درجہ پر شمار نہ کیا جائے۔ اگر احکام میں امر ونہی ہیں تو اخلاقیات میں بھی امر ونہی ہیں۔ اگر احکام میں تشویق، ترغیب، ثواب وعذاب، تخویف اور تہدید ہے تو اخلاقیات میں بھی یہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں۔ بالاخرہ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ لہٰذا اگر ہم سعادت اور کمال چاہتے ہیں تو اخلاقیات سے بے توجہی نہیں کر سکتے۔ ہم یہ نہیں کر سکتے کہ اخلاقی واجبات کو صرف اس لیے چھوڑ دیں کہ یہ تو اخلاقی واجبات ہیں اور اخلاقی محرمات کو اس لیے انجام دیں کہ یہ تو اخلاقی محرمات ہیں۔

اگر نماز واجب ہے اور اس کا ترک کرنا حرام اور باعث عذاب ہے تو وعدہ کو پورا کرنا واجب

۱۔ کافی رج ۲رص ۱۰۰ ۲۔ محجۃ البیضاء رج ۵ رص ۸۹

اور وعدہ خلافی حرام اور باعث عذاب ہے۔ آخر اس میں کیا فرق ہے؟! درحقیقت دیندار اور سعادت مند انسان وہی ہے جو تمام شرعی احکام اور اخلاقیات دونوں کا پابند ہو بلکہ اخلاقیات، انسانی سعادت اور کمال میں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں جس کو آئندہ بیان کیا جائے گا۔

خودشناسی اور خودسازی

اگرچہ انسان کی ایک حقیقت اور وجود ہے لیکن اس کے وجود کے مختلف پہلو ہیں۔ انسان کے وجود کا آغاز شعور و فہم نہ رکھنے والی مٹی سے ہو کر ملکوتی جوہر پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''اس نے ہر چیز کو حسن کے ساتھ بنایا ہے اور انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا ہے۔ اس کے بعد اس کی نسل کو ایک ذلیل پانی سے قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اسے برابر کر کے اس میں اپنی روح پھونک دی ہے اور تمہارے لئے کان، آنکھ اور دل بنا دیئے ہیں مگر تم بہت کم شکریہ ادا کرتے ہو!''(۱)

انسانی وجود کے مختلف پہلو اور طبقات و مراتب ہیں۔ ایک طرف اس کا طبعی جسم اور اس کے اثرات ہیں تو دوسری طرف اس کا (رشد و نمو کرنے والا) ''جسم نامی'' اور اس کے اثرات ہیں۔ ایک اعتبار سے وہ ایک ''حیوان'' ہے کہ اس کے جانوروں جیسے اثرات ہیں اور آخر میں وہ ایک انسان ہے اور اس کے ایسے اثرات ہیں جو دوسرے حیوانات میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

لہٰذا انسان ایک حقیقت ہے لیکن یہ حقیقت اپنے وجود کے درجات و مراتب میں منحصر ہوگی۔ جہاں وہ کہتا ہے کہ ''میرا وزن اور شکل'' تو وہاں وہ اپنے جسم نامی کی خبر دیتا ہے۔ جہاں یہ کہتا ہے کہ ''میری غذا اور میرا نشو ونما'' تو وہاں وہ اپنے جسم نامی کی حکایت کرتا ہے اور جہاں یہ کہتا ہے کہ ''میری حرکت، شہوت اور غضب'' تو وہاں وہ اپنے جسم حیوانی کی خبر دیتا ہے اور جہاں یہ کہتا ہے کہ ''میری فکر اور عقل'' تو وہاں پر وہ اپنے سب سے بلند مرتبہ کی خبر دیتا ہے۔ اس طرح انسان کی ''انانیت اور خودی'' کے مختلف پہلو ہیں: جسمانی خودی، نباتی خودی، حیوانی خودی اور انسانی خودی۔

۱۔ سورۂ سجدہ، ۷.

لیکن ان سب میں اس کی بنیادی شے ''انسانی خودی'' ہے ۔جس نے انسان کو انسان بنایا ہے اور دوسرے حیوانات پر برتری عطا کی ہے وہی اس کی ملکوتی روح اور ''نفخۂ الٰہی'' ہے۔

خداوند حکیم نے قرآن مجید میں خلقت انسانی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''میں نے انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ پر رکھا ہے پھر نطفہ کو علقہ بنایا ہے اور پھر علقہ سے مضغہ پیدا کیا ہے اور پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کی ہیں اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ہے پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا ہے تو کس قدر بابرکت ہے وہ خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے۔ (۱)

انسان کی خلقت کے سلسلہ میں خدائے حکیم فرماتا ہے: ''فَتَبَارَکَ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ'' ''تو کس قدر بابرکت ہے وہ خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے!'' وہ صرف اسی ملکوتی روح کی وجہ سے ہے کہ جس نے انسان کو ایسے مقام تک پہنچایا کہ خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جیسے ہی میں آدمؑ کے پتلے میں اپنی روح پھونکوں تم سب کے سب سجدہ میں گر جانا۔ (۲)

اگر انسان کو کرامت و بزرگی حاصل ہوئی اور خدا نے اس کے لیے فرمایا کہ: ''اور ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی ہے اور انہیں خشکی اور دریاؤں میں سواریوں پر اٹھایا ہے اور انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے۔''(۳) یہ ساری فضیلتیں اس کی ملکوتی روح کی وجہ سے ہیں۔

لہٰذا اگر انسان خود کو سنوارنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنی ''انسانی خودی'' کو پروان چڑھائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حیوانی یا جسمانی 'خودی' کی پرورش میں لگ جائے۔ انبیاء کرام کا مقصد بھی یہی تھا کہ خودسازی میں انسان کی مدد کریں۔ انھوں نے انسانوں سے فرمایا کہ اپنی ''انسانی خودی'' کو نہ بھلاؤ۔ اگر تم اسے حیوانی خواہشات پر قربان کرو گے تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہوگا اور تمہارے حصے میں نقصان ہی نقصان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

۱۔ سورۂ مومنون، ۱۲۔۱۴۔ ۲۔ سورۂ حجر، ۲۹۔ ۳۔ سورۂ اسراء، ۷۰۔

''(اے رسول!) کہہ دیجئے کہ حقیقی خسارہ والے وہی ہیں جنہوں نے اپنے نفس اور اپنے اہل کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا۔ آگاہ ہو جاؤ یہی کھلا ہوا خسارہ ہے۔''(۱)

وہ لوگ جو حیوانی زندگی کے علاوہ کسی دوسری چیز کے بارے میں نہیں سوچتے در حقیقت وہ انسانی شخصیت کو بھولے ہوئے ہیں اور اس کی تلاش میں نہیں ہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''میں تعجب کرتا ہوں، اس شخص پر جو اپنی گمشدہ چیز کو تو تلاش کرتا ہے لیکن اپنے گمشدہ انسانی نفس کو نہیں ڈھونڈھتا۔''(۲)

کوئی بھی نقصان اس سے زیادہ بدتر اور دردناک نہیں ہوسکتا کہ انسان اپنی حقیقی اور انسانی شخصیت کو اس دنیا میں کھو بیٹھے۔ ایسے لوگوں میں سوائے حیوانیت کے کوئی دوسری چیز باقی نہیں رہ جاتی۔

انسانی روح اور حیوانی نفس

انسانی نفس کے بارے میں وارد ہونے والی آیتیں اور روایتیں دو طرح کی ہیں: کچھ اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ انسانی نفس ایک قیمتی اور باعظمت ملکوتی گوہر ہے جو عالم ربوبیت سے آیا ہے اور تمام انسانی فضائل واقدار کا سرچشمہ ہے۔ اسی نفس انسانی کے بارے میں ہدایت کی گئی ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اسے پروان چڑھانے کی کوشش کی جائے اور اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اتنے قیمتی گوہر کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے کہ جس کے نتیجہ میں نقصان اٹھانا پڑے۔ نمونہ کے طور پر قرآن میں خدا فرماتا ہے: ''اے محمدؐ! لوگ آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے اور وہ علم جو تمہیں دیا گیا ہے بہت تھوڑا سا ہے۔''(۳)

اس آیت میں روح کی تعریف ''امر الٰہی'' سے کی گئی ہے جو مجرد ہے اور عالم مادہ سے بالاتر ہے۔

۱۔ سورۂ زمر، ۱۵ ۲۔ غرر الحکم، ص/۴۹۵

۳۔ سورۂ اسراء، ۸۵.

امیر المومنینؑ نے نفس کے متعلق فرمایا: ''نفس ایک قیمتی گوہر ہے، جس نے اس کی حفاظت کی، نفس اسے بلند مقام پر لے گیا اور جس نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی نفس اسے پستی کی طرف گیا۔''(۱)

نیز فرمایا: ''جو شخص اپنے نفس کی قدر و منزلت کو پہچان لے گا وہ اسے فنا ہونے والی چیزوں کے لئے ذلیل ورسوا نہیں کرے گا۔''(۲)

اور فرمایا: ''جس شخص نے اپنے نفس کی شرافت کو پہچان لیا، اس نے اپنے کو پست خواہشوں اور باطل آرزوؤں سے محفوظ کرلیا۔''(۳)

نیز فرمایا: ''جس شخص کا نفس جتنا شریف ہوگا، اس کی مہربانی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔''(۴)

اور فرمایا: ''جس کا نفس جتنا شریف ہوگا، وہ اسے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچائے رکھے گا۔''(۵)

اسی طرح کی اور بہت ساری آیتیں اور روایتیں موجود ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کا نفس ایک قیمتی گوہر ہے جس کی حفاظت اور تربیت کی کوشش کرنی چاہئے۔

دوسرے وہ آیتیں اور روایتیں ہیں جو نفس کو ایک شریر مخلوق، انسان دشمن اور برائیوں کی جڑ بتائی ہیں جن سے جنگ کرتے رہنا چاہئے، اس کو سرکوب کرنا چاہئے ورنہ وہ انسان کی سنگدلی اور بدبختی کے اسباب فراہم کرے گا۔ نمونے کے طور پر:

خدا نے قرآن کریم میں فرمایا: ''جو شخص اپنے پروردگار کے مقام ومرتبہ سے ڈرتا ہو اور اپنے نفس کو تمام خواہشات سے بچائے رکھے اس کا ٹھکانا جنت ہے۔''(۶)

قرآن مجید نے حضرت یوسفؑ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں اپنے نفس کو بھی بری قرار نہیں دیتا کہ نفس بہر حال برائیوں کا حکم دینے والا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے کہ وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''(۷)

۱۔غرر الحکم رص ر۲۲۶ ۲۔غرر الحکم رص ر۶۶۹ ۳۔غرر الحکم رص ر۷۱۰

۴۔غرر الحکم رص ر۶۳۸ ۵۔غرر الحکم رص ر۶۶۹ ۶۔سورۂ نازعات، ۴۱.

۷۔سورۂ یوسف، ۵۳.

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''تمہارا سب سے بڑا دشمن، تمہارا نفس ہے جو تمہارے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔''(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''نفس ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے لہٰذا جو شخص اسے امین جانتا ہے، وہ اسے دھوکا دیتا ہے اور جو شخص اس پر بھروسہ کرتا ہے، اسے ہلاکت میں ڈالتا ہے اور جو شخص اس سے راضی رہتا ہے، وہ اسے بدترین جگہوں پر لے جاتا ہے۔''(۲)

نیز ارشاد فرمایا: ''نفس پر اطمینان کرنا، شیطان کے لیے بہترین اور مضبوط فرصتوں میں سے ہے۔''(۳)

امام سجادؑ نے فرمایا: ''پروردگارا! میں تجھ سے نفس کی شکایت کرتا ہوں جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور گناہ، غلطی اور خطا کی طرف عجلت کرتا ہے اور برائی سے دوستی رکھتا ہے اور اپنے آپ کو تیرے غضب کے سامنے قرار دیتا ہے اور ہمیں ہلاکت کے راستوں پر لے جاتا ہے۔''(۴)

اس طرح کی آیتیں اور روایتیں بہت زیادہ ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نفس ایک ایسی مخلوق ہے جو شریر اور سبھی برائیوں کی جڑ ہے۔ لہٰذا مکمل جدوجہد کے ساتھ اسے کچلنا چاہئے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ تصور کریں کہ ان دو قسم کی روایتوں میں تصادم اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے یا یہ خیال کریں کہ انسان کے اندر دو نفس پائے جاتے ہیں۔ ایک انسانی نفس ہے جو اچھائیوں کا مبدا اور سرچشمہ ہے اور دوسرا حیوانی نفس ہے جو برائیوں کا مبدا اور سرچشمہ ہے۔ لیکن یہ دونوں تصور غلط ہیں چونکہ پہلی بات یہ ہے کہ ان آیات و روایات میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علوم سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کی صرف ایک حقیقت ہے اور وہ ایک ہی نفس رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کی حیوانیت اور انسانیت ایک دوسرے سے الگ ہوں۔

بلکہ انسانی نفس کے دو مرتبے اور دو پہلو ہیں۔ وہ نچلے مرتبہ میں ایک حیوان ہے کہ جس میں حیوان کے تمام صفات اور اثرات پائے جاتے ہیں اور بلند مرتبہ میں وہ ایک انسان ہے کہ جو اللہ کی روح ہے اور عالم ملکوت سے آیا ہے۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ ''نفس باشرف، گرانقدر اور تمام خوبیوں کا

۱۔ بحار رج ۷۰، ص ر۶۴
۲۔ غرر الحکم رص ر۲۲۶
۳۔ غرر الحکم رص ر۵۴
۴۔ بحار رج ۹۴، ص ر۱۴۳

مبدا اور سرچشمہ ہے۔ اس کی نشو ونما اور تربیت میں کوشاں رہو' وہاں نفس کے اسی بلند مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور جہاں یہ کہا گیا کہ ''نفس تمہارا دشمن ہے، اس پر بھروسہ نہ کرو کہ وہ تم کو ہلاکت میں ڈال دے گا، لہٰذا اسے قابو میں رکھو'' تو وہاں پر نفس کے نچلے مرتبے یعنی حیوانی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ ''اپنے نفس کو قوت بخشو اور اسے پروان چڑھاؤ'' تو اس سے مراد انسانی مرتبہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ''اس کا سر کچل دو اور اس پر قابو پاؤ'' تو اس سے مراد حیوانی مرتبہ ہے۔

ان دونوں مراتب کے درمیان ہمیشہ کشمکش رہتی ہے اور نفس حیوانی ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی خواہشات کو پورا کر کے اپنے آپ کو سرگرم رکھے نفس انسانی پر ارتقاء، تکامل اور خدا تک رسائی کے راستہ کو بند کر دے اور اسے اپنا غلام بنا لے۔ اس کے برخلاف نفس انسانی یا وجود انسان کا بلند مرتبہ ہمیشہ اس بات کی جد و جہد کرتا ہے کہ کمالات انسانی کے بلند ترین مراحل کو طے کرے قرب الٰہی کے درجہ پر فائز ہو جائے اور اس درجہ تک پہونچنے کے لئے حیوانی خواہشات وغرائز کو کنٹرول اور قابو میں رکھے اور ان سے خدمت لے۔ یہاں تک کہ اس میدان جنگ میں ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر غالب ہو جائے۔ اب اگر انسانی اور ملکوتی نفس غلبہ حاصل کرتا ہے تو انسانی اقدار زندہ ہوتے ہیں اور انسان قرب الٰہی کے بلند ترین مرتبہ کی طرف سیر وسفر کرتا ہے اور اگر نفس حیوانی غلبہ حاصل کرتا ہے تو عقل انسان کا چراغ غل کر دیتا ہے اور اسے ضلالت و گمراہی کی وادی میں ڈھکیل دیتا ہے۔ انبیاء کرام اسی لئے آئے کہ اس مقدس اور قسمت ساز معرکے میں انسانوں کی مدد کریں۔

انسانی اقدار

انسان دو خودی کا حامل ہے: ایک حیوانی خودی اور دوسرے انسانی خودی۔ لیکن انسان کی اہمیت و قیمت اس کے انسانی خودی کی وجہ سے ہے، حیوانی خودی سے نہیں۔ اس کی حیوانی خودی، طفیلی بلکہ درحقیقت ناخودی ہے۔ انسان اگر چہ حیوان ہے اور اسے چاہئے کہ اپنی حیوانی زندگی کی ضروریات کی طرف بھی توجہ کرے لیکن وہ اس دنیا میں اس لیے نہیں آیا ہے کہ صرف حیوانی زندگی بسر کرے۔ بلکہ وہ اس لیے آیا ہے کہ اپنی انسانی زندگی کی تکمیل کے لئے حیوانی زندگی سے فائدہ حاصل کرے۔

انسان، حیوانی اور انسانی دونوں زندگیوں میں کچھ چیزوں کا محتاج ہوتا ہے کہ جن کے تقاضے اس کے وجود میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ چونکہ وہ حیوان اور جسم نامی ہے لہٰذا وہ پانی، غذا، مکان، لباس اور ہوا کا محتاج ہے۔ اس کو زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے کی بھی ضرورت ہے۔ وہ ان کے حصول کے لیے کوشش اور حرکت کرتا ہے۔ بھوک اور پیاس کا احساس، غذا اور پانی کی لذت اس کے وجود میں ودیعت کردی گئی ہے اور نوع انسان کی بقا اور دوام کے لئے اس کے اندر جنسی خواہشات اور ہمسر کی طرف رجحان کو بھی ودیعت کر دیا گیا ہے۔

انسان اپنی بقا چاہتا ہے۔ اپنی زندگی کو جاری رکھنے کے لیے مجبور ہے کہ حیوانی زندگی کے اصول و قوانین کا بھی پابند ہو۔ جب وہ کھانا دیکھتا ہے اور بھوک کا احساس کرتا ہے تو اپنے آپ سے کہتا ہے کہ: ''اس کھانے کو حاصل کر کے کھانا چاہیئے اور اگر میرے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش آئی تو میں اس کا مقابلہ کروں گا۔'' البتہ یہ احساس برا اور غلط نہیں ہے کیونکہ انسان کو زندہ رکھنے کے لیے کوئی کام کرنا اور کھانا پینا چاہیئے۔ اسلام میں ان چیزوں سے منع نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس پر زور دیا گیا ہے لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حیوانی زندگی صرف مقدمہ ہے مقصد نہیں، طفیلی ہے اصل نہیں۔

پس اگر کوئی شخص حیوانی زندگی کو ہی اصل مانتے ہوئے حیوانی خواہشات کو پورا کرنے میں دن رات مصروف رہے اور اپنی زندگی کا مقصد کھانا پینا اور آرام کرنا، اوڑھنا، پہننا اور شہوت رانی اور حیوانی خواہشات کی تکمیل کو قرار دے تو وہ ضلالت و گمراہی میں گر گیا ہے اس لئے کہ اس نے انسانی عقل اور ملکوتی روح کو حاکمیت سے گرا کر اسے خانۂ غفلت میں و فراموشی میں قید کر دیا ہے۔ ایسے انسان کو انسان نہیں ماننا چاہیئے بلکہ وہ انسانی شکل میں ایک حیوان ہے۔ وہ عقل رکھتے ہوئے انسانی فضائل و کمالات کو نہیں پہچان پایا اور آنکھ کان رکھتے ہوئے نہ حقائق کو دیکھ پایا اور نہ ہی سن سکا۔ قرآن ایسے شخص کو حیوان بلکہ حیوان سے بدتر جانتا ہے کیونکہ حیوان عقل نہ رکھنے کی وجہ سے کسی چیز کو نہیں سمجھ سکتا لیکن انسان عقل تو رکھتا ہے لیکن سمجھتا نہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے:

پھر اگر قبول نہ کریں تو سمجھ لیجئے کہ یہ صرف اپنی خواہشات کا اتباع کرنے والے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدائی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کا اتباع کر لے جب کہ اللہ ظالم قوم کی

رکھتا ہے۔اس اعتبار سے وہ ایک ایسا قیمتی گوہر ہے جو عالم قدس سے آیا ہے۔جو حیوانی خواہشات کے علاوہ کچھ دیگر اقدار کا بھی طالب ہے اگر انسان باطن میں اپنی گرانقدر روح اور ذات پر نظر ڈالے اور اپنے آپ کو اچھی طرح پہچانے تو مشاہدہ کرے گا کہ وہ عالم قدرت، کرامت، علم، رحمت، بخشش، نور، احسان، خیر اور عدالت اور مجموعی طور پر عالم کمال سے آتا ہے اور اسی عالم سے مماثلت اور مناسبت رکھتا ہے۔

اس وقت انسان ایک دوسرا نظریہ قائم کرتا ہے اور دوسرے عالم کو دیکھتا ہے۔وہ کمال مطلق کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے کمالات کا دلدادہ ہو جاتا ہے اور ان اقدار کو عمل میں لاکر اپنے قیمتی نفس کو حیوانیت کے پست مرحلہ سے نکالتا ہے تاکہ مراحل کمال کو طے کرے اور مقام قرب الٰہی پر فائز ہو جائے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں اخلاقی اقدار کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔اگر انسان علم، احسان، خیر خواہی، ایثار وعدالت، بخشش، دبے کچلے اور کمزور لوگوں کا دفاع، سچائی، ایمانداری جیسی اقدار کا خواہش مند ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عالم کمال کی مخلوق سمجھتا ہے اور ان اقدار کو اپنے بلند انسانی مقام کے مناسب پاتا ہے اسی لئے ان کو دوست رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ ان اقدار تک پہنچنے کی راہ میں اپنی حیوانی خودی اور خواہشات کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

اخلاقی اقدار سے مراد کچھ روحانی اور معنوی کمالات ہیں کہ انسان کی ملکوتی روح اپنے کمال تک پہنچے کی ضرورتوں کے مطابق اس کو حاصل کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ہمیں ان کاموں کو انجام دینا چاہئے۔ان اخلاقی مطالبات کا سرچشمہ نفس کی کرامت وشرافت ہے جو ذات کی بلندی اور روحانی کمال حاصل کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔جب نفس یہ کہتا ہے ہمیں راہ حق میں قربان ہو جانا چاہئے یعنی ایثار میری ذات کو کمال تک پہنچانے کے لئے مفید ہے اور ہمیں اس بلندی تک پہنچنا چاہئے۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے معنوی کمالات تک پہنچنے کا ایک راستہ اور وسیلہ ایک ہی ہے اور سارے انسان اقدار اور خلاف اقدار امور کی شناخت میں ایک دوسرے کے مانند خلق کئے گئے ہیں۔

اگر انسان اپنی پاک فطرت اور پسندیدہ کمال کی طرف رجوع کرے اور خواہشات سے دور رہ کر خوب غور وفکر کرے تو وہ اخلاقی قدر و قیمت اور فضائل کو، اسی طرح برے اخلاق اور اس کے

نقصانات کو اچھی طرح پہچان لے گا۔ ہر دور کے انسان ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ اس طرح کی مقدس بات کو سمجھنے سے محروم ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نفسانی اور حیوانی خواہشات نے ان کے نورِ عقل کو بجھا دیا ہے اور نفس میدان مقابلہ میں تنہا شہسوار بن گیا ہے۔ قرآن کریم بھی فضائل اور رذائل کی شناخت کو انسان کی فطری شے سمجھتا ہے اور فرماتا ہے:

اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا ہے۔ پھر بدی اور تقوی کی ہدایت دی ہے۔ بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے گناہوں سے آلودہ کردیا ہے۔ (۱)

انبیائے الٰہی اسی مقصد کے تحت آئے کہ انسانوں کی فطرت کو بیدار کریں اور ان کی اخلاقی لاشعوری کو آگاہ و بیدار شعور میں بدل دیں۔

وہ آئے تا کہ انسانوں کو فضائل اور اچھائیوں کی طرف متوجہ کرائیں اور ان کو پورا کرنے، کمالات تک پہنچنے اور پروردگار کے قریب ہونے کی راہ میں ان کی راہنمائی اور مدد کریں۔

وہ آئے تا کہ انسانوں کو انسانیت کے بلند مرتبہ تک پہنچنے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کی قدر و قیمت کو زندہ رکھنے کی طرف توجہ دلائیں۔

وہ آئے تا کہ انسانوں کو اس اہم بات کی طرف متوجہ کریں کہ تم حیوان نہیں ہو بلکہ انسان ہو اور فرشتوں سے بالاتر ہو۔ دنیاوی اور حیوانی امور تمہارے بلند روحانی مقام کے شایان شان نہیں ہیں۔ اپنے آپ کو اس کے بدلے میں نہ بیچو۔

کسی نے امام سجادؑ سے پوچھا: ''شریف ترین اور بلندترین انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو دنیا کو اپنے نفس کے لئے عظمت و بلندی کا سبب نہ سمجھے۔''(۲)

اگر انسان اپنی انسانی شخصیت کو پہچان لے اور اس کی انسانی خودی قوی ہوجائے تو مکارم اخلاق اس میں زندہ ہوجائیں گے اور وہ برائیوں پر قابو پالے گا۔ اس وقت انسان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ انسانی اقدار کو چھوڑ کر خلاف اقدار کاموں کے پیچھے دوڑے، مثلاً سچ کو چھوڑ کر

۱۔ سورۂ شمس، ۷۔۱۰۔　　۲۔ تحف العقول ص/۲۸۵

جھوٹ کے پیچھے چل پڑے، امانتداری کو چھوڑ کر خیانت کی طرف چل پڑے، عزت نفس کو چھوڑ کر اپنے کو ذلت و رسوائی میں ڈال دے، احسان کو چھوڑ کر لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچانے میں لگ جائے وغیرہ وغیرہ

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''ہر وہ شخص جو اپنے نفس کی قدر و قیمت سمجھتا ہے اس کی نظر میں نفسانی خواہشات بے وقعت ہو جاتی ہیں۔''(۱)

انبیاء الٰہی ہمیشہ انسان کی فطرت کو بیدار کرنے کی جدو جہد کرتے رہے تا کہ وہ اپنے گرانقدر وجود کو پہچانے اور اپنے اور خدا کے درمیان رابطہ کو سمجھے اور تمام امور کو پروردگار کی خوشنودی اور قربت کے حصول کے لئے انجام دے یہاں تک کہ اس کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، دیکھنا، بولنا، کام کرنا، زندہ رہنا، مرنا سب کا سب اخلاقی اور پاکیزگی ہو۔ جب انسان خدا کا بندہ ہو جائے اور رضائے الٰہی کے حصول کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تب اس کے سارے کام عبادت، اخلاق اور بیش قیمت ہوں گے: قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ☆ لاشَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ. کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔(۲)

اسی لئے اسلام میں خودشناسی خاص اہمیت کی حامل ہے

امیر المومنینؑ نے فرمایا: نفس کی معرفت سب سے زیادہ فائدہ مند معرفت ہے۔(۳)

نیز فرمایا: ہر وہ شخص کہ جس نے خود کو پہچانا اس کا کام باعظمت ہو گیا۔(۴)

خودشناسی سے مراد شناختی کارڈ والی خودشناسی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اصل مقام کو پہچانے اور سمجھ لے کہ وہ ایک خالق کی مخلوق نہیں ہے بلکہ عالم ربوبیت کا پرتو ہے۔ خدا کا خلیفہ اور امانتدار ہے۔ وہ ایک ملکوتی مخلوق ہے جو عالم، آزاد اور مختار پیدا ہوا ہے تا کہ وہ لامتناہی کمال کی طرف بڑھ سکے اور اپنی امتیازی خلقت کے سبب اپنے آپ کو فضائل و کمالات سے آراستہ

۱۔ نہج البلاغہ، قصار/۴۴۹ ۲۔ سورۂ انعام، ۱۶۲۔

۳۔ غرر الحکم، ص/۷۶۸ ۴۔ غرر الحکم، ص/۶۲۸

کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اسی معرفت کی وجہ سے کرامت وشرافت اور عظمت کا احساس کرتا ہے اور اپنی عظمت و پاکیزگی کو پہچانتا ہے، فضائل اور بہترین اخلاق اس کی نظر میں باعظمت ہو جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں وہ یاس و نا امیدی، باطل پرستی اور بیہودہ کاموں اور تکرار مکررات سے نجات پائے گا اور اس کے لئے زندگی بیش قیمت، مقدس اور بامقصد ہو جائے گی۔

باطنی زندگی

انسان اس دنیا میں ایک ظاہری زندگی بسر کرتا ہے جو اس کے جسم و تن سے مربوط ہے۔ وہ کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے، چلتا اور کام کرتا ہے، اسی حالت میں وہ باطن میں ایک نفسانی زندگی بھی بسر کرتا ہے۔ درحالیکہ وہ دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن باطن میں یا تو نیکی وسعادت، کمال اور نورانیت کی طرف بڑھتا رہتا ہے یا بدبختی، سنگدلی اور ظلمت کی طرف گامزن رہتا ہے یا انسانیت کے صراط مستقیم پر چل کر اللہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے یا انسانیت کے صراط مستقیم سے بھٹک کر حیوانیت کی تاریک اور پست وادیوں میں ہاتھ پیر مارتا رہتا ہے یا درجات کمال میں نور و سرور، کمال و جمال کے راستوں کو طے کرتا ہے یا تاریکی، عذاب اور پستی کی طرف چلتا رہتا ہے۔ اگر چہ زیادہ تر لوگ اس باطنی زندگی سے غافل ہیں لیکن یہ حقیقت ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''بظاہر دنیاوی زندگی کا علم رکھتے ہیں لیکن آخرت کی زندگی سے غافل ہیں۔''(۱)

لیکن جاننا اور نہ جاننا، حقیقت میں کوئی اثر انداز نہیں ہوتی ۔ قیامت میں جبکہ انسان کی آنکھوں سے مادیت کے تاریک پردے اٹھا لیے جائیں گے اس وقت وہ اپنی واقعیت، حقیقت اور عظمت کو پہچان لے گا۔

خداوند عالم قرآن مجید میں انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: ''تو دنیا میں اس بات سے غافل تھا لیکن آج تیری نگاہیں تیز ہو گئی ہیں۔''(۲)

۱۔ سورۂ روم، ۷۔ ۲۔ سورۂ ق، ۲۲۔

آیت مذکورہ سے پتہ چلتا ہے کہ آخرت سے متعلق چیزیں اسی دنیا میں انسان کے باطن میں موجود ہیں لیکن انسان ان سے غافل ہے جبکہ آخرت میں غفلت کے پردے ہٹا لیے جائیں گے اور انسان ان تمام چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسان اس دنیا میں بہت سے ایسے کاموں کو انجام دیتا ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی اخروی زندگی میں اس کے لئے قسمت ساز ہوں گی۔ نمونہ کے طور پر:

خدا قرآن میں فرماتا ہے: ''ہر نفس اپنے اعمال میں گرفتار ہے۔''(۱)

اورفرماتا ہے: ''اس کے بعد ہر نفس کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''(۲)

اورفرماتا ہے: '' خدا تمہاری لغو اور غیر ارادی قسموں کا مواخذہ نہیں کرتا ہے لیکن جس کو تمہارے دلوں نے حاصل کیا ہے اس کا ضرور مواخذہ کرے گا۔ وہ بخشنے والا بھی ہے اور برداشت کرنے والا بھی۔''(۳)

اورفرماتا ہے: ''اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا . ہر نفس کے لئے اس کی حاصل کی ہوئی نیکیوں کا فائدہ بھی ہے اور اس کی کمائی ہوئی برائیوں کا مظلمہ بھی۔''(۴)

اورفرماتا ہے: ''اس دن کو یاد کرو جب ہر نفس اپنے نیک اعمال کو بھی حاضر پائے گا اور اعمال بد کو بھی جن کو دیکھ کر یہ تمنا کرے گا کہ کاش ہمارے اور ان برے اعمال کے درمیان طویل فاصلہ ہو جاتا۔''(۵)

اورفرماتا ہے: ''جس نے بھی نیک کام انجام دیا وہ اپنے نفس کے لیے انجام دیا اور جو بھی برے کام کا مرتکب ہوا، اس نے اپنے ہی نفس کے نقصان کے لیے کیا پھر تم سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر آؤ گے۔''(۶)

اورفرماتا ہے: ''جس شخص نے بھی ذرہ برابر نیک کام انجام دیا، وہ اسے قیامت میں دیکھے

۱۔ سورۂ مدثر، ۳۸.
۲۔ سورۂ آل عمران، ۱۶۱.
۳۔ سورۂ بقرہ، ۲۲۵.
۴۔ سورۂ بقرہ، ۲۸۶.
۵۔ سورۂ آل عمران، ۳۰.
۶۔ سورۂ جاثیہ، ۱۵.

گا اور جس شخص نے بھی ذرہ برابر برا کام انجام دیا، وہ اسے بھی قیامت میں دیکھے گا۔"(۱) 3

اور فرماتا ہے: "اور انسان کے لئے صرف اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے اور اس کی کوشش عنقریب اس کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔"(۲)

اور فرماتا ہے: "تم جو کچھ بھی اپنے لیے پہلے سے بھیجتے ہو وہ سب کا سب خدا کے پاس موجود پاؤ گے۔"(۳)

اور فرماتا ہے: "اس دن مال اور اولاد انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے مگر یہ کہ اس شخص کو جو خدا سے خلوصِ قلب کے ساتھ ملاقات کرے گا۔"(۴)

پیغمبر اکرمؐ نے ایک صحابی سے فرمایا: "اے قیس! تم اپنے لیے مجبور ہو کہ تمہارا کوئی ایسا ساتھی ہو جو قبر میں تمہارے ساتھ رہے۔ وہ زندہ ہو اور تم اس کے ساتھ دفن ہو۔ اگر وہ نیک اور کریم ہوگا تو وہ تمہیں عزت وکرامت دلائے گا اور اگر پست وذلیل ہوگا تو وہ تم کو بھی ذلیل وپست بنائے گا اور قیامت میں تمہارا حشر اسی کے ساتھ ہوگا اور تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا لہٰذا اپنے لیے نیک اور صالح ساتھی تلاش کرو کیونکہ اگر وہ صالح ونیک ہوگا تو وہ تم سے انس ومحبت رکھے گا اور اگر برا ہوگا تو اس سے وحشت وعذاب کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا اور وہ ساتھی تمہارا عمل ہوگا۔"(۵)

انسان اسی دنیا میں اپنے نفس کی تربیت اور آخرت کی زندگی کو بنانے میں مشغول رہتا ہے جو عقیدہ وفکر، عادات واطوار، محبت ولگاؤ، توجہ ورغبت کے وسیلہ سے اور ان کاموں کے وسیلوں سے جو نفس پر اثر انداز ہوتے ہیں، رفتہ رفتہ تیار ہوتا اور پروان چڑھتا ہے اور اس کی شخصیت انہی چیزوں سے وابستہ ہے۔ معارف وعقائد حق، فضائل ومکارم اخلاق، انس وحب الٰہی، اطاعت خدا اور اس کی خوشنودی کا حصول، عمل صالح کی انجام دہی کہ جس کا خدا نے حکم دیا ہے یہ ساری چیزیں انسان کی ملکوتی روح کو درجات کمال میں سیر کراتی ہیں اور قرب الٰہی درجہ پر فائز کراتی ہیں۔ انسان، ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اسی دنیا میں ایک نئی اور پاکیزگی زندگی حاصل کرتا ہے جو عالم آخرت میں ظاہر وآشکار ہوگی۔

۱۔ سورۂ زلزال، ۷.　۲۔ سورۂ نجم، ۳۹.　۳۔ سورۂ بقرہ، ۱۱۰.

۴۔ سورۂ شعراء، ۸۵　۵۔ جامع السعادات رج را رص ر ۱۷

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''ہر وہ شخص جو عمل صالح انجام دیتا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اس حالت میں کہ وہ ایمان رکھتا ہو تو ہم اس کو پاک اور عمدہ زندگی عطا کریں گے۔''(۱)

انسان اس دنیا میں ان نعمتوں کے علاوہ جن سے اس کا جسم و بدن لذت حاصل کرتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، روحانی نعمتوں سے بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنی روح اور نفس کی پرورش کر سکتا ہے اور اپنی روحانی اور اخروی زندگی کو سنوار سکتا ہے کہ اس کا نتیجہ عالم آخرت میں ظاہر ہوگا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدائے تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا: اے میرے سچے بندو! دنیا میں میری عبادت کی نعمت سے فائدہ اٹھاؤ تا کہ آخرت کی دنیا میں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکو۔''(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''ہمیشہ خدا کا ذکر کرنا، روح کی غذا ہے۔''(۳)

نیز فرمایا: ''ذکر خدا کو نہ بھولو کہ یہ دلوں کا نور ہے۔''(۴)

انسان کے لیے جنت اور اس کی نعمتیں یا دوزخ اور اس کا عذاب، اس دنیا میں اس کے عقائد، اخلاق اور اعمال ہی کی پیداوار ہیں اگر چہ وہ اس سے غافل ہے لیکن عالم آخرت جو رازوں کے ظاہر ہونے کا دن ہے، اس دن ساری حقیقت ظاہر اور آشکار ہو جائے گی۔

امام سجادؑ نے فرمایا: ''خبردار! ہر وہ شخص جو اولیائے خدا سے دشمنی کرے اور دین خدا کے علاوہ کسی دوسرے دین کو اپنائے اور ولی خدا کے حکم کو نہ مانے اور اپنی رائے پر عمل کرے وہ اس شعلہ ور آگ میں ہوگا جو اس کے بدن کو کھا جائے گی۔ وہ بدن کہ جنہوں نے اپنی روحوں کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا ہے اور بدبختی نے ان پر غلبہ کیا ہے۔ یہ وہ مردے ہیں جو آگ کی حرارت کو محسوس نہیں کرتے اور اگر وہ زندہ ہوتے تو آگ کی حرارت اور درد کو محسوس کرتے۔ لہٰذا اے صاحبان بصیرت! عبرت حاصل کرو اور خدا کا شکر یہ ادا کرو کہ اس نے تمہاری ہدایت کی ہے۔''(۵)

خداوند عالم نے فرمایا: ''جو لوگ ظالمانہ انداز سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ در حقیقت

۱۔ سورۂ نحل، ۹۷۔
۲۔ بحار الانوار ر ج ر ۷، ص ر ۲۵۳
۳۔ غرر الحکم ر ص ر ۷۶۴
۴۔ غرر الحکم ر ص ر ۴۷۹
۵۔ قرۃ العیون، تالیف مرحوم فیض ر ص ر ۴۶۶

اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب واصل جہنم ہوں گے۔''(۱)

انسان اس دنیا میں آخرت کے لیے نور وبصیرت فراہم کرتا ہے یا ظلمت وتاریکی۔ اگر وہ اس دنیا میں اندھا اور بے نور رہے گا تو قیامت میں بھی اندھا اور بے نور اٹھایا جائے گا۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''جو اس دنیا میں (دل کا) اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ محشور ہوگا۔''(۲)

استاد عالیقدر علامہ طباطبائیؒ نے فرمایا: نجف اشرف میں ایک عابد وزاہد شیخ زندگی بسر کرتا تھا اس کو شیخ عبود کہا جاتا تھا۔ وہ اولیائے خدا اور عرفان کی راہوں کو طے کرنے والوں میں سے تھا۔ وہ ہمیشہ ذکر خدا اور عبادت پروردگار میں مشغول رہتا تھا، کبھی وادی السلام کے قبرستان میں جاتا اور گھنٹوں گوشہ وکنار میں بیٹھا رہتا اور غور وفکر کرتا اور کبھی ٹوٹی ہوئی اور نئی قبروں کو باغور دیکھتا۔ ایک دن جب وہ قبرستان سے واپس آرہا تھا تو چند لوگوں سے اس کی ملاقات ہوئی، انھوں نے اس کی خیریت پوچھی اور کہا: شیخ عبود! وادی السلام میں کیا خبر ہے؟ کہا: کوئی نئی خبر نہیں ہے۔ جب انھوں نے اصرار کیا تو کہا: میں نے ایک بہت ہی عجیب وغریب چیز دیکھی ہے۔ میں نے جتنی بھی پرانی اور نئی قبروں پر غور کیا تو اس میں سانپ، بچھو اور اسباب عذاب کو نہیں پایا۔ میں نے ان میں سے ایک صاحب قبر سے کہا: روایات میں آیا ہے کہ میت قبر میں سانپ، بچھو اور دوسری موذی چیزوں کے ذریعہ عذاب میں مبتلا رہے گی۔ میں نے تمہاری قبر میں سانپ اور بچھو نہیں دیکھا! صاحب قبر نے مجھ کو جواب دیا: ہاں سہی ہے کہ میری قبر میں سانپ اور بچھو نہیں ہیں لیکن انسان خود دنیا سے اپنے ساتھ سانپ اور بچھو کو لے کر آتا ہے اور یہاں ان کے شکنجہ میں ہوتا ہے۔

انسان کی نفسانی اور باطنی زندگی بھی ایک حقیقی اور واقعی زندگی ہے۔ انسان اپنے باطن میں ایک واقعی راستہ طے کرتا ہے یا تو وہ سعادت اور کمال تک پہنچے گا یا بدبختی اور ہلاکت میں گر پڑے گا۔ سیر وحرکت واقعیت رکھتا ہے اور انسان کے عقائد، اخلاق اور اعمال سے مدد حاصل کرتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے: ''جو شخص بھی عزت کا طلبگار ہے وہ سمجھ لے کہ عزت سب پروردگار

۱۔ سورۂ نساء، ۱۰۰۔ ۲۔ سورۂ اسراء، ۷۲۔

کے لئے ہے۔ پاکیزہ کلمات اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور عمل صالح انہیں بلند کرتا ہے۔"(۱)
ہمارے نفس کی فعلیت اور وجود ہماری جد و جہد اور سعی و کوشش کی پیداوار ہے جو عقائد، اخلاق، ملکات، خصائل اور اعمال سے بنتا ہے اور اس کا اچھا یا برا نتیجہ، عالم آخرت میں ظاہر و آشکار ہوگا۔

خود کو کیسے سنواریں؟

علوم عالی میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انسان جسمانی الحدوث اور روحانی البقاء ہے۔ یعنی ملکوتی روح وہی گذشتہ جسمانی صورت ہے کہ جو رفتہ رفتہ حرکت اور تکامل حاصل کر کے روح انسانی کے نچلے مرتبہ یعنی انسان بالقوۃ تک پہنچا ہے اور اس کا یہ سفر اور تکامل اس مرحلہ میں بھی رکتا نہیں ہے بلکہ آخر عمر تک اسی طرح جاری و ساری رہتا ہے۔ ابتداء میں وہ ایک مجرد و ملکوتی مخلوق اور عالم مادہ سے برتر ہوتا ہے البتہ وہ مجرد تام اور کامل یعنی عالم مادہ سے مکمل طور پر مبرا نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسی مجرد مخلوق ہوتا ہے جو اپنے وجود کے نچلے مرتبہ کے اعتبار سے جسم و بدن سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسی موجود ہے جو دو مرتبے کی حامل ہے: ایک مادی مرتبہ ہے وہ بدن سے تعلق رکھتا ہے اور مادی کاموں کو انجام دیتا ہے اسی لئے اس کے لیے حرکت اور کمال طلبی قابل تصور ہے اور اس کا دوسرا مرتبہ مجرد ہے اور مادہ سے برتر۔ اسی لئے وہ غیر مادی امور کو انجام دیتا ہے۔ اس کے ایک طرف حیوان ہے اور جسمانی۔ اور دوسری طرف وہ انسان ہے اور ملکوتی۔ درحالیکہ وہ صرف ایک حقیقت ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے لیکن وہ حیوانی طبیعت اور صفات کا حامل ہے اور حیوانات والے کام انجام دیتا ہے نیز انسانی طبیعت اور صفات سے بھی بہرہ مند ہے اور انسانی امور انجام دیتا ہے۔

یہ وہ عجیب و غریب مخلوق ہے کہ جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے: "فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِینَ۔" ابتداء میں وہ ایک ساختہ شدہ اور کامل مخلوق نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ آہستہ آہستہ اپنے کو بناتا سنوارتا ہے اور پروان چڑھاتا ہے۔ عقائد، افکار، عادات و اطوار جو اس کے اعمال اور حرکات سے پیدا ہوتے ہیں، انسان کی ذات کو سنوارتے ہیں اور رفتہ رفتہ کمال تک پہنچاتے ہیں۔

۱۔ سورۂ فاطر، ۱۰۔

ملکات ایسے امور نہیں ہیں جو الگ سے اس کے وجود پر عارض ہو گئے ہوں بلکہ یہی ملکات ہیں جو اس کی شخصیت کو بناتے اور سنوارتے ہیں۔

خاص بات تو یہ ہے کہ افکار، عقائد اور ملکات صرف انسان کے وجود پر ہی اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ اس کو ''کیسا ہونا چاہئے'' اس پر بھی اثر کرتے ہیں یعنی صحیح افکار وعقائد، بہترین اخلاق اور اچھے عادات واطوار سب کے سب عمل صالح کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں، رفتہ رفتہ انسان کو کمال کے مرتبہ تک پہنچاتے اور اسے ایک کامل انسان کے مرتبہ اور خدا کے قریب پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح جہالت، باطل عقائد، برے اخلاق وعادات، سنگدلی جو برے کاموں کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں وہ انسان کی روح کو کمزوری اور پستی کی طرف کھینچتی ہیں اور آہستہ آہستہ اسے حیوانیت کے راستہ پر لے جاتی ہیں اور آخرکار اسے حیوانیت کی اندھیری وادی میں ڈھکیل دیتی ہیں۔ حیوانی صفات وملکات کے مستحکم ہونے اور نادانی وسنگدلی کے انبار کی وجہ سے وہ باطن میں ایک حیوان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ہاں اس کی ذات واقعی حیوان بن جاتی ہے اور حیوانی شخصیت پیدا کرلیتی ہے۔ اب وہ انسان نہیں ہے بلکہ حیوان اور حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ایک ایسا حیوان ہے جو انسان سے حیوان بنا ہے۔ اگرچہ وہ ظاہری طور پر ایک انسان کی صورت میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن باطن میں وہ حیوان ہو گیا ہے اور اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ حیوانوں کی حیوانیت ان کی خاص شکل وصورت سے نہیں ہے بلکہ حیوانی نفوس اور بغیر کسی قید وشرط کے حیوانی غرائز وخواہشات کی پیروی کی وجہ سے ہے۔ بھیڑیا اپنی مخصوص شکل کی وجہ سے بھیڑیا نہیں ہے بلکہ پھاڑ کھانے والی عادت اور بغیر قید وشرط کے اپنی طبیعت اور بغیر غور وفکر اور عقل کے استعمال کے انجام دینے کی وجہ سے بھیڑیا کہا جاتا ہے۔ اگر کسی پر درندگی غلبہ کرلے اور اس کی عقل کو اندھا کردے ایسا شخص، باطن میں ایک حقیقی بھیڑیئے میں تبدیل ہو جائے گا۔ بلکہ وہ ایسا بھیڑیا ہوگا جو جنگلی بھیڑیوں سے بھی زیادہ درندہ اور خواہ مخواہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنی عقل وفہم کو بھی درندگی کی صفت میں استعمال کیا ہے۔ بعض لوگ ایسے جرائم کرتے ہیں کہ جن کو جنگل کے بھیڑیئے بھی انجام نہیں دیتے۔ کیا وہ بھیڑیئے نہیں ہیں؟ ہاں واقعاً وہ بھیڑیئے ہیں اگرچہ وہ خود نہیں سمجھتے اور دوسرے افراد بھی انہیں انسان ہی سمجھتے ہیں۔ قیامت میں جو کہ ہر چیز کے ظاہر ہونے کا دن ہے

،جب آنکھوں سے پردے ہٹادیئے جائیں گے،ان کا باطن بھی ظاہر ہوجائے گا اور یہ بھی معلوم ہے کہ جنت بھیڑیئے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ جنت میں بھیڑیا اولیاء اور خدا کے نیک بندوں کے ساتھ رہے۔ایسا بھیڑیا جوانسانیت کے راستے سے بھیڑیا بنا ہے اسے دوزخ کے تاریک اور دردناک فضا اور عذاب میں زندگی بسر کرنی ہوگا۔

لہٰذا انسان اس دنیا میں ایک نا شناختہ مخلوق ہے کہ جو اپنی آئندہ زندگی کی شخصیت کو خود بناتا ہے یا تو وہ انسان ہوجائے گا جو اللہ کے قریب ترین فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہوجائے گا یا باطن میں مختلف حیوانات کی صورت میں تبدیل ہوجائے گا۔ یہ وہ بات ہے جو علوم سے ثابت ہوچکی ہے اور اولیائے خدا بھی اس کے دعویدار اور گواہ ہیں نیز پیغمبر اکرمؐ وائمہ معصومینؑ بھی، یعنی حقیقی انسان کو پہچاننے والوں نے اس کی خبر دی ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: ''قیامت میں لوگ ایسی صورتوں میں محشور ہوں گے کہ ان سے بہتر بندر اور سور کی صورتیں ہوں گی۔''(۱)

امیرالمومنینؑ نے عالم فاسد کے بارے میں فرمایا: ''اس کی صورت انسان کی صورت کی طرح ہوتی ہے لیکن اس کا دل حیوان کا ہوتا ہے، ہدایت کے راستے کو نہیں پہچانتا کہ اس کی پیروی کرے اور گمراہی کے راستوں کو نہیں جانتا کہ ان سے بچتا رہے اور ایسے ہی لوگ زندوں کے درمیان مردہ ہیں۔''(۲)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''تکبر کرنے والے چیونٹی کی صورت میں تبدیل ہوجائیں گے جو اہل محشر کے پاؤں کے نیچے کچلے جائیں گے یہاں تک کہ لوگوں کا حساب و کتاب ختم ہوجائے گا۔''(۳)

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ ''اور جب قیامت کے دن وحشی حیوانات محشور ہوں گے۔''(۴)

بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ وحشی حیوانات سے مراد وہ انسان

۱۔قرۃ العیون/ص۴۷۹ ۲۔نہج البلاغہ خطبہ/۸۷
۳۔بحار الانوار/ج۷ص۲۰۱ ۴۔سورۂ تکویر، ۵۔

ہیں جو قیامت میں جانوروں کی صورت میں محشور ہوں گے ورنہ جانوروں کے ذمہ فرائض اور حشر ونشر نہیں ہے کہ انھیں محشور کیا جائے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''وہ دن تمہارے لیے جدائی اور علیحدگی کا دن ہوگا جس دن صور پھونکا جائے گا اور تم گروہ گروہ میں آؤ گے۔''(۱)

بعض مفسرین نے آیۂ مذکورہ کی بھی اسی معنی میں تفسیر کی ہے کہ قیامت میں انسان ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے اور ہر کوئی اپنی باطنی صورت کے ساتھ یا اپنے سے ملتی جلتی دوسری صورتوں کے ساتھ محشور ہوگا۔ آیت مذکورہ کی تفسیر میں پیغمبر اکرمؐ سے ایک نہایت عمدہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ:

معاذ بن جبل کہتے ہیں: ﴿يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا﴾ کی تفسیر کے متعلق ہم نے رسولؐ خدا سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! تم نے ایک بہت اہم موضوع کے بارے میں سوال کیا ہے اور اسی اثنا میں آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا: ''میری امت کے دس دستے مختلف صورتوں میں محشور ہوں گے اور سب کے سب ایک دوسرے سے الگ ہوں گے۔ کچھ بندروں کی شکل میں اور کچھ سور کی شکل میں محشور ہوں گے، کچھ کے سر زمین کی طرف اور پیر اوپر کی طرف ہوں گے اور حرکت کریں گے، کچھ اندھے اور سرگرداں ہوں گے، کچھ گونگے اور بہرے ہوں گے جو کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں گے، کچھ اپنی زبان کو چبا رہے ہوں گے اور ان کے منھ سے پیپ، گندگی اور خون نکل رہا ہوگا کہ جس سے اہل محشر بیزاری کریں گے، کچھ کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوں گے، کچھ ایسی حالت میں محشور ہوں گے کہ آگ کے کھمبوں سے لٹکے ہوں گے، کچھ مردوں سے زیادہ بدبودار ہوں گے اور کچھ کے بدن پر تانبے کا لباس ہوگا جو ان کے بدن سے چپکا ہوا ہوگا۔

نیز فرمایا: ''جو لوگ بندر کی صورت میں محشور ہوں گے وہ چغلخور رہوں گے، جو لوگ سور کی صورت میں محشور ہوں گے وہ رشوت خور اور حرام خور ہوں گے، جو لوگ الٹے لٹکے حرکت کر رہے ہوں گے وہ سود خور ہوں گے، جو اندھے محشور ہوں گے وہ ایسے لوگ ہوں گے جو فیصلوں اور حکومت میں ظلم و

۱۔ سورۂ نبا، ۱۸۔

ستم کرتے ہوں گے، اندھے اور بہرے وہ افراد ہوں گے کہ جن کی چال خود پسندی کی ہوگی، وہ افراد جو اپنی زبان کو چبا رہے ہوں گے وہ علماء اور قاضی ہوں گے جن کے اعمال ان کے قول کے مطابق نہیں تھے، وہ لوگ جن کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوں گے وہ اپنے پڑوسیوں کو اذیت دینے والے ہوں گے۔ وہ لوگ جو آگ کے کھمبوں سے لٹکے ہوں گے وہ، ایسے ہوں گے جو حکمرانوں کے سامنے لوگوں کی چغلخوری کرتے ہوں گے، وہ لوگ کہ جن کی بد بو مردار سے زیادہ بدتر ہوگی، وہ ایسے لوگ ہوں گے جو خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہوں گے اور اپنے مال میں سے حق خدا کو ادا نہیں کرتے ہوں گے اور جو لوگ تانبے کا لباس پہنے ہوں گے وہ تکبر اور غرور کرنے والے ہوں گے۔ (۱)

پس اخلاقی امور کو معمولی اور حقیر نہیں شمار کرنا چاہئے بلکہ یہ وہ امور ہیں جو بہت ہی اہم اور قسمت ساز ہیں، جو انسان کی نفسانی اور باطنی زندگی کو بناتے سنوارتے ہیں یہاں تک کہ اس کی شخصیت پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ علم اخلاق صرف کس طرح زندگی بسر کرنے کا علم نہیں ہے بلکہ کیا ہونے اور کیا بننے کا بھی علم ہے۔

۱۔ تفسیر مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۴۲۳، روح البیان، ج ۱۰، ص ۲۹۹، نور الثقلین، ج ۵، ص ۴۹۳۔

قلب قرآن؛ قرآن مجید کی روشنی میں قلب

''قلب'' کی لفظ قرآن اور احادیث میں بہت زیادہ استعمال ہوئی ہے اوراس کی ایک خاص اہمیت ہے لیکن یہ خیال نہ کیا جائے کہ قلب سے مراد یہی صنوبری شکل کا ایک عضو ہے کہ جو بدن کے بائیں طرف واقع ہے اور اپنی مسلسل حرکت سے خون کو بدن کے تمام حصوں میں بھیجتا ہے اور حیوانی زندگی کو جاری وساری رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں جن چیزوں کو قلب سے نسبت دی گئی ہے وہ اس صنوبری شکل کے عضو یعنی دل سے مناسبت نہیں رکھتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) **عقل وسمجھ:** خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی ہے کہ ان کے پاس ایسے دل ہوتے جو سمجھ سکتے۔''(۱)

(۲) **عقل وسمجھ نہ رکھنا:** خدا قرآن میں فرماتا ہے: ''وہ لوگ قلب رکھتے ہیں مگر یہ کہ اس سے نہیں سمجھتے اور آنکھیں رکھتے ہیں لیکن اس سے نہیں دیکھتے۔''(۲)

نیز فرماتا ہے: ''ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے لہٰذا وہ نہیں سمجھتے۔''(۳)

(۳) **ایمان:** خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''خدا نے ان لوگوں کے دلوں میں ایمان بھر دیا ہے اور اپنی جانب سے روح کے ذریعہ ان کی تائید کی ہے۔''(۴)

(۴) **کفر وعدم ایمان:** خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔''(۵)

۱۔ سورۂ حج، ۴۶۔ ۲۔ سورۂ اعراف، ۱۷۹۔ ۳۔ سورۂ توبہ۔ ۸۷۔

۴۔ سورۂ مجادلہ، ۲۲۔ ۵۔ سورۂ نحل، ۲۲۔

اورفرماتا ہے: ''کفاروہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور وہ غافل ہیں۔''(۱)

(۵) **نفاق:** خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''منافق کو یہ خوف ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے ایک سورہ نازل ہوکر مسلمانوں کو ان کے دل کے حالات سے باخبر نہ کردے۔''(۲)

(۶) **ہدایت پانا:** قرآن مجید میں آیا ہے: ''جو شخص بھی خدا پر ایمان لے آئے، اس کا دل اس کی ہدایت کرتا ہے اور خدا ہر چیز سے آگاہ ہے۔''(۳)

نیز فرمایا: ''بیشک گذرے ہوئے لوگوں کو ہلاک کردینے میں نصیحت اور ذکر ہے ایسے شخص کے لیے کہ جو دل رکھتا ہو، حقیقتوں کو سنتا اور گواہ ہو۔''(۴)

(۷) **غفلت:** قرآن حکیم میں آیا ہے: ''وہ شخص کہ جس کا دل میری یاد سے غافل ہو اور وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہو اس کی اطاعت نہ کرو۔''(۵)

(۸) **اطمینان اور آرام وسکون:** ''قرآن حکیم میں آیا ہے: آگاہ رہو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔''(۶)

اورفرماتا ہے: ''خدا وہ ہے کہ جس نے مومنین کے دلوں پر سکون نازل کیا تا کہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو۔''(۷)

(۹) **اضطراب اور بے چینی:** قرآن حکیم میں آیا ہے: ''صرف وہ لوگ جو خدا اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک اور تردد ہے، وہ تم سے جہاد سے بچنے کی اجازت چاہتے ہیں اور وہ ہمیشہ شک وتردد میں پڑے رہیں گے۔''(۸)

(۱۰) **رحمت اور مہربانی:** قرآن حکیم میں آیا ہے: ''ہم نے ان کے دلوں میں جو حضرت عیسیٰؑ کی پیروی کرتے ہیں مہربانی اور رحمت کو قرار دیا ہے۔''(۹)

۱۔سورۂ نحل، ۱۰۸۔ ۲۔سورۂ توبہ، ۶۴۔ ۳۔سورۂ تغابن، ۱۱۔
۴۔سورۂ ق، ۳۷۔ ۵۔سورۂ کہف، ۲۸۔ ۶۔سورۂ رعد، ۲۸۔
۷۔سورۂ فتح، ۴۔ ۸۔سورۂ توبہ، ۴۵۔ ۹۔سورۂ حدید، ۲۷۔

نیز فرمایا: ''خدا وہ ہے کہ جس نے اپنی مدد کی اور مومنین کے وسیلہ سے تمہاری تائید فرمائی اور ان کے دلوں میں الفت و محبت قرار دی۔''(۱)

(۱۱) **تند مزاجی اور سخت دلی:** قرآن میں آیا ہے: ''اگر تم تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے۔''(۲)

بالآخر، قرآن میں لفظ 'قلب' ایک ممتاز مقام رکھتا ہے اور زیادہ تر نفسانی کاموں کو اسی کی طرف نسبت دی گئی ہے جیسے ایمان، کفر، نفاق، عقل، سمجھ، عدم عقل، حق کو قبول کرنا، ہدایت، گمراہی، خطا، ارادہ، طہارت، سخت دلی، حسرت، آرام، تکبر، حسد، گناہ، غلطی اور اسی طرح کے دیگر امور کی نسبت قلب کی طرف دی گئی ہے جس کو دل کہا جاتا ہے مذکورہ بالا امور کا تعلق اور لگاؤ دل سے نہیں بلکہ یہ انسانی نفس اور روح کے کام ہیں۔

لہٰذا کہنا چاہئے: قلب سے مراد وہ مجرد ملکوتی گوہر ہے کہ جس سے انسان کی انسانیت وابستہ ہے۔

قرآن میں قلب کا مقام اس قدر بلند اور عالی ہے کہ وہ نزول وحی کی جگہ ہے یعنی وہ گفتگو جو خدا اور انسان کے بیچ ہوتی ہے وہاں قلب کا ذکر ہوتا ہے۔ خداوند عالم قرآن حکیم میں پیغمبرؐ سے فرماتا ہے: ''روح الامین نے قرآن کو تمہارے قلب پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ڈراؤ۔''(۳)

نیز فرماتا ہے: ''اے پیغمبر کہہ دو جو شخص بھی جبرئیل کا دشمن ہے وہ خدا سے دشمنی کرتا ہے کیونکہ جبرئیل نے خدا کی اجازت سے قرآن کو تمہارے قلب پر نازل کیا ہے۔''(۴)

قلب کا مقام اتنا بلند ہے کہ وہ وحی کے فرشتہ کو دیکھتا ہے اور اس کی باتوں کو سنتا ہے۔ خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''خدا نے اپنے بندہ (حضرت محمدؐ) پر وحی کی اور پیغمبرؐ کے قلب نے اس کا مشاہدہ کیا۔ یہ بات فرشتہ نے جھوٹ نہیں کہی۔''(۵)

۱۔ سورۂ انفال، ۶۳۔ ۲۔ سورۂ آل عمران، ۱۵۹۔ ۳۔ سورۂ شعراء، ۱۹۴۔

۴۔ سورۂ بقرہ، ۹۷۔ ۵۔ سورۂ نجم، ۱۱۔

دل کی صحت اور بیماری

ہماری زندگی روح اور قلب سے جڑی ہوئی ہے۔روح وہ ہے جو جسم کے نظام کو درست رکھتی ہے۔تمام اعضاء و جوارح روح کے حکم کے تابع ہوتے ہیں اور تمام اعمال و حرکات قلب سے پیدا ہوتے ہیں۔

لہٰذا انسان کی نیکی اور برائی اس کے قلب سے کس طرح جڑی ہوئی ہے اس کا پتہ قرآن اور حدیث سے چلتا ہے جس طرح انسان کا جسم کبھی ٹھیک ہوتا ہے اور کبھی بیمار اسی طرح اس کا قلب بھی کبھی ٹھیک ہوتا ہے اور کبھی بیمار۔

خدا قرآن کریم میں فرماتا ہے:''قیامت کے دن انسان کے لیے مال اور اولاد فائدہ مند نہ ہوگی مگر اس شخص کے لیے جو صحت قلب کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرے۔''(۱)

نیز فرمایا:''بیشک اس ہلاکت اور تباہ کاری میں تذکرہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو قلب رکھتا ہو۔''(۲)

اور فرمایا:''بہشت کو پرہیزگاروں کے اتنا قریب لائیں گے تاکہ وہ کبھی دور نہ ہو۔ یہ وہی جنت ہے کہ جس کا وعدہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے اور نفس کی حفاظت کرنے والے سے کیا جاتا ہے۔وہ شخص جو خدائے مہربان سے ڈرتا رہا اور خضوع وخشوع کے ساتھ اللہ کی طرف آیا۔''(۳)

چنانچہ غور فرمائیے کہ ان آیات میں قلب کو صحت مند اور سالم کہا گیا ہے اور انسان کی اخروی زندگی کی نیکی کو اس سے وابستہ کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے صحت مند قلب اور خضوع وخشوع کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں پلٹے۔دوسری طرف قرآن نے کچھ قلوب کو بیمار قلب کے عنوان سے پہچنوایا ہے،نمونہ کے طور پر:

۱۔سورۂ شعراء،۸۹۔ ۲۔سورۂ ق،۳۷۔
۳۔سورۂ ق،۳۱۔۳۳۔

خدا نے فرمایا ہے: ''ان منافقین کے قلوب بیمار تھے۔اس لیے خدا نے ان کی بیماری میں اضافہ کر دیا ہے۔''(۱)

اور فرمایا: ''جن لوگوں کے قلب میں بیماری ہے تو ان کے دلوں کی بیماری کو اور بڑھاتا ہے۔''(۲)

اور فرمایا: ''منافقین اور وہ لوگ کہ جن کے دل بیمار ہیں کہتے ہیں: اللہ اور رسول کا وعدہ غرور اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔''(۳)

اور فرمایا: ''تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے دل بیمار ہیں، وہ یہود و نصاریٰ سے دوستی میں جلدی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں گردش زمانہ کا خوف ہے۔''(۴)

ان آیات میں کفر، نفاق اور کفار سے دوستی کو قلب کی بیماری سے پہچنوایا گیا ہے۔اس طرح کی دیگر آیات اور سیکڑوں روایتیں جو کہ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ سے وارد ہوئی ہیں ان سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا قلب اور روح بھی اس کے بدن کی صحت منداور بیمار ہوتا ہے لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ قلب کی صحت اور بیماری کو ہم مجازی معنی میں استعمال کریں۔وہ خدا جو قلوب ونفوس کا پیدا کرنے والا ہے اور پیغمبرؐ وائمہ اطہارؑ جو انسان اور اس کے قلب کو پہچاننے والے ہیں، وہ قلب کی بعض بیماریوں کی اطلاع دے رہے ہیں پھر ہم اس کو حقیقی معنی میں کیوں نہ لیں۔انسان کو حقیقی طور پر پہچنوانے والوں نے کفر، نفاق، حق کو قبول نہ کرنا، تکبر، کینہ، غضب وغصہ، چغلخوری، خیانت، غرور، ڈر، بدخواہی، تہمت، برا بھلا کہنا، غیبت، تندمزاجی، ظلم وستم، تباہی وبربادی، کنجوسی، لالچ، عیب جوئی، جھوٹ، حبِّ مقام، ریاکاری، دھوکا دھڑی و بہانہ بازی، بدگمانی، عداوت ودشمنی، نفس کی کمزوری اور دوسرے برے صفات کو قلب اور روح کی بیماری کہا ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص قلب کی ان بیماریوں کے ساتھ دنیا سے جائے گا تو وہ ایک صحت مند قلب کے ساتھ خدا کے پاس نہیں جائے گا کہ اس آیت کے مصداق قرار پاسکے کہ ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَی اللّٰہ

۱۔سورۂ بقرہ،۱۰۔ ۲۔سورۂ توبہ،۱۲۵۔

۳۔سورۂ احزاب،۱۲۔ ۴۔سورۂ مائدہ،۵۲۔

بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ ''قیامت میں انہیں نہ ان کا مال اوران کے بیٹے فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے مگر اس شخص کے جو خدا کی بارگاہ میں سالم دل کے ساتھ آئے۔''

قلب اور نفس کی بیماریوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ تو جسم کی بیماریوں سے زیادہ خطرناک اور علاج کے اعتبار سے مشکل تر ہوا کرتی ہیں۔ جسم کی بیماریوں میں بدن کا نظام درہم و برہم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے درد، بے چینی اور عضو میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ محدود ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ آخر عمر تک باقی رہتا ہے لیکن قلب اور نفس کی بیماریاں، بدبختی، کم بختی آخرت کے عذاب کو بھی ساتھ لاتی ہیں درد اور عذاب وہ ہوگا جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے گا اور روح کو جلا ڈالے گا۔ وہ قلب جو اس دنیا میں خدا سے غافل ہیں، اللہ کی نشانیوں کو نہیں دیکھتے ہیں اور اپنی زندگی کو گمراہی، تاریکی، کفر اور گناہ میں گذارتے ہیں حقیقتاً وہ اندھے اور بے نور ہیں اور اسی اندھے پن اور بے نوری کے ساتھ قیامت میں اٹھائے جائیں گے اور ان کی زندگی کا انجام دردناک اور سختی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

خداوند عالم قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''جو شخص بھی ہماری یاد سے منھ موڑتا ہے اس کی زندگی میں سختی رہتی ہے اور اس کو ہم قیامت میں اندھوں میں محشور کریں گے اور وہ کہے گا کہ مجھے اندھوں میں کیوں محشور کیا؟ میں تو دنیا میں، آنکھوں والا تھا!! خدا جواب میں کہے گا: ''میری نشانیاں تمہارے لیے آئیں لیکن تم نے ان کو بھلا دیا، اسی وجہ سے آج تمہیں بھی بھلا دیا گیا۔''(۱)

اور فرمایا: ''تم زمین کی سیر کیوں نہیں کرتے؟ جبکہ تم سمجھنے والے قلب اور سننے والے کان رکھتے ہو۔ بیشک کفار کی آنکھ اندھی نہیں ہے بلکہ ان کے قلب کی آنکھ اندھی ہے۔(۲)

اور فرمایا: ''جو شخص اس دنیا میں باطنی آنکھ کا اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی نابینا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔''(۳)

اور فرمایا: ''اللہ جس کی ہدایت کردے، وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے

۱۔سورۂ طٰہ، ۱۲۵۔ ۲۔سورۂ حج، ۴۶۔
۳۔سورۂ اسراء، ۷۲۔

اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی مددگار نہ پاؤ گے قیامت میں اندھے، بہرے اور گونگے محشور کریں گے۔"(۱)

ممکن ہے اس بات تعجب کرو اور کہو کہ کیا قیامت میں انسان کی باطنی آنکھ اندھی ہوگی؟ کیا ہم ان ظاہری آنکھ اور کان کے علاوہ کوئی دوسری آنکھ اور کان بھی رکھتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں انسانوں کو پیدا کرنے والے اللہ نے اور انسانوں کو پہچاننے والے انسانوں نے اطلاع دی ہے کہ انسان کا قلب اور روح بھی آنکھ، کان اور زبان رکھتی ہے لیکن اس کی آنکھ، کان اور زبان خود اسی سے وابستہ ہیں۔ انسان کا نفس ایک چھپا ہوا وجود ہے جس کا باطن ایک الگ زندگی رکھتا ہے۔ خود نفس ایک الگ خصوصیت رکھتا ہے۔ اس عالم میں وہ نور بھی ہے اور ظلمت بھی، طہارت بھی ہے اور گندگی اور خرابی بھی، دیکھنے والا اور سننے والا بھی ہے اور نہ دیکھنے والا اور نہ سننے والا بھی لیکن اس عالم کی روشنی و تاریکی دنیا کی روشنی و تاریکی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خدا، قیامت، نبوت اور قرآن پر ایمان نفس کی دنیا کی روشنی ہے۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: "جو شخص بھی محمدؐ پر ایمان لے آیا اور اس کو عزت دی اور اس کی مدد کی اور جو اس کے ساتھ قرآن ہے اس کی پیروی کی ایسے ہی لوگ کامیاب اور فلاح یافتہ ہوں گے۔"(۲)

نیز فرمایا: "یقیناً تمہارے لیے خدا کی جانب سے نور اور روشن کتاب نازل ہوئی۔"(۳)

اور فرمایا: "کیا وہ شخص کہ جس کے سینے کو خدا نے اسلام قبول کرنے کے لیے کشادہ کیا اور اس نے خدا کی طرف سے نور پایا دوسروں کے مقابلہ میں ایک جیسا ہے اور افسوس ہے اس شخص پر کہ جس کا دل خدا کے ذکر سے غافل رہا۔ ایسے ہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گے۔"(۴)

خدا نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ اسلام، قرآن، ایمان، احکام اور اسلامی قوانین سب کے سب نور ہیں اور ان کی پیروی قلب کو نورانی بناتی ہے۔ حقیقتاً اسی جہان میں قلب کو نورانی بناتی ہے لیکن اس کا نتیجہ قیامت میں ظاہر ہوگا۔

۱۔ سورۂ اسراء، ۹۷۔ ۲۔ سورۂ اعراف، ۱۵۷۔
۳۔ سورۂ مائدہ، ۱۵۔ ۴۔ سورۂ زمر، ۲۲۔

خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ کفر، نفاق، گناہ اور حق کی نافرمانی، ظلمت اور تاریکی ہے جو قلب کو تاریک اور آلودہ کرتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ قیامت میں ظاہر ہوگا۔ پیغمبرؐ صرف اسی لیے مبعوث ہوئے کہ وہ لوگوں کو کفر کی تاریکی سے نکالیں اور ایمان و نور کی فضا میں داخل کریں۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''ہم نے قرآن کو تم پر نازل کیا تا کہ تم لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں داخل کرو۔''(۱)

مومنین اسی دنیا میں، ایمان کی روشنی، نفس کی پاکیزگی، اچھے اخلاق، خدا کی یاد اور نیک عمل کے ذریعہ اپنے قلب اور نفس کو نورانی بناتے ہیں اور اپنی باطنی آنکھ اور کان کے ذریعہ حقائق کا مشاہدہ کرتے اور سنتے ہیں اور کمال کی منزلیں طے کرتے ہوئے اللہ کے قریب ہونے کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ ایسے ہی نفوس جب اس دنیا سے جاتے ہیں تو وہ نورانی لباس، مسرت، شادابی اور زیبائی وخوبصورتی چاہتے ہیں اور قیامت میں اسی نور سے جس کو انھوں نے دنیا میں مہیا کیا ہے، لطف اندوز ہوں گے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''یاد کرو اس دن کو جس دن خدا مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے سامنے سے اور داہنی طرف سے نور ظاہر کرے گا اور ان لوگوں سے کہا جائے گا آج تم لوگوں کے لیے جنت کی خوشخبری ہے وہ جنت کہ جس میں نہریں جاری ہیں، تم لوگ ہمیشہ ہمیشہ اسی بہشت میں رہو گے اور یہ تمہارے لیے بہت بڑی کامیابی ہے۔''(۲)

بیشک اخروی دنیا کے نور کا انتظام اسی دنیا میں ہی کرنا چاہئے اور اسی وجہ سے کفار اور منافقین اخروی دنیا میں نور نہیں پائیں گے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''اس دن کو یاد کرو جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنین سے کہیں گے کہ تھوڑا موقع دو کہ ہم تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں تو ان سے کہا جائے گا اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو دنیا میں پلٹ جاؤ اور اپنے لیے نور کا انتظام کرو۔''(۳)

۱۔ سورۂ ابراہیم، ۱۔ ۲۔ سورۂ حدید، ۱۲۔
۳۔ سورۂ حدید، ۱۳۔

4

دل احادیث کی روشنی میں

دینی پیشواؤں اور حقیقی انسان شناس حضرات نے انسان کے قلوب کے بارے میں بہت دلکش باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے بعض کا اشارہ کیا جارہا ہے۔

بعض حدیثوں میں قلوب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''انسان تین طرح کے قلب رکھتے ہیں۔ پہلا وہ منحوس قلب ہے جو کسی طرح کی نیکی نہیں کرتا، یہ قلب کافر ہے۔ دوسرا وہ قلب ہے جس کے اندر ایک سیاہ نقطے کا وجود ہے ایسے قلب میں نیکی اور بدی کے درمیان ہمیشہ جنگ ہوتی رہتی ہے دونوں میں سے جو بھی مضبوط ہوجاتا ہے، وہ قلب پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے۔ تیسرا وہ قلب ہے جو کامیاب ہے۔ اس قلب میں ایسا روشن چراغ ہوتا ہے جو کبھی نہیں بجھے گا اور یہ مومن کا قلب ہے۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''قلب کے لیے گناہ سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے۔ قلب گناہ کے روبرو ہوتا ہے اور اس سے جنگ کرتا ہے یہاں تک کہ گناہ قلب پر غالب آجاتا ہے اور وہ اس کو منقلب کردیتا ہے۔''(۲)

امام سجادؑ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''انسان چار آنکھیں رکھتا ہے۔ دو ظاہری آنکھیں جن سے دین و دنیا سے متعلق باتوں کو دیکھتا ہے اور دو باطنی آنکھیں جن سے آخرت سے متعلق چیزوں کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا جب کبھی خدا اپنے بندہ کے لیے نیکی چاہتا ہے تو اس کے قلب کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے تاکہ وہ اس کے وسیلہ سے غیب کی دنیا اور آخرت کے امور کو دیکھ سکے لیکن جب کبھی خدا اس کے لیے نیکی کا ارادہ نہیں کرتا ہے تو اس کے قلب کو اسی حال پر چھوڑ دیتا ہے۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''قلب دو کان رکھتا ہے۔ ایمان کی روح اس کو آہستہ سے نیک کاموں کی طرف دعوت دیتی ہے اور شیطان اس کو آہستہ سے برے کاموں کی طرف دعوت دیتا ہے

۱۔ سورۂ حدید، ۱۲۔ ۲۔ بحار، ج ۷۰، ص ۵۴

۳۔ بحار، ج ۷۰، ص ۵۳

لہٰذاان دونوں میں سے جوبھی دوسرے پر کامیابی حاصل کر لیتا ہے وہ قلب کو اپنے کام میں مشغول کر لیتا ہے۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:''قلب کا اندھا ہونا، اندھے پن کی بدترین قسم ہے۔''(۲)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:''انسان کے قلب میں سفید اورنورانی نقطہ ہوتا ہے اگر وہ گناہ کر بیٹھے گا تو اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جائے گا اگر اس کے بعد توبہ کر لے تو اس کا سیاہ نقطہ دور ہو جائے گا اور اگر وہ گناہ کرنے میں زیادتی کرے گا تو اس کی سیاہی میں دھیرے دھیرے اس طرح سے بڑھ جائے گی کہ وہ تمام سفید نقطے کو چھپا لے گا ایسی صورت میں اس طرح کے قلب کا مالک انسان پھر کبھی بھی نیکی کی طرف نہیں پلٹتا ہے اور اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے جس کے لیے خدا نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے قلب پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کو تاریک کر دیا ہے۔''(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا:''جس شخص کا بھی زہد اور تقویٰ کم ہو گا اس کا قلب مردہ ہو جائے گا اور جس شخص کا قلب مردہ ہو جائے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔''(۴)

آپ ہی نے اپنے بیٹے کو وصیت میں بھی فرمایا:''میرے بیٹے! فقیری تمام بلاؤں میں سے ایک بلا ہے اور اس سے بڑھ کر بدن کی بیماری ہے اور قلب کی بیماری بدن کی بیماری سے بڑھ کر ہے ۔مال میں وسعت اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اس سے بڑھ کر بدن کی سلامتی ہے اور اس سے بڑھ کر قلب کا تقویٰ ہے۔''(۵)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: حضرت داؤدؑ نے خدا سے عرض کیا: پروردگارا! تمام بادشاہ خزانہ رکھتے ہیں تیرا خزانہ کہاں ہے؟ پروردگار عالم نے ان کے جواب میں فرمایا: میں ایک خزانہ رکھتا ہوں جو عرش سے زیادہ بڑا، کرسی سے زیادہ وسیع، بہشت سے زیادہ خوشبودار اور ملائکہ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس خزانہ کی زمین معرفت، اس کا آسمان ایمان، اس کا سورج شوق، اس کا چاند محبت، اس کے

۱۔ بحارر ج ر۷۰،ص ر۵۳ ۲۔ بحارر ج ر۷۰،ص ر۵۱ ۳۔ بحارر ج ر۷۰،ص ر۵۱

۴۔ نہج البلاغہ ۵۔ بحارالانوار ر ج ر۷۰،ص ر۵۱

ستارے (خدا کی طرف توجہ) اس کے بادل عقل، اس کی بارش رحمت، اس کا میوہ اطاعت اور اس کا پھل حکمت ہے۔ میرے خزانہ کے چار دروازے ہیں۔ پہلا علم، دوسرا عقل، تیسرا صبر اور چوتھا میری رضا یاد رکھو میرا خزانہ بندۂ مومن کا دل ہے۔[1]

اللہ کے وہ بندے جو قلب کو اچھی طرح سے پہچانتے ہیں انھوں نے اپنی احادیث میں قلب سے متعلق بہت بہترین باتیں ارشاد فرمائی ہیں کہ جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ انھوں نے قلب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) **کافر کا قلب**: کافر کے قلب سے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ منحوس اور ٹیڑھا ہوتا ہے اور اس کے اندر کسی بھی قسم کی نیکی نہیں ہوتی۔ اس قسم کا قلب اپنی اصل فطرت سے ہٹا ہوا ہوتا ہے اور آخرت کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ صرف دنیاوی امور کی طرف دیکھتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ خدا اور عالم آخرت کو نہیں دیکھتا اور نیکی، خوبی اور اچھائی کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتا کیونکہ نیک کام اسی صورت میں اسے درجۂ کمال اور خدا کے قریب پہنچاتے ہیں جبکہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کا باعث ہوں لیکن اس کا کافر قلب اسے منقلب کر دیتا ہے تاکہ وہ خدا کو نہ دیکھے اور اس کے تمام اعمال کی غرض دنیا کے سوا کچھ نہیں ہوتی ہے، وہ حصول دنیا کا طالب ہوتا ہے رضائے الٰہی اور قرب پروردگار کا نہیں۔ ایسا قلب اگر چہ حقیقت میں اصلی آنکھ رکھتا ہے لیکن وہ اپنی آنکھ کو اندھا کر لیتا ہے کیونکہ وہ واضح وروشن حقائق یعنی پوری دنیا کے پیدا کرنے والے کو نہیں دیکھتا ہے۔ وہ اس دنیا میں اندھا ہوتا ہے اور قیامت میں بھی اندھوں میں شمار ہوگا، وہ اس دنیا میں دنیاوی امور سے لگاؤ رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لیے دنیاوی امور سے لگاؤ باقی رہے گا لیکن انھیں نہیں پاسکے گا لہٰذا وہ اس کی جدائی کی آگ میں جلتا رہے گا۔ اس طرح کے قلب میں نور ایمان نہیں چمکتا اور وہ بالکل تاریک رہتا ہے۔

(۲) کافر کے قلب کے مقابل میں کامل اور صالح مومن کا قلب ہوتا ہے۔ مومن کے قلب کا دروازہ عالم بالا اور غیب کی طرف کھلا رہتا ہے جس میں ایمان کا چراغ روشن ہوتا ہے اور وہ کبھی بھی

۱۔ بحار الانوار رج ر۷۰، ص ر۵۹

بجھتا نہیں ہے ۔اس کا قلب دو آنکھیں رکھتا ہے اور وہ ان سے غیب کی دنیا اور آخرت کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ایسے قلب کمال، جمال اور نیکی یعنی خدائے عالی کی طرف توجہ رکھتے ہیں اور اس کی قربت کو چاہتے ہیں ۔ وہ خدا کو چاہتے ہیں اور بہترین اخلاق اور نیک عمل کے ذریعہ اس کی طرف حرکت اور تگ و دو کرتے رہتے ہیں ۔ایسے قلب، عرش و کرسی سے وسیع تر اور بہشت سے بہتر ہوتے ہیں اور ایسے ہی قلب اللہ کے خزانے اور خدائی نور کی چمک کا مرکز ہوتے ہیں ۔ ایسے ہی قلب کی زمین معرفت خداوندی، اس کا آسمان ایمان، اس کا سورج اللہ سے ملاقات کا شوق، اس کا چاند اللہ سے محبت ہوگی ۔مومن کے بدن میں عقل حاکم ہوتی ہے اور رحمت الٰہی کی بارش کو قلب میں جذب کرتی رہتی ہے جس کا میوہ عبادت و اطاعت ہے۔ایسے ہی قلب میں خدا اور اللہ کے مقرب فرشتوں کے علاوہ کسی شخص اور کسی چیز کی جگہ نہیں ہوتی جو ایک نور، خوشی، شوق، تازگی اور پاکی کا ٹکڑا ہوتا ہے ۔جس کا حشر بھی قیامت میں ان ہی چیزوں کے ساتھ ہوگا۔

(۳) مومن کا قلب اگر کبھی گناہ میں آلودہ بھی ہوتا ہے تو وہ تاریک اور مسدود نہیں رہتا بلکہ نور ایمان کے نور کے وسیلہ سے روشن ہوتا ہے اور اللہ کے کمالات اور فیضان الٰہی کے لیے کھلا ہوتا ہے لیکن گناہ کے اثر سے سیاہی کا نقطہ وجود میں آتا ہے اور اسی وسیلے سے شیطان اس میں راستہ پا جاتا ہے۔اس کی باطنی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن گناہ کے اثر سے بیمار ہو جاتی ہیں اور نہ دیکھنے کی بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہیں ۔ایسے قلب میں بھی فرشتوں اور شیطانوں کا گذر ہوتا ہے۔فرشتہ ایمان کی کھڑکی سے داخل ہوتا ہے اور اس کو نیکی کی دعوت دیتا ہے اور شیطان سیاہ نقطے سے داخل ہوتا ہے اور اس کو بدی کی دعوت دیتا ہے۔ایسے قلب میں فرشتہ اور شیطان آپس میں جنگ و جدال کرتے رہتے ہیں ۔فرشتہ یہ چاہتا ہے کہ وہ نیک عمل کے ذریعہ قلب کو مشغول رکھے اور شیطان کو باہر بھگا دے۔شیطان بھی کوشش کرتا ہے کہ وہ ارتکاب گناہ سے قلب کو تاریک سے تاریک تر کرتا رہے اور فرشتہ کو اس سے باہر بھگا دے اور قلب کو اپنے اختیار میں لے لے اور ایمان کی کھڑکی کو پوری طرح سے بند کر دے۔یہ دونوں ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں تاکہ ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہو جائے اور اس کی کامیابی اسی مقدار میں ہوتی

ہے۔انسان کی باطنی اوراخروی زندگی اسی امر سے وابستہ ہوتی ہےاور یہی وہ جگہ ہے جہاں نفس کے ساتھ جہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس بارے میں ہم آئندہ بحث کریں گے۔

سنگدلی

انسان کا دل شروع میں صاف، روشن، خاص رحم ومہربانی کرنے والا ہوتا ہے۔اس کا دل دوسروں کے رنج وغم اور پریشانیوں یہاں تک کہ جانوروں کی بھی پریشانی کا احساس کرتا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی خوش وخرم رہیں اورراحت وآرام کے ساتھ زندگی گذاریں اور وہ دوسروں پراحسان کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے۔اپنی پاک فطرت کی وجہ سے خدا کی طرف توجہ رکھتا ہے۔عبادت، دعا، رازونیاز اور نیک کاموں کوانجام دینے میں لذت اٹھاتا ہےاور گناہ ہوجانے پرفوراًمتاثراورشرمندہ ہوتا ہے۔

اگرفطرت کی دعوت کوقبول کرتا ہے اوراس کے مطابق عمل کرتا ہےتووہ روز بروز پاک و صاف، نورانی، مہربان اور دوسروں کے غم سے متاثر ہونے والا بن جاتا ہے۔عبادت اور دعا کے اثر سے روز بروزاس کی عبادت، دعا اور خدا سے انس و لگاؤ میں اضافہ ہوتا جاتا ہےلیکن اگراپنے اندرونی احساسات وخیالات کونظرانداز کردیااوران کے خلاف عمل کیاتووہ دھیرے دھیرے نقصان اٹھانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ممکن ہے کہ وہ پوری طرح سے مٹ جائے اور خاموش ہوجائے۔اگر اس نے دوسروں کے رنج اورحادثات کودیکھالیکن اس کااپنے اوپرکوئی اثرنہیں لیاتودھیرے دھیرے ان سے مانوس ہوجائے گااوران کودیکھنے سے معمولی تاثر بھی پیدانہیں ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ اس حدتک پہنچ جائے کہ دوسروں کی فقیری، بھوک، کمزوری یہاں تک کہ قیدوبند، پریشانی اوران کے قتل میں بھی خوش ہواورلذت اٹھائے۔

انسان ابتدامیں گناہ کے بعد ناخوش اورشرمندہ ہوتا ہےلیکن اگرایک مرتبہ گناہ کربیٹھتا ہےتو دوسری مرتبہ گناہ کرنے کے لیے جلدی تیار ہوجاتا ہےاوردوسرے گناہ کے بعد تیسراگناہ کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔گناہ کرنے کی وجہ سے وہ اس حدتک پہنچ جاتا ہے کہ وہ گناہ کرنے کے احساس سے شرمندہ تک نہیں ہوتا بلکہ اس کواپنی کامیابی سمجھتا ہےاورخوش ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کے دل سیاہ ہو چکے ہیں اور قرآن و احادیث کی اصطلاح میں سخت ہو گئے ہیں کہ ان کے دلوں پر شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے جو اللہ کے مقرب فرشتوں کو وہاں سے نکال دیتا ہے۔ اس پر نجات کے دروازے اس طرح بند ہو جاتے ہیں کہ اس کے لیے توبہ اور اپنے وجود کی طرف پلٹنے کی کوئی امید بھی نہیں رہ جاتی۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ توبہ اور تضرع کیوں نہیں کرتے؟ لیکن ان کے دل تو سخت ہو چکے ہیں اور شیطان برے اعمال کو ان کے لئے اچھا بنا کر پیش کرتا ہے۔''(۱)

دوسری جگہ فرماتا ہے: ''ان لوگوں کے دلوں پر افسوس ہے کہ جو خدا کی یاد سے منحرف ہو گئے ہیں، ایسے ہی لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں۔''(۲)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''ہر بندۂ مومن کے دل میں ایک سفید نقطہ ہوتا ہے اگر وہ گناہ کر بیٹھتا ہے اور دوبارہ اس کی تکرار کرتا ہے تو اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ اسی طرح گناہ کرتا رہتا ہے تو سیاہ نقطہ رفتہ رفتہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ دل کی سفیدی کو پوری طرح سے گھیر لیتا ہے۔ اس وقت ایسا دل رکھنے والے کبھی بھی خوبی اور نیکی کی طرف نہیں پلٹتے اور اس آیت میں خداوند عالم کی یہی مراد ہے'' بلکہ ان کا کردار ان کے پورے قلب کو چھپا لیتا ہے۔''(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''انسان کی آنکھ کے آنسو خشک نہیں ہوتے مگر یہ کہ دل کے سنگدلی کی وجہ سے اور دل سخت نہیں ہوتا ہے مگر کثرت گناہ سے۔''(۴)

رسول خداؐ نے فرمایا: ''چار چیزیں انسان کے بدبختی کی علامت ہیں۔ آنکھوں کا خشک ہونا، دل کا سخت ہونا، روزی حاصل کرنے میں زیادہ لالچ کرنا اور گناہ پر اصرار کرنا۔''(۵)

یہی وجہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ نے دعاؤں میں سخت دلی سے خدا کی پناہ مانگی ہے۔ جیسا کہ امام سجادؑ نے فرمایا'': خدایا! سخت دل کی میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں، ایسا دل جو شیطانی وسوسہ سے ہر

۱۔ سورۂ انعام، ۴۳ ۲۔ سورۂ زمر، ۲۲۔ ۳۔ بحار، ج ۷۳، ص ۳۶۱
۴۔ بحار، ج ۷۳، ص ۳۵۴ ۵۔ بحار الانوار، ج ۷۳، ص ۳۴۹

وقت بدلتا رہتا ہے اور آلودگی کی وجہ سے خاتمہ و نابودی کے قریب ہے۔ میں تجھ سے ایسی آنکھ کی شکایت کرتا ہوں جو تیرے خوف میں نہیں روتیں اور جوان کو خوش رکھتا ہے، ان سے امید لگائے رکھتا ہے۔''(۱)

لہٰذا ایسا انسان جو اپنے دل کی سلامتی اور سعادت سے لگاؤ رکھتا ہے وہ گناہ کرنے سے چاہے گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو بچتا رہتا ہے اور اپنے نفس کو نیک کاموں میں لگائے رکھتا ہے مثلاً وہ عبادت، دعا، خدا کے ساتھ راز و نیاز، دوسروں کے ساتھ ہمدردی، مہربانی، احسان اور مدد، مجبوروں اور مظلوموں کی حمایت، نیک اور اچھے کاموں میں مدد و تعاون، انصاف چاہنا، انصاف دینے جیسے امور پر اپنے آپ کو ابھارتا رہتا ہے تاکہ دھیرے دھیرے نیک کاموں کی عادت پیدا ہو جائے اسی طرح باطنی نور اور پاکیزگی کا خاص خیال رکھتا ہے تاکہ اس کا دل اللہ کے قریب ترین فرشتوں کی جگہ قرار پائے۔

دل کے طبیب

پہلے ہم سمجھ چکے ہیں کہ دل بھی بدن کی طرح سے کبھی تندرست اور کبھی بیمار ہوتا ہے اور انسان کی اخروی سعادت اور نیکی اسی سے وابستہ ہے کہ وہ اپنے تندرست دل کے ساتھ دنیا سے جائے۔

اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم دل کی سلامتی اور بیماری سے باخبر ہوں۔ بیماری کی علامتوں کو پہچانیں تاکہ مختلف بیماریوں سے باخبر ہوسکیں۔ بیماریوں کے اسباب و علل کو پہچان سکیں تاکہ ان کی روک تھام کرسکیں اور اسی اعتبار سے اپنے نفس میں کوشش کریں۔

کیا اس بارے میں ہم خود ہی کافی ہیں یا پیغمبروں کے محتاج ہیں؟

اس سلسلہ میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم پیدائش سے ہی نفس کے اسرار و رموز جو اس روح میں موجود ہیں اور کام میں آتے ہیں، ان سے متعلق کافی معلومات نہیں رکھتے ہیں۔ ہم حقیقتاً اپنی نفسانی اور باطنی زندگی سے بے خبر ہیں، ہم نفس کی بیماری کے اسباب کو اچھی طرح سے نہیں پہچانتے ہیں، بیماری کی علامتوں کو بھی اچھی طرح سے نہیں پہچانتے اور اس کی مختلف قسموں مختلف بیماریوں، مختلف راستوں اور اس کے علاج کے مختلف ذریعہ سے بھی بخوبی آگاہ نہیں ہیں۔ صرف اس لئے

۱۔ بحار رج ۹۴ رص ر ۱۴۳

ہمیں پیغمبروں کی ضرورت ہے تا کہ وہ اس راستہ میں ہماری ہدایت ورہبری کریں۔انبیاء الٰہی واقعی روح کی بیماریوں کو جاننے والے اور علاج کرنے والے ہیں کہ جو اللہ کی تائید اور فیض سے روح کے درد اور اس کے علاج کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں۔وہ وحی کے ذریعہ انسان اور روح کو پہچاننے والے ہوتے ہیں اور اس روحانی موجود کے تمام اسرار ورموز سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔وہ سیدھے راستے اور اللہ کی طرف بڑھنے کو خوب اچھی طرح پہچانتے ہیں اور ان سے انحراف کے اسباب وعوامل کی بھی خوب اطلاع رکھتے ہیں۔اسی لئے وہ انسان کی اس مشکل راہ پر چلنے میں مدد کرتے ہیں اور اس سے انحراف میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

ہاں انبیاء ایسے حکیم ہیں جنہوں نے انسانی تاریخ میں انسانوں کی شایان شان مدد فرمائی ہے جو بدن کے ڈاکٹروں کی خدمت سے زیادہ مفید خدمت کرتے ہیں۔پیغمبروں نے ہی روح کے روحانی جوہر کی وضاحت کی اور انسانوں کو اس سے پہچنوایا اور اس سے انسانی شخصیت کو زندہ کیا۔انہوں ہی نے انسانوں کو معرفت خداوندی، روحانیت اور اچھے اخلاق سے روشناس کرایا اور ان کی سیر وسلوک کے راستے اور اللہ کے قریب ہونے کی طرف نشاندہی کی۔

انبیاء نے ہی انسانوں کو خدا اور آخرت سے واقف کرایا اور ان کے نفسوں کو پاک کرنے، سنوارنے، نکھارنے اور پروان چڑھانے کی سعی کی۔اگر انسانوں میں روحانیت، مہربانی، محبت والفت، نیکی اور اچھے صفات پیدا ہوئے ہیں تو وہ الٰہی طبیبوں یعنی انبیاء کرام خصوصاً آخری نبیؐ کی سعی پیہم کا نتیجہ ہے۔اگر پیغمبر نہ ہوتے تو ہرگز ہرگز انسانوں کی وضع ایسی نہ ہوتی۔

ہاں! انبیاء انسانیت اور بشریت کے لیے طبیب ہیں۔اسی وجہ سے احادیث میں انہیں طبیب کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے۔

امیر المومنینؑ نے پیغمبر اسلامؐ کے متعلق فرمایا: ''محمدؐ چلتے پھرتے طبیب تھے کہ جو نفسوں کے علاج کی ہمیشہ کوشش کرتے تھے ان کے زخموں، پھوڑوں اور بیماریوں کے علاج کے لیے مرہم اور اس کے سلسلہ میں ہر مناسب عمل کے لیے آمادہ رہتے تھے۔مردہ دلوں، بہرے کانوں اور گونگی زبانوں کو شفا دیتے تھے، ان کی غفلت، انسانوں کی حیرت اور حکمت کی روشنی سے استفادہ نہ کرنے والوں اور حقیقت ومعارف الٰہی سے نتیجہ نہ نکالنے والوں کے لیے دواؤں کا استعمال کرتے تھے۔اسی وجہ سے وہ

گھاس کھانے والے جانوروں اور سخت پتھروں جیسی زندگی بسر کرنے والوں کی طرح تھے۔''(۱)

قرآن کا تعارف دلوں کو شفا دینے والی دوا کے عنوان ہوا ہے۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''تمہارے پروردگار کی جانب سے وعظ و نصیحت نازل ہوئی ہے جو دلوں کے درد کے لیے شفا ہے۔''(۲)

پھر فرمایا: ''ہم نے قرآن میں ایسی چیزیں نازل کی ہیں کہ جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔''(۳)

امیر المومنینؑ نے بھی قرآن کے بارے میں فرمایا: ''قرآن کو سیکھو کہ یہ بہترین کلام ہے۔ اس کی آیتوں میں خوب غور و فکر کرو کہ یہ بہار کی بارش کی طرح سے ہے جو دلوں کو زندہ کرتی ہے اور قرآن کی روشنی سے شفا حاصل کرو کہ یہ دلوں کو شفا دیتی ہے۔''(۴)

دوسری جگہ فرمایا: ''جان لو کہ جس شخص کے پاس بھی قرآن ہوگا اس کو کسی دوسری چیز کی حاجت نہیں ہوگی اور جو شخص قرآن سے محروم ہوگا وہ غنی نہیں ہوگا۔ قرآن کے وسیلہ سے اپنے دلوں کی بیماریوں کا علاج کرو اور سختیوں اور مشکلوں سے بچنے کے لیے اسی سے مدد مانگو کیونکہ قرآن مجید میں بڑی بڑی بیماریوں یعنی کفر، نفاق اور گمراہی کی بھی شفا ہے۔''(۵)

ہاں پیغمبر اسلامؐ نفسوں کے علاج کے لیے بہترین طبیب ہیں۔ ہمارے درد اور اس کے علاج کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور قرآن کو ہماری مخفی بیماریوں کو شفا دینے کے لیے لائے ہیں اور اسے ہمارے اختیار میں دے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی بیماریوں کی قسموں، ان سے بچنے کے راستوں اور اس کے علاج کے طریقوں کی تشریح پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کے وسیلہ سے کی ہے جو ہمارے لیے حدیث کی صورت میں باقی ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنے نفس کی سلامتی اور سعادت چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن اور احادیث سے استفادہ کرنا چاہیئے اور اپنی روحانی ہدایت اور نفس کی سلامتی کے لیے کوشش کرنا چاہیئے۔ ہمیں قرآن اور پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہارؑ کی رہنمائی سے استفادہ کرکے اپنے نفسوں کی بیماریوں کو پہچاننا چاہیئے اور ان کے علاج کے لیے تلاش و جستجو کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اس سلسلہ

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۸ ۲۔ سورۂ یونس، ۵۷۔ ۳۔ سورۂ اسراء، ۸۲۔
۴۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۱۰ ۵۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۶

میں زندگی کے بنانے اور سنوارنے میں کوتاہی کریں گے تو ہم بہت بڑا نقصان اٹھائیں گے کہ جس کا نتیجہ قیامت میں ظاہر ہوگا۔

خودسازی اور اس کی تکمیل

ہم پہلے جان چکے ہیں کہ خودسازی اور اپنے نفس کی پرورش کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہماری دنیا اور آخرت کی سعادت اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے پیغمبر بھی صرف اسی کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

ہمیں خودسازی کے لئے دو کاموں کو انجام دینا چاہئے:

پہلا مرحلہ: تمام برائیوں سے اپنے نفس کی اصلاح یعنی دل کو تمام بری چیزوں سے پاک و صاف رکھنا اور گناہ سے بچانا۔ اس عمل کو تصفیہ وتخلیہ بھی کہتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ: نفس کی پرورش کرنا اور کامل کرنا ہے جو علم حاصل کرنے، حقائق اور فضائل کو سمجھنے، اچھے اور نیک اعمال کے وسیلے سے ہوتا ہے۔ اس عمل کو تحلیہ یعنی زیور پہنانا بھی کہتے ہیں یعنی پرورش کرنا، کامل کرنا اور اسے زینت دینا۔

اپنے کو سنوارنے کے لیے ان دونوں مرحلوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے کہ اگر نفس کی زمین برائیوں سے پاک وصاف نہ ہوگی تو وہ علوم کو پروان چڑھانے، حق کو پہچاننے، اچھے اور نیک عمل کرنے کی قابلیت نہیں رکھے گی۔ وہ دل جو برائیوں سے آلودہ اور شیطان کا مرکز ہو، کس طرح اللہ کی روشنی کی چمک کا مرکز ہوسکتا ہے؟ اللہ کے قریب ترین فرشتے کس طرح ایسے دلوں میں داخل ہو سکتے ہیں؟ اور دوسری طرف اگر ایمان، معرفت، اچھا اخلاق اور عمل صالح نہیں ہوگا تو انسان کا نفس کس وسیلہ سے پرورش پائے گا اور کامل ہوگا؟ لہٰذا کردار کو سنوارنے کے لیے ان دونوں کاموں کو انجام دینا چاہیئے۔ ایک طرف دل کو پاک کیا جائے اور دوسری طرف اس میں نیک عمل کے پودے لگائے جائیں، شیطان کو نکالا جائے اور فرشتہ کو داخل کیا جائے، غیر خدا کو اس سے باہر کیا جائے اور الٰہی عنایتوں اور توجہ کی کرنوں کو جذب کیا جائے۔ یہ دونوں کام ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے دل کو پاک وصاف کرنے میں مشغول ہوجائے اور عمل صالح کو انجام

دینے کے لیے بعد پر چھوڑ دیا جائے۔اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اپنی اندرونی برائیوں سے آنکھوں کو بند رکھے اور نیک کام کرنے میں مشغول رہے بلکہ ان دونوں کو چاہئے کہ ایک ہی زمانے میں اور ایک ساتھ انجام دیں۔ برائیوں اور برے اخلاق کو چھوڑنا، انسان کو خوبیوں کی طرف دعوت دیتا ہے اور نیک کام کو انجام دینا بھی گناہ اور برے اخلاق کو چھوڑنے کا باعث ہوتا ہے لیکن ہم اس بحث میں مجبور ہیں کہ ہم ان دونوں کاموں کو ایک دوسرے سے جدا کردیں۔ ہم، پہلے تہذیب نفس کی بحث کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

پہلا باب

تخلیہ یا تہذیب نفس

تہذیب نفس

اس مرحلہ میں ہمیں تین اعمال انجام دینے چاہیئے:

الف: باطل عقائد اور غلط افکار وخرافات سے نفس کی اصلاح

ب: برے اخلاق اور برائیوں سے نفس کی اصلاح

ج: معصیت اور گناہ کو چھوڑنا

خرافات اور باطل عقیدے اصل میں جہالت، گمراہی اور نادانی ہیں جو نفس کو صراط مستقیم اور اللہ کی قربت سے دور کردیتے ہیں۔ باطل عقیدے رکھنے والے جب سیدھے راستے کو نہیں پہچانتے اور اندھیرے اور گمراہی کی وادی میں قدم رکھ دیتے ہیں تو وہ ہرگز ہرگز مقصد تک نہیں پہنچ پاتے۔ وہ دل جو سیاہ ہو چکا ہے کیونکر ممکن ہے کہ نور الٰہی کا مرکز قرار پائے؟ اسی طرح سے برا اخلاق حیوانی خصلتوں کو قوی اور طاقتور بناتا ہے اور انسانی روح کو رفتہ رفتہ زوال اور خاموشی کی طرف کھینچتا ہے۔ ایسے افراد مقصد انسانیت یعنی کمال اور قرب الٰہی کے مرتبہ پر فائز نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح گناہ اور خدا کی نافرمانی نفس کو تاریک اور آلودہ کردیتی ہے اور کمال حاصل کرنے اور اللہ کے قریب ہونے سے روک دیتی ہے۔ ایسے افراد بھی نتیجہ اور غرض و غایت تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا نفس کی اصلاح ہمارے لیے بہت اہم اور قسمت ساز ہے۔ اسی لئے شروع میں ہمیں چاہیئے کہ برے اخلاق اور گناہوں کو پہچانیں۔ اس کے بعد مرحلۂ عمل میں قدم رکھیں اور اپنے نفس کو پاک و پاکیزہ بنائیں۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم پہلے مرحلہ میں کسی مشکل سے دوچار نہیں ہیں کیونکہ نفوس کے اطباء اور اللہ کی جانب سے بھیجے گئے انسان شناس حضرات یعنی انبیائے الٰہی اور ائمہ طاہرینؑ نے برے اخلاق اور برائیوں کو مکمل طریقے سے بتا دیا ہے یہاں تک کہ ان کے علاج کے راستوں کو بھی بیان کر

دیا ہے۔ گناہوں کو گنوادیا ہے اوران کوترک کرنے کا سلیقہ بھی سکھا دیا ہے۔ جن کے طفیل ہم بھی برے اخلاق کو پہچانتے ہیں اوران کی خرابیوں سے باخبر ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ نفاق، تکبر، حسد، کینہ، غضب وغصہ، چغل خوری، امانت میں خیانت، خود پرستی، بدخواہی، برا بھلا کہنا، الزام تراشی، بدگوئی، بدزبانی، سخت کلامی، ظلم وستم، بے اعتمادی، ترس، کنجوسی، عیب جوئی، جھوٹ، دنیا طلبی، مقام ومنصب کی چاہت، دھوکا دھڑی، حیلہ بازی، بدگمانی، سنگدل، گھمنڈ، نفس کی کمزوری وغیرہ بری باتیں اورعیب ہیں۔

ان سب کے علاوہ ہم خود ہی فطری طور پر ان سب کی خرابیوں کو جانتے ہیں۔ سیکڑوں آیتیں اور ہزاروں حدیثیں بھی اس طرح کی برائیوں اورخرابیوں کی گواہی دیتی ہیں۔ اس بارے میں ہماری گفتگو بہت زیادہ ہے کہ اس کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرآن کریم اوراحادیث میں تمام گناہوں اور برائیوں کی تشریح اوران کے برے نتائج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اورہم شاید سب کچھ جانتے بھی ہیں لہٰذا ہمیں برے اخلاق کو پہچاننے اور گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کو سمجھنے میں مشکل نہیں ہے۔ ہم اس حال میں شاید شیطان اورنفس امارہ یعنی بری باتوں کی طرف دعوت دینے والے نفس کے اسیر ہیں اور ہمیں توفیق نہیں ہوتی ہے کہ ہم اپنے نفوس کی گناہوں اور برے اخلاق سے اصلاح کرسکیں۔ یہ ہماری بنیادی مشکل ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم کوئی حل تلاش کرنے کے لئے غور وفکر کریں۔

میری نظر میں اس قضیہ کی دواہم ترین چیزیں ہیں۔ اول یہ کہ ہم اپنی اخلاقی بیماریوں کو نہیں پہچانتے اوراپنے بیمار ہونے کا اعتراف واقرار نہیں کرتے۔ دوم یہ کہ اخلاقی بیماریوں کو معمولی اور چھوٹا شمار کرتے ہیں، اس کے دردناک اور برے نتائج سے ہم غافل ہیں اسی وجہ سے اس کے علاج کی ہم کوشش نہیں کرتے۔ یہی دو باتیں اہم ہیں کہ جو ہم کو نفس کی اصلاح اور پاکیزگی سے غافل رکھتی ہیں۔ ہمیں اس بارے میں بحث اوراس کے علاج کا راستہ تلاش کرنا چاہیے۔

بیماری سے غفلت

ہم اخلاقی بیماریوں کو پہچانتے ہیں اوراس کی خرابیوں سے واقف ہیں لیکن صرف دوسروں کے لئے اپنے لئے نہیں۔ جب برے اخلاق اورخراب کردار کو دوسروں میں دیکھتے ہیں تو اس کی

خرابیوں کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں لیکن جب وہی بری صفت بلکہ اس سے بڑھ کر خود اپنے نفس میں موجود ہوتی ہے تو اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ مثلاً دوسروں کے حقوق کو ضائع کرنے کو ہم برا سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والے سے نفرت کرتے ہیں جبکہ ممکن ہے ہم خود بھی اسی کام کو انجام دیں اور سمجھ بھی نہ پا رہے ہوں بلکہ ہم اس سے بڑا کام کر رہے ہوں لیکن اپنے کام کی برائی سے بالکل ناواقف ہوں بسا اوقات ہم اس کو اپنے لئے عمدہ اور بہتر کام بنا کر پیش کریں اور اس طرح اپنے نفس کو مطمئن کر لیں۔ اسی طرح اور دیگر برے صفات۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہم کبھی کبھی اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ بیمار اگر خود کو بیمار نہیں سمجھتا ہے تو فلاح کی فکر نہیں کرتا ہے ہم بھی چونکہ اپنے نفس کو نہیں جانتے ہیں اس لئے اس کی اصلاح بھی نہیں کرتے ہیں۔ یہ ہماری سب سے بڑی مشکل ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنی سعادت کے فکر مند ہیں تو ہمیں ان مشکلات کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہئے اور ہر ممکن وسیلے سے اپنی نفسانی بیماریوں کی شناخت اور اس کے علاج کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

نفسانی بیماریوں کی تشخیص کے ذرائع

بہتر ہے کہ نفس کی مختلف بیماریوں کو پہچاننے کے ذرائع اور وسائل کو سمجھا جائے اور اس کی طرف اشارہ کیا جائے۔

(۱) **عقل کا مضبوط ہونا:** انسان کے روحانی اور بلند مرتبہ اور اس کے وجود کی کامل ترین شاخ جو تمام مخلوقات میں انسان کو ممتاز بناتی ہے، قرآن و حدیث کی اصطلاح میں مختلف ناموں سے پہچنوائی گئی ہے، جیسے روح، نفس، قلب اور عقل۔ یہ سب کے سب ایک حقیقت کو عیاں کرتے ہیں لیکن مختلف جہات کی وجہ سے انھیں الگ الگ نام دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس سے فکر و غور اور تعقل و تدبر سے سروکار ہے لہٰذا اسے عقل کا نام دیا گیا ہے۔

عقل کو احادیث کی کتاب میں ایک ممتاز مقام دیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے ایک الگ باب قائم کیا گیا ہے۔ احادیث میں عقل کو شریف ترین مخلوق اور کار ہائے ثواب و عذاب کی انجام دہی کے سرچشمہ کی حیثیت سے پہچنوایا گیا ہے۔

نمونے کے طور پر

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''جس وقت خدا نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے بات کی اور کہا: آؤ۔ تو عقل نے اس کی اطاعت کی اور آ گئی۔ اس کے بعد فرمایا: پلٹ جاؤ۔ اس نے پھر اطاعت و فرمانبرداری کی۔ اس وقت خدا نے فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! ہم نے تمام موجودات میں تم سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ چیز نہیں پیدا کی، تمہیں کامل نہیں کروں گا سوائے اس شخص میں کہ جس کو میں دوست رکھوں گا، آگاہ ہو جائے کہ میرا حکم اور انکار تمہاری طرف ہوگا اور تم کو بھی ہم ثواب و عذاب دیں گے۔''(۱)

انسان عقل کے ذریعہ سوچنا اور حقائق کو جاننا، اچھے اور برے، فائدہ مند اور نقصان دہ چیزوں کو پہچانتا ہے۔ عقل کے وسیلے ہی سے انسان خدا، خود کو اور اپنی ذمہ داریوں کو پہچانتا ہے۔ اگر انسان عقل نہ رکھتا ہوتا تو اس کے اور تمام حیوانات کے درمیان کوئی فرق نہ ہوتا۔ صرف اسی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے قرآن کریم میں عقل، فکر، غور وخوض اور عقلمندی پر بھروسہ کیا ہے اور انسان کو اپنے وجود میں عقل کو مستحکم کرنے کی فرمائش کی ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے: ''خدا نے ان تمام آیتوں کو تمہارے لیے بیان کیا ہے، شاید کہ تم عقل سے کام لو۔''(۲)

پھر فرمایا: ''وہ زمین کی سیر کیوں نہیں کرتے تا کہ ان کے دل عقل سے کام لینے کے لائق ہو جائیں۔''(۳)

پھر فرمایا: ''خدا کے نزدیک حرکت کرنے والے بدترین لوگ وہ ہیں کہ جو بہرے، گونگے اور عقل نہ رکھنے والے ہیں۔''(۴)

خدائے بزرگ نے ایسے لوگوں کو جو عقل، کان اور زبان رکھتے ہیں لیکن حقائق کو سمجھنے کے لیے اس کا استعمال نہیں کرتے، حیوانات کی صف میں بلکہ ان سے بھی بدتر اور خراب شمار کیا ہے کیونکہ

۱۔ کافی ج ۱، ص ۱۰۔ ۲۔ سورۂ بقرہ، ۲۴۲۔
۳۔ سورۂ حج، ۴۶۔ ۴۔ سورۂ انفال، ۲۲۔

وہ اپنی عقل سے کوئی کام نہیں لیتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے: ''خدا گندگی کو ایسے لوگوں کے لیے قرار دیتا ہے جو عقل کا استعمال نہیں کرتے۔''(١)

انسان جو بھی خوبی اور اچھائی رکھتا ہے وہ اس کی عقل سے ہے۔ وہ عقل کے وسیلے سے خدا کو پہچانتا اور عبادت کرتا ہے، قیامت کو مانتا اور اس کے لیے تیار رہتا ہے، پیغمبروں کا اقرار اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، اچھے اخلاق کو پہچانتا اور خود اپنے کو اسی کے لیے پروان چڑھاتا ہے، برائیوں کو پہچانتا اور ان سے بچتا ہے اسی وجہ سے قرآن اور احادیث میں عقل کی جلالت اور عظمت ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک سوال کرنے والے کے جواب میں فرمایا: ''عقل ایک ایسی چیز ہے جس کے وسیلہ سے خدا کی عبادت ہوتی ہے اور بہشت کو حاصل کیا جاتا ہے۔''(٢)

یہ بھی حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص عقلمند ہوگا، دین رکھتا ہوگا اور جو شخص دین رکھتا ہوگا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔''(٣)

امام موسیٰ بن جعفرؑ نے ہشام سے فرمایا: ''خدا لوگوں پر دو حجتیں رکھتا ہے۔ ایک ظاہری اور دوسرے باطنی: ظاہری دلیل انبیاء الٰہی اور ائمہ معصومینؑ ہیں اور باطنی دلیل عقل ہے۔''(٤)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''عقل کے لحاظ سے کامل ترین وہ لوگ ہیں کہ جن کے اخلاق سب سے بہتر ہوں۔''(٥)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''عقل مومن کی راہنما ہے۔''(٦)

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: ''ہر شخص کی دولت، اس کی عقل ہے اور اس کا دشمن، اس کی جہالت ہے۔''(٧)

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''انسان کا خود پسند ہونا، اس کی عقل کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔''(٨)

١۔ سورۂ یونس، ١٠٠۔ ٢۔ کافی رج ر١، ص ر١١

٣۔ کافی رج ر١، ص ر١١ ٤۔ کافی رج ر١، ص ر١٦۔ ٥۔ کافی رج ر١، ص ر٢٣۔

٦۔ کافی رج ر١، ص ر٢٥ ٧۔ کافی رج ر١ص ر١١ ٨۔ کافی رج ر١، ص ر٢٧

حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے ہشام سے فرمایا: ''جو شخص بھی چاہتا ہے کہ بغیر مال کے بے نیاز ہو، اس کا دل حسد کی طرف سے آرام میں ہو اور دین سالم ہو تو وہ گریہ وزاری کے ساتھ خدا سے دعا کرے کہ اس کی عقل کو کامل کردے پھر جو شخص بھی عقلمند ہوگا وہ روزمرہ کے حساب سے روزی پر قناعت کرے گا اور جو قناعت کرے گا وہ بے نیاز ہوگا اور جو قناعت نہیں کرے گا وہ کبھی بھی بے نیاز نہیں ہوگا۔''(۱)

امام موسیٰ بن جعفرؑ نے فرمایا: ''عقلمند دنیا کے زائد کاموں کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ کیسے گناہوں تک پہنچیں گے۔ ایسی صورت میں کہ جب دنیا کو ترک کرنا فضیلت اور گناہ کو ترک کرنا واجب ہے۔''(۲)

اور فرمایا: ''عقلمند جھوٹ نہیں بولتا اگر چہ اس کا نفس اس کی طرف مائل ہی کیوں نہ ہو۔''(۳)

اور فرمایا: ''جو شخص مروت نہیں رکھتا وہ دین نہیں رکھتا اور جو عقل نہیں رکھے گا وہ مروت نہیں رکھے گا۔ لوگوں میں سب سے بلند وہ ہے جو دنیا کو اپنے نفس کی قیمت نہ بنائے اور یہ جان لو کہ بہشت کے علاوہ تمہارے بدن کی کوئی قیمت نہیں ہے لہٰذا بہشت کے علاوہ اس کا معاملہ کسی اور شئے سے نہ کرو۔''(۴)

ان احادیث سے عقل کی قیمت اور اللہ کی معرفت، علم، ایمان کو حاصل کرنا، خدا کی عبادت، اس کی پہچان، اچھے اخلاق سے فائدہ اور گناہوں سے بچنے میں اس کے اہم کردار کو پوری طرح سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اب اس نکتہ کی طرف توجہ کی ضرورت ہے کہ اس اہم مقاصد کی کفایت کے لئے صرف عقل کافی نہیں ہے بلکہ عقل سے کام لینا چاہئے اور اس سے استفادہ کرنا چاہئے۔ عقل، بدن میں انصاف کرنے والے قاضی کی طرح ہے جو کام کو جاننے والی ہے لیکن اس صورت میں اچھی طرح حکومت کرتی ہے جب اس کے لیے امن وامان کے حالات پیدا کئے جائیں اور اس پر حکومت کرنے کو قبول کرتی ہے جو عقلمند، مضبوط تدبیر کرنے والے اور اچھائی ونیکی کو چاہنے والے حاکم کی طرح ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی حاکمیت کو قبول کیا جائے اور تائید کی جائے جو کہ عقلمند مشورہ دینے والے اور بھروسہ کرنے والے اور اچھائی ونیکی کو چاہنے والے کی منزل میں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے مشورہ

۱۔ کافی ج/۱، ص/۱۸
۲۔ کافی ج/۱، ص/۱۷
۳۔ کافی ج/۱، ص/۱۹
۴۔ کافی ج/۱، ص/۱۹

لیا جائے اور اس کی باتوں کو ٹھیک طرح سے سنا جائے۔

اگر عقل، بدن میں حاکم ہوگی تو وہ تمام ارادوں اور نفسانی خواہشات کو کنٹرول میں رکھے گی، بدن پر بہترین طریقہ سے حکومت کرے گی، ارادوں اور قوتوں کے توازن کو برقرار رکھے گی اور ہر ایک کو کمال اور اللہ کی طرف بڑھنے کے راستے پر لگائے گی لیکن ارادوں اور حیوانی خواہشات کو اتنی آسانی سے عقل کی حکومت کو قبول کرلیں گی اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیں گی؟ بلکہ اس قدر خرابی اور فتنہ انگیزی کرتی ہیں تاکہ اس کو میدان سے نکال دیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ عقل کو مضبوط کرے اس لیے کہ جو کوئی بھی جتنا طاقتور اور اپنے حکم کو نافذ کرنے والا ہوگا وہ اپنے داخلی دشمنوں کو اتنے ہی اچھی طرح سے پہچانے گا اور انہیں قابو کرنے اور ان کا سر کچلنے میں زیادہ قوی ہوگا۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنی عقل کو قوت بخشیں اور اس کی حکومت کو قائم کرنے کے لئے سعی و کوشش کریں۔

۲۔ عمل سے پہلے غور و فکر: عقل کو مضبوط کرنے کے لیے ہم اس بات کا پکا ارادہ کریں کسی عمل کو انجام دینے سے پہلے اس کے نتیجہ و آثار اور دنیاوی و اخروی انجام کے بارے میں خوب غور و فکر کرلیں۔ اس بات کا پکا ارادہ کرلیں کہ ہم کبھی بھی کوئی عمل بغیر اس کے نتائج کو سوچے سمجھے انجام نہیں دیں گے تاکہ رفتہ رفتہ تفکر اور عاقبت اندیشی کی عادت پڑ جائے۔ اسی وجہ سے اسلام ہمیں فکر کرنے اور انجام کو سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: "فکر کے وسیلہ سے تم اپنے دل کو آگاہ کرلو۔"(۱)

دوسرے مقام پر فرمایا: "تفکر انسان کو اچھے کاموں اور ان پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہے۔"(۲)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "عمل سے پہلے انجام کو سوچنا شرمندگی سے بچاتا ہے۔"(۳)

ایک شخص رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! ہمیں کسی چیز کا حکم دیجئے: آپ نے فرمایا: کیا تم میرے حکم پر عمل کروگے؟ اس نے عرض کی: ہاں یا رسولؐ اللہ۔ اس سوال و جواب کی تین مرتبہ تکرار ہوئی اس وقت رسولؐ خدا نے فرمایا: میرا کہنا یہ ہے کہ جب کبھی تم کسی کام کو کرنا چاہو تو پکا ارادہ کرلو، ابتدا میں اس کے انجام پر خوب اچھی طرح سے غور و فکر کرلو، اگر وہ اچھا ہو تو انجام

۱۔ کافی/ج/۲، ص/۵۴ ۲۔ کافی/ج/۲، ص/۵۵ ۳۔ بحار/ج/۷۱، ص/۳۳۸

دواوراگراس میں شک ہوتواس کوانجام دینے سے پرہیز کرو۔''(۱)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''لوگوں کی جلد بازی ہلاکت میں ڈالتی ہے۔ اگرلوگ کاموں میں غوروفکر کریں تو کوئی شخص ہلاک نہیں ہوگا۔''(۲)

پیغمبراسلامؐ نے فرمایا: ''تاخیر اور عاقبت اندیشی، خدا کی جانب سے ہے اور عجلت، شیطان کی طرف سے ہے۔''(۳)

معصومؑ کی حدیث میں اس طرح آیا ہے: ''تفکر آئینہ کے مثل ہے جو تمہاری برائیوں اوراچھائیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔''(۴)

حیوانات اپنے کاموں میں ارادوں اورنفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اورغوروفکر وتدبر نہیں کرتے لیکن انسان چونکہ عقل رکھتا ہے لہٰذا اسے اپنے کاموں میں فکر کرنا اورانجام کوسوچنا چاہئے۔ انسان بھی چندنوں کی طرح نفسانی خواہشات رکھتا ہے اسی وجہ سے وہ اکیلا ہے۔ اس معنی میں کہ جب کبھی کوئی حیوانی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے تو وہ فوراً اس کی طرف بڑھتا اورراغب ہوتا ہے اوراس کے ارادے اسے غوروفکر کرنے کی اجازت نہیں دیتے کہ کہیں اس عمل میں عقل داخل ہوگئی تو اس کے راستے کو بند کردے گی لہٰذا اگرہم سے ہوسکے تو خودکواس بات کا عادی بنائیں کہ ہرکام کرنے سے پہلے اس میں خوب غوروفکر کرلیں، عقل کے راستوں کوکھول دیں اور اسے عمل کا میدان دے دیں۔ جس وقت وہ عمل کے لئے آمادہ ہوگی تووہ اس کی واقعی مصلحتوں اورنقصانات کوسوچے گی، ارادوں اورنفسانی خواہشات کواعتدال میں رکھے گی اورہم کوانسانِ کامل ہونے میں صراط مستقیم کی راہ پر گامزن کرے گی۔ جب عقل مضبوط ہوجائے اوربدن میں حاکم ہوجائے تو وہ انسانیت کے داخلی دشمنوں اورنفسانی بیماریوں کو ہمارے باطن میں ہی پہچنوادے گی اوران کو دورکرنے اوران کے علاج کی طرف متوجہ ہوگی۔ اسی وجہ سے قرآن اوراحادیث میں تفکر، تعقل، تدبر اورتفقہ پر بہت زیادہ زوردیا گیا ہے۔

۳۔ نفس کے بارے میں غلط نگاہ: اگرانسان اپنے باطن میں ٹھیک سے دیکھے اوراپنے نفسانی

۱۔ بحارالانوار رج ۱/۷۷، ص ر۳۳۹ ۲۔ بحار رج ۷۷/۱، ص ر۳۴۰

۳۔ بحار رج ۷۷/۱، ص ر۳۴۰ ۴۔ بحار رج ۷۷/۱، ص ر۳۲۵

صفات وعادات پر انصاف کی نگاہ ڈالے تو غالباً وہ اپنے نفسانی عیبوں اور بیماریوں کے بارے میں سمجھ جائے گا کیونکہ ہر انسان دوسرے کے مقابلہ میں اپنے نفس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔

خدا قرآن میں فرماتا ہے: ''بلکہ انسان اپنے نفس کی نیکی وبدی کے بارے میں زیادہ جانتا ہے چاہے وہ کتنے ہی عذر کے پردوں کو اپنی بصیرت کی آنکھوں پر ڈالتا رہے۔''(۱)

لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم فیصلے کے موقع پر اپنے کو الگ نہیں کر پاتے بلکہ غالباً دوسروں کے مقابلے میں اپنے نفس کے بارے میں خود پسند ہوتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو، اپنے صفات، افعال اور گفتار کو اچھا اور بے عیب جانتے ہیں۔ ہماری نفسانی خواہش ہمارے حیوانی کاموں کو اس قدر خوبصورت بناتی ہے کہ ہم برے کاموں کو بھی اچھا ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ''کیا تم نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جس کے برے کاموں کو اس طرح سجا دیا گیا ہے کہ وہ انہیں اچھا سمجھنے لگا ہے۔ یقیناً خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔''(۲)

اسی لئے ہم اپنے عیبوں کو تلاش نہیں کر پاتے اور ان کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتے۔ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے نفس کے متعلق برا دیکھیں اور برا سوچیں اور گمان کریں بلکہ یقین رکھیں کہ ہمارے نفس میں بہت ساری برائیاں اور بیماریاں ہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''حقیقی مومن وہ ہے جو اپنے نفس سے متعلق بدگمان رہتا ہے ہمیشہ اس کی عیب جوئی کرتا رہتا ہے اور اس سے بہترین کاموں کا مطالبہ کرتا ہے۔''(۳)

امیر المومنینؑ نے متقین کی تعریف وتوصیف میں فرمایا: ''ان کا نفس خود اپنے اوپر ہی تہمت لگاتا، بدگمانی رکھتا اور اپنے اعمال سے ڈراتا ہے۔ جب کبھی بھی کوئی ان کی تعریف کرتا ہے تو وہ تعریف سے ڈرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اپنے نفس کے بارے میں زیادہ جانتا ہوں اور خدا ہم سے زیادہ آگاہ ہے۔''(۴)

ایک بہت بڑی رکاوٹ اپنے نفس کو اچھا سمجھنا اور اچھا خیال کرنا ہے جو انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے نفسانی عیبوں اور بیماریوں کو تلاش کرے اور ان کی اصلاح کرے۔

۱۔ سورۂ قیامت، ۱۴۔۱۵۔
۲۔ سورۂ فاطر، ۸۔
۳۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۷۶
۱۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۹۳

لیا جائے اور اس کی باتوں کو ٹھیک طرح سے سنا جائے۔

اگر عقل، بدن میں حاکم ہوگی تو وہ تمام ارادوں اور نفسانی خواہشات کو کنٹرول میں رکھے گی، بدن پر بہترین طریقہ سے حکومت کرے گی، ارادوں اور قوتوں کے توازن کو برقرار رکھے گی اور ہر ایک کو کمال اور اللہ کی طرف بڑھنے کے راستے پر لگائے گی لیکن ارادوں اور حیوانی خواہشات کو اتنی آسانی سے عقل کی حکومت کو قبول کرلیں گی اور اس کے حکم کے آگے سر جھکادیں گی؟ بلکہ اس قدر خرابی اور فتنہ انگیزی کرتی ہیں تاکہ اس کو میدان سے نکال دیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ عقل کو مضبوط کرے اس لیے کہ جو کوئی بھی جتنا طاقتور اور اپنے حکم کو نافذ کرنے والا ہوگا وہ اپنے داخلی دشمنوں کو اتنے ہی اچھی طرح سے پہچانے گا اور انہیں قابو کرنے اور ان کا سر کچلنے میں زیادہ قوی ہوگا۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنی عقل کو قوت بخشیں اور اس کی حکومت کو قائم کرنے کے لئے سعی و کوشش کریں۔

۲۔ عمل سے پہلے غور وفکر: عقل کو مضبوط کرنے کے لیے ہم اس بات کا پکا ارادہ کریں کسی عمل کو انجام دینے سے پہلے اس کے نتیجہ و آثار اور دنیاوی و اخروی انجام کے بارے میں خوب غور وفکر کرلیں۔ اس بات کا پکا ارادہ کرلیں کہ ہم کبھی بھی کوئی عمل بغیر اس کے نتائج کو سوچے سمجھے انجام نہیں دیں گے تاکہ رفتہ رفتہ تفکر اور عاقبت اندیشی کی عادت پڑ جائے۔ اسی وجہ سے اسلام ہمیں فکر کرنے اور انجام کو سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''فکر کے وسیلہ سے تم اپنے دل کو آگاہ کرلو۔''(۱)

دوسرے مقام پر فرمایا: ''تفکر انسان کو اچھے کاموں اور ان پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہے۔''(۲)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ''عمل سے پہلے انجام کو سوچنا شرمندگی سے بچاتا ہے۔''(۳)

ایک شخص رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! ہمیں کسی چیز کا حکم دیجئے: آپ نے فرمایا: کیا تم میرے حکم پر عمل کرو گے؟ اس نے عرض کی: ہاں یا رسولؐ اللہ۔ اس سوال و جواب کی تین مرتبہ تکرار ہوئی اس وقت رسولؐ خدا نے فرمایا: میرا کہنا یہ ہے کہ جب کبھی تم کسی کام کو کرنا چاہو تو پکا ارادہ کرلو، ابتدا میں اس کے انجام پر خوب اچھی طرح سے غور وفکر کرلو، اگر وہ اچھا ہو تو انجام

۱۔ کافی ر ج ر۲، ص ر۵۴ ۲۔ کافی ر ج ر۲، ص ر۵۵ ۳۔ بحار ر ج ر۷۱، ص ر۳۳۸

لہٰذا ہم جب اس رکاوٹ کو الگ کر دیں گے اور انصاف کے ساتھ اپنے عیب کے گمان پر بھی توجہ کریں گے تو اپنی بیماریوں کو پہچان لیں گے اور ان کی اصلاح کر لیں گے۔

۴۔روحانی طبیب کی طرف رجوع: انسان کو اپنے عیبوں کو پہچاننے کے لیے ایک ایسے عالم اخلاق کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک وصاف کیا ہو اور اچھے اخلاق کو پیدا کیا ہو۔اس کے سامنے وہ پوری طرح سے اپنے اندرونی حالات اور اوصاف کو بیان کرے اور اس کے سامنے وہ اپنے برے صفات کو بیان کرے۔ایک روحانی طبیب جو اسلامی اخلاق اور نفسیات کو جانتا ہو اور وہ خود بھی اس پر عمل کرتا ہو اور اچھی عادتیں رکھتا ہو وہ نفس کو پاک وصاف کرنے اور اللہ کی طرف آگے بڑھنے میں زیادہ مفید اور موثر ثابت ہوتا ہے۔اگر انسان اس طرح کا شخص پالیتا ہے تو اسے اس بزرگ نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے لیکن افسوس یہ ہے کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں۔توجہ کے قابل نکتہ یہ ہے کہ نفس کی بیماریوں کو پہچاننا بہت مشکل ہے۔اس وجہ سے بیمار پر فرض ہے کہ وہ اپنے اندرونی صفات اور افعال کو روحانی طبیب کے سامنے بغیر چھپائے ہوئے، اچھی طرح سے بیان کرے تاکہ وہ اس کی بیماری کو سمجھ سکے۔اگر بیمار نے اس سلسلہ میں طبیب کی مدد نہیں کی اور اپنے واقعات کے اظہار میں غلط بیانی کی تو وہ اپنے مطلوبہ نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔

۵۔عقلمند اور خیر خواہ دوست کی طرف رجوع: اچھا، عقلمند اور خیر خواہ دوست اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جو نفس کو پاک وصاف کرنے اور برے صفات کو پہچاننے میں ممکن ہے کہ انسان کی مدد کرے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عقلمند ہو اور وہ اچھے اور برے صفات کو پہچانتا ہو۔اس کے علاوہ وہ قابل اعتماد بھی ہو کیونکہ اگر وہ اچھے اور برے صفات کو پہچان نہیں پائے گا تو دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا بلکہ اس کے بالکل برعکس، ممکن ہے کہ وہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا کر کے دکھائے اور اگر وہ اعتماد و بھروسہ کے لائق اور خیر خواہ نہ ہوگا تو ممکن ہے کہ وہ دوستی کو باقی رکھنے اور تکلیف نہ ہونے کے خیال سے دوست کے عیبوں کو چھپالے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی خوشامد کے لیے اس کی برائیوں کی تعریف وتوصیف کرے۔

اگر انسان اس طرح کے دوست بنالے اور اس سے یہ خواہش کرے کہ وہ جو عیب اور نقص دیکھے، اس کا تذکرہ کرے، اس کی قدر دانی کرے تو اپنے نفس کی اصلاح کے لیے ایسے لوگوں سے فائدہ

اٹھانا چاہئے اوراس کے متوجہ کرنے پر اس کی عزت کرنی چاہئے ،اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور عملی طور پر اس کو یہ سمجھائے کہ اس کی برائیوں کو بیان کرنے سے وہ ناخوش نہیں بلکہ خوش ہوتا ہے۔

ایسے دوست کو جس کو اپنا ہمدرد قرار دیا گیا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے خلوص اور سچائی کو عملی طور پر ثابت کردے۔ وہ انصاف کے ساتھ بغیر محبت اور بغض وعداوت کے، دوست کے فائدہ پر غور وفکر کرے اور سمجھے اوراس کے بارے میں جو کچھ بھی سمجھے، اسے دوستی اوراچھا چاہنے والے لہجہ کے ساتھ اس کے سامنے پیش کردے اور حتیٰ الامکان اسے تنہائی میں اور مخفی طور پر بتائے اور دوسروں کے سامنے اس کے عیب کو ظاہر کرنے سے پوری طرح پرہیز کرے۔ اس کی غرض واقعہ کو ظاہر کرنا ہو، مبالغہ آرائی سے پرہیز کرے۔ اس لیے کہ ایک مومن اپنے مومن بھائی کے لئے ایک آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے جو اس کی اچھائیوں اور برائیوں کو بغیر کم اور زیادتی کے ظاہر کرتا ہے۔

البتہ اس قسم کے دوست جو مہربانی اور اصلاح کی غرض سے انسان کے عیبوں کا ذکر کرتے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے لیکن اگر کسی کو ایسا انسان مل جائے تو گویا اس نے ایک بہت بڑی سعادت حاصل کرلی۔ لہٰذا وہ اس کی قدر کرے اوراس کے متوجہ کرنے سے خوش ہو، اس کا شکریہ ادا کرے اور اسے یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا دوست جو اصلاح کے ارادے سے انسان کی برائیوں کا ذکر کرتا ہے وہ بہترین اور مفید دوستوں میں سے ہوتا ہے۔ خدا نہ کرے، اس کے متوجہ کرنے پر وہ رنجیدہ ہوجائے اوراس کو جھٹلانے یا بدلہ لینے پر آمادہ ہوجائے۔ اگر آپ کو کوئی اس بات پر متوجہ کرے کہ کچھ زہریلے بچھو آپ کے لباس پر ہیں تو کیا اس کے متوجہ کرنے پر آپ رنجیدہ ہوجائیں گے؟ اوراس سے بدلہ لینے پر اُتر آئیں گے یا اس سے خوش ہوں گے اوراس کی عزت کریں گے؟ بُرے صفات بھی بالکل بچھو کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر اور خراب ہیں۔ جو انسان کے جسم پر ڈنک مارتے ہیں اور ہمیشہ اس کے باطن میں جگہ بنائے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو دور کرنے میں ہماری مدد کرے تو اس نے بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''ہمارا بہترین بھائی وہ ہے کہ جو ہماری برائیوں کو ہم سے بیان کرے۔''(۱)

۱۔ تحف العقول، ص، ۳۸۵

۶۔دوسروں کی بُرائیوں سے نصیحت حاصل کرنا: غالبًا انسان اپنی برائیوں سے ناواقف رہتا ہے لیکن دوسروں کی برائیوں کو دیکھتا اور ان کی خرابیوں کو خوب سمجھتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دکھائی دیتا۔ لہٰذا اپنے نفس کے عیبوں کی پہچان کا ایک راستہ دوسروں کے عیبوں کی طرف متوجہ ہونا بھی ہے۔ جس وقت انسان دوسروں کے عیبوں کو دیکھے تو اطمینان سے بیٹھنے اور اس پر تنقید کرنے کے بجائے خود اپنے عیبوں کو تلاش کرے اور اسی حساب سے اپنے نفس پر غور و فکر کرے، اپنی طرف رجوع کرے تا کہ اگر اسی طرح کے عیب وہ اپنے اندر پائے تو اس کی اصلاح کرے۔ اس صورت میں وہ دوسروں کے عیب دیکھنے سے نصیحت حاصل کرسکتا ہے اور اپنے نفس کی اصلاح کی کوشش کرسکتا ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''وہ شخص خوش قسمت ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔''(۱)

۷۔تنقید سے نصیحت حاصل کرنا: عام طور سے ایک دوست دوسرے دوست کے عیب بتانے سے پرہیز کرتا ہے لیکن دشمن اس کا الٹا کرتا ہے۔ وہ تنقید کرتا ہے اور اس کی تنقید مخلصانہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا نفس اسے حسد، کینہ اور انتقام کی نیت سے تنقید پر ابھارتا ہے لیکن انسان اس کی تنقید سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ انسان اپنے دشمنوں کے اعتراض اور تنقید کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل دو طریقۂ کار میں سے کسی ایک کو اختیار کرسکتا ہے:

پہلا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے اور اس لئے کہ دشمن نے عیب کو بیان کیا ہے جو اچھائی کا ارادہ نہیں رکھتا لہٰذا وہ ہر ممکن طریقہ سے اپنا دفاع کرے اور اس کی آواز کو بند کردے۔ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ اپنے عیب کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ دوسری غلطیوں، خطاؤں اور شکوک وشبہات میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ دشمن کی تنقید کو اچھی طرح سنے اور تلاش حقیقت کی غرض سے اپنے نفس کی طرف رجوع کرے اور انصاف کے ساتھ اپنے نفس کے بارے میں غور و فکر کرے اگر وہ دیکھے کہ مدمقابل کی تنقید و اعتراض صحیح ہے اور اس کا نفس عیب دار ہے تو وہ فوراً اصلاح کی

۲۔ بحار الانوار ج ۷۱، ص ۳۲۴

کوشش کرے۔ یہاں تک کہ اگر اس کی اصلاح ہوگئی تو دشمن کا شکریہ ادا کرے اور جس نے اس کے عیب کو بیان کیا ہے اور اس کے اصلاحِ نفس کا وسیلہ بنا ہے ایسا دشمن یقیناً ایسے دوستوں سے کہیں بہتر اور مفید ہے جو عیب چھپاتے ہیں اور جھوٹی تعریف اور چاپلوسی کرتے ہیں اور انسان کو جہالت و نادانی میں رکھتے ہیں لیکن اگر بعد میں متوجہ ہونے اور غور و فکر کرنے پر اسے معلوم ہو جائے کہ دشمن کا بتایا ہوا عیب اس میں نہیں پایا جاتا تو وہ خدا کا شکر ادا کرے اور اپنے نفس سے ہوشیار رہے۔ خدا نہ کرے کہ بعد میں وہ ایسے عیب سے آلودہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں بھی وہ دشمن کی تنقید سے فائدہ اٹھاتا ہے البتہ اس کا ایسا کرنا اس بات سے مانع نہیں ہوگا کہ وہ عقلائی اور جائز راستوں سے خیانت کار دشمنوں کی سازشوں اور چالوں کو بے اثر بنائے۔

(۸) قلبی بیماریوں کی علامتیں: بیماری کی شناخت کے راستوں میں سے ایک بہترین راستہ اس کی علامتوں کا پہچاننا ہے۔ اعضاء و جوارح کی بیماریوں کو ان دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے پہچانا جاتا ہے یا درد کے احساس سے یا نظام بدن میں عضو جسمانی کے اپنی کارکردگی میں کمزور پڑ جانے سے۔ بدن کو صحیح و سالم رکھنے میں اعضاء و جوارح کا خاص کام ہوتا ہے جو صحیح و سالم ہونے کی صورت میں اپنے کام کو بخوبی انجام دیتے ہیں لہٰذا اگر کوئی عضو اپنا کام انجام دینے میں کمزور ہوگا تو پتہ چل جائے گا کہ وہ بیمار ہے مثلاً آنکھ صحیح و سالم ہونے کی حالت میں اور اپنے مخصوص شرائط کے ساتھ چیزوں کو دیکھتی ہے۔ پس اگر شرائط کی موجودگی میں بالکل نہ دیکھے یا ٹھیک سے نہ دیکھے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بیمار ہے۔ اسی طرح سے تمام اعضاء و جوارح مثلاً کان، زبان، ہاتھ، پیر، قلب، گردہ، جگر، ان میں سے ہر ایک کا اپنا خاص کام ہے کہ جو صحیح و سالم ہونے کی حالت میں انجام دیتا ہے۔ اگر انجام نہ دے تو معلوم ہوگا کہ وہ بیمار ہے۔

انسان کا قلب و نفس بھی اسی طرح سے ہے۔ ان کے کام معین ہیں کہ جو اسے اپنی خلقت کے اعتبار سے انجام دینا ہے جو خدا کی جانب سے آیا ہے اور علم، رحمت، قدرت، احسان، انصاف، محبت، پہچان، نورانیت اور دوسرے فضائل اور اچھے اخلاق کی اصل سے ربط رکھتا ہے۔ انسان فطری طور پر علت کو تلاش کرنے والا اور خدا کا چاہنے والا ہے۔ ایمان، خدا کی طرف توجہ، اس سے تعلق اور محبت، عبادت اور خدا کی پرستش، اس کی درگاہ میں دعا اور راز و نیاز، نفس اور قلب کی

سلامتی کی علامتیں ہیں۔اسی طرح علم ودانش سے تعلق۔خدا کی مخلوق کے ساتھ احسان اور اس کی خدمت،خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے۔ایثار وقربانی،انصاف پسندی اور دوسرے اچھے اخلاق نفس کے صحیح وسالم ہونے کی علامتوں میں شمار ہوتے ہیں۔اگر انسان اس طرح کے صفات کو اپنے میں پائے تو پتہ چلے گا کہ اس کا نفس صحیح وسالم ہے لیکن اگر احساس کرے کہ خدا کی طرف توجہ نہیں رکھتا ہے،خدا کی عبادت،دعا اور مناجات سے لذت نہیں اٹھاتا اور اس سے گریز کرتا ہے،خدا کو دوست نہیں رکھتا ہے،جاہ ومنزلت،رتبہ،دولت وثروت،جائداد،عورت اور بچوں پر فریفتہ ہے،شہوت پرستی اور حیوانی لذتوں کو خدا کی رضا حاصل کرنے کے مقابلہ میں زیادہ ترجیح دیتا ہے اور زندگی میں سوائے ذاتی فائدے کے کوئی مقصد نہیں رکھتا ہے۔ایثار وقربانی،فداکاری،احسان اور مخلوق خدا کی خدمت سے لذت نہیں اٹھاتا ہے۔لوگوں کے رنجیدہ اور افسردہ ہونے سے افسردگی کا احساس نہیں کرتا ہے تو ایسے شخص کو جان لینا چاہئے کہ اس کا نفس واقعی بیمار ہے لہٰذا اگر وہ اپنی سعادت سے لگاؤ رکھتا ہے تو اسے بہت جلد اس کی اصلاح اور علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

علاج کرنے کا ارادہ

جب نفس کی بیماریوں کی شناخت ہو جائے اور یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ہم بیمار ہیں تو فوراً اس کا علاج شروع کرنا چاہئے۔اس مرحلہ میں اہم ترین موضوع عزم وارادہ ہے۔اگر ہم واقعی اور پکے ارادہ کے ساتھ اپنے کو برائیوں اور برے اخلاق سے پاک وصاف کرنا چاہیں تو ہم ایسا کر سکتے ہیں لیکن اگر اس موضوع کو معمولی شمار کریں اور پکا ارادہ نہیں کریں تو پھر فلاح و بہبودی اور صحیح وسالم ہو نا غیر ممکن ہوگا۔یہی وہ موقع ہے جب شیطان اور نفس امارہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور بہت سارے حیلے وبہانوں کو پیش کرتا ہے تا کہ ہم کو ہمارے ارادہ سے باز رکھے لیکن ہم کو پوری طرح ہوشیار رہنا چاہئے تا کہ اس کے فریب اور دھوکے میں نہ آجائیں۔

ممکن ہے کہ بری عادت ہم سے اس طرح کہے:تم ان لوگوں کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتے جو اس طرح کی صفت رکھتے ہیں فلاں،فلاں اور فلاں کو دیکھو کہ وہ بالکل اسی طرح کی برائی بلکہ اس سے بڑھ کر برائی میں گرفتار ہیں۔مگر کیا تم تنہا اچھے رہ سکتے ہو؟اگر تم چاہتے ہو کہ رسوائے زمانہ نہ ہو تو

جماعت کے رنگ میں رنگ جاؤ سب جیسے ہو جاؤ!!

لیکن ہم کو قطعی طور پر اس رنگ کو اختیار نہیں کرنا چاہئے، ہم مانتے ہیں کہ دوسرے بھی اسی بیماری میں مبتلا ہیں لیکن ان کا ہم سے کیا ربط ہے۔ یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس نفسانی بیماری میں دوسرے مبتلا ہیں ہم بھی مبتلا ہو جائیں۔ بہر حال یہ عیب اور بیماری ہمارے اندر موجود ہے اور ہم اس بیماری کے ساتھ مر گئے تو ہمیشہ کی بدبختی و بد قسمتی میں گرفتار ہوں گے لہٰذا ہمیں اپنے نفس کے علاج اور اس کے پاک وصاف کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

ممکن ہے کہ شیطان کبھی وقت گذارنے اور تاخیر کے بہانے میدان میں آجائے اور ہم کو ہمارے ارادے سے پلٹا دے اور کہے کہ یقیناً یہ عیب تمہارے اندر موجود ہے اور اس کی اصلاح بھی کرنی چاہئے لیکن ابھی وقت کافی ہے۔ اتنی جلدی کیوں ہے؟ چھوڑو جب فلاں کام ختم ہو جائے تو اس وقت فارغ ہو کر نفس کو پاک وصاف کرنا۔ ابھی تم جوان ہو یہ تمہارے عیش کرنے کے دن ہیں۔ جب تم بڑھاپے میں پہنچنا، تب توبہ کرنا اور نفس کو پاک وصاف کرنے میں مشغول ہو جانا۔

ہمیں متوجہ رہنا چاہئے کہ یہ بھی شیطان کے مکر وفریب کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس وقت تک زندہ رہیں، شاید اس سے پہلے ہی موت آجائے اور ہم ان تمام نفسانی بیماریوں کے ساتھ، اس دنیا سے چلے جائیں۔ ایسی صورت میں ہمارا کیا ہوگا؟ اور اگر وقت مل بھی گیا اور ہم اس وقت تک زندہ بھی رہے تو کیا نفس امارہ اور شیطان اس زمانہ میں حیلہ، فریب اور دھوکے سے اپنا ہاتھ اٹھالے گا اور ہم کو آزاد چھوڑ دے گا تا کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرسکیں؟ وہ اس زمانے میں بھی دوسرے بہانہ سے ہم کو ہمارے ارادے سے باز رکھے گا۔ لہٰذا کیا ہی بہتر ہے کہ ہم ابھی سے عمل کی دنیا میں داخل ہو جائیں اور نفس امارہ پر لگام کس لیں۔

کبھی ایسا بھی ممکن ہے کہ نفس امارہ ہم سے کہے کہ تو نے گناہ کیا ہے اور فلاں صفت کی عادت ڈالی ہے اور تمہارے لیے اس کا چھوڑنا ناممکن ہے، تو نفس کی خواہشات کا اسیر ہے، تیرے لیے کس طرح ممکن ہے کہ اپنے کو اس کی قید سے نجات دے سکے؟ تیرا نفس گناہ اور معصیت کے وجہ سے تاریک ہو چکا ہے اور تیرے پاس پلٹنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

ہمیں جان لینا چاہئے کہ یہ بھی ایک طرح کا فریب ہے۔ ہم کو چاہئے کہ نفس امارہ سے

کہیں کہ عادت کا ترک کرنا ناممکن نہیں ہے بلکہ ممکن ہے، البتہ دشوار ضرور ہے لیکن بہر حال ہمیں عمل کی راہ میں آگے بڑھنا چاہئے اور تہذیب نفس کی کوشش کرنا چاہئے۔ اگر گناہ اور برے صفات کو چھوڑنا ممکن نہ ہوتا تو ان تمام اخلاقی قوانین کو پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ صادر نہ فرماتے۔ توبہ کا راستہ کبھی بھی بند نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے لہٰذا ہمیں پکا ارادہ کرنا چاہئے اور اپنے نفس کو پاک وصاف کرنے میں مشغول ہو جانا چاہئے۔

ممکن ہے کہ برے صفات اور نفسانی بیماریوں کو شیطان معمولی اور غیر اہم بنا کر پیش کرے اور کہے کہ تم واجبات کی پابندی کرتے ہو اور فلاں فلاں مستحب عمل بھی انجام دیتے ہو۔ خدا تم کو بخش دے گا اور تمہارا ٹھکانہ بہشت ہوگی۔ تمہارے اندر جو بھی بری صفتیں ہیں وہ اتنی اہم نہیں ہیں فقط مستحبات کی انجام دہی سے ہی ان کی تلافی ہو جائے گی اور تم بخش دیئے جاؤ گے۔

یہاں پر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح کی توجیہات نفس امارہ اور شیطان کی طرف سے ہی ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں نفس امارہ سے کہنا چاہئے کہ نیک عمل تو صرف متقین کے قبول ہوتے ہیں اور بغیر تزکیہ نفس تقویٰ کا حصول ممکن نہیں ہے۔ اگر نفس برائیوں سے پاک وصاف نہیں ہوگا تو اچھے صفات کی پرورش نہیں ہو سکتی۔ اگر شیطان باہر نہ جائے تو فرشتہ داخل نہیں ہوگا۔ اگر گناہ اور برائیوں کی وجہ سے اخلاق آلودہ ہوگا تو آخرت میں نور اور بلندی حاصل نہیں ہو سکتی۔

ہم کو ہمیشہ پوری طرح سے ان خطرناک نفسانی بیماریوں کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ جن کا اجمالی طور پر پہلے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم اخلاقی کتابوں اور احادیث کی طرف متوجہ ہوں اور ہر ایک نفسانی بیماری کے برے نتائج سے متعلق علم حاصل کریں۔ اس طریقہ سے ہم نفس امارہ اور شیطان کے فریب سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اصلاح نفس کے لیے ہمیں حتمی ارادہ کرنا چاہئے۔ اگر ہم ارادہ کے مرحلہ سے گذر گئے تو عمل کے مرحلہ سے نزدیک ہو جائیں گے۔

نفس پر غلبہ اور کنٹرول

انسان کے تمام اعمال، حرکات، گفتار، اچھائیوں اور برائیوں کا سرچشمہ نفس ہے۔ اگر نفس صحیح ہوگا تو انسان کی دنیا وآخرت امن کے ساتھ آباد ہوگی اور اگر نفس فاسد ہوگا تو برائیوں کا سرچشمہ

ہوگا اور دنیا و آخرت میں انسان کے لیے ہلاکت ہوگی۔ اگر وہ انسانیت کے راستہ پر چلے تو ہوسکتا ہے کہ اللہ کے قریب ترین فرشتوں سے بھی بالاتر ہو جائے اور اگر انسانی شرافت کے گوہر کو نظر انداز کرتے ہوئے حیوانیت کے راستہ پر چلے تو حیوانات سے بھی پست ہو جائے گا اور شیطان کے مقام پر پہنچ جائے گا۔ ان دونوں راستوں میں سے ہر ایک کے اسباب انسان میں چھپے ہوئے ہیں۔ انسان ایک طرف تو عقل رکھتا ہے اور فطری طور پر فضیلتوں اور اچھائیوں کو پسند کرتا ہے اور دوسری طرف وہ حیوان ہی ہے اور حیوانی طبیعت اور قوت بھی رکھتا ہے لیکن اس طرح نہیں کہ حیوانی طبیعت، قوت اور رجحان صرف نقصان دہ ہیں اور اسے پستی کی طرف کھینچتے ہیں بلکہ ان کا وجود حیات انسان کے لیے ضروری ہے۔ اگر ان کا صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے تو وہ انسان کے کامل ہونے اور تقرب الٰہی میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔

لیکن اس میں بنیادی مشکل یہ ہے کہ حیوانی خواہشات ایک معین حد پر نہیں ٹھہرتی ہیں اور دوسروں کی پرواہ نہیں کرتی ہیں اور نہ ہی انسان کے مطالبات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور نہ ہی طبعی خواہشوں کو مدنظر رکھتی ہیں۔ بلکہ اس کا مقصد خواہشات کی تکمیل کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا۔ طبع جنسی خواہشات کی مکمل تکمیل اور مقصد تک رسائی کا طالب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں رکھتی۔ تمام حیوانی غرائز و طبعیات بھی مثلاً کھانے اور پینے سے لذت کو تلاش کرنا، جاہ و منصب، مقام و منزلت، حکومت و شہرت، مال و دولت سے وابستگی، زندگی کی آرائش اور اسی طرح غصہ اور غضب اور بدلہ لینا اور وہ تمام صفات جو ان کا سرچشمہ ہیں کسی معین حد پر نہیں رکتیں۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنی آرزوؤں کی انتہا تک پہونچنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان کا نفس مختلف طبیعتوں کا میدان جنگ بن جاتا ہے اور کبھی بھی آرام و سکون میں نہیں رہتا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہو جائے اور نفس کو پوری طرح سے اپنا غلام بنا لے۔

لیکن عقل ان دونوں کے درمیان بہت ہی اہم قدرت اور مقام رکھتی ہے۔ ممکن ہے کہ عقل شریعت کی راہنمائی سے فائدہ اٹھا کر طبع، رجحانات اور نفسانی خواہشات کو کنٹرول میں رکھے اور افراط و تفریط سے مانع ہو اور حاکم و فرمانروا بن جائے، طبیعی خواہشات کے درمیان، توازن کو برقرار رکھے۔ اس وسیلہ سے نفس کی مملکت کو جسم کی خرابی ناتوانی اور کثرت طلبی سے نجات دلائے اور انسانیت کو

سیدھے راستے اور اللہ کے راستے پر آگے بڑھنے اور چلنے کی ہدایت کرے۔

لیکن عقل کا اس پر غلبہ، آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا دشمن بہت زیادہ طاقت ور اور دھوکے باز ہے۔ یہ غدار دشمن جس کا نام نفس امارہ ہے، اس کے بہت سے مددگار اور ساتھی ہیں جو اس کی طرفداری کرتے ہیں۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''نفس ہمیشہ برے کاموں کا حکم دیتا ہے سوائے اس کے کہ میرا خدا مجھ پر رحم کرے۔''(۱)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''تمہارا سب سے بڑا دشمن، تمہارا نفس ہے جو تمہارے دو پہلو کے درمیان ہے۔''(۲)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''عقل اور خواہشاتِ نفسانی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ علم عقل کی مدد کرتا ہے، ہویٰ و ہوس، شہوت کی تائید کرتی ہے۔ نفس، دو قوتوں کے حملہ اور لوٹ کھسوٹ کا میدان جنگ ہوتا ہے۔ ان دونوں میں سے جس نے بھی نفس پر غلبہ حاصل کر لیا اس نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔''(۳)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''شر و برائی ہر نفس میں چھپی ہوتی ہے لہٰذا اگر نفس کا مالک اس پر غلبہ حاصل کر لے تو وہ چھپ جاتا ہے اور اگر غلبہ حاصل نہ کر پایا تو ظاہر ہو جاتا ہے۔''(۴)

لہٰذا عقل بہترین حاکم ہے لیکن وہ مدد و تعاون کی محتاج ہے۔ ہم اگر اس جھگڑے میں عقل کی طرفداری کرتے ہیں اور خواہشات اور ہویٰ و ہوس سے لڑتے ہیں اور اپنے بدن کی حکومت کی لگام عقل کے اختیار میں دے دیتے ہیں تو ہم ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کریں گے۔ یہ وہ چیز ہے کہ جس کو دین کے پیشواؤں، رہنماؤں، شریعت کے رہنماؤں، طریقت و حقیقت کی راہوں پر چلنے والوں نے، ہم سے مطالبہ کیا ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ تاکید بھی کی ہے۔ نمونہ کے طور پر:

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''ہوشیار رہو کہ خواہشات تمہارے دلوں پر غلبہ نہ کریں۔ اس لیے کہ وہ تمہیں شروع میں اپنے قبضہ میں لیں گے اور آخر میں ہلاکت میں ڈھکیل دیں گے۔''(۵)

۱۔ سورۂ یوسف، ۵۳.
۲۔ بحار، ج ۷۰، ص ۶۴
۳۔ غرر الحکم، ج ۱، ص ۹۶
۴۔ غرر الحکم، ج ۱، ص ۱۰۵
۱۔ غرر الحکم، ص ۱۶

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جو شخص نفسانی خواہشات کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھتا وہ اپنی عقل کا مالک بھی نہیں ہوتا۔''(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''نفسانی خواہشات کا غلبہ بہت بڑی ہلاکت ہے اور اس پر غلبہ حاصل کر لینا بہترین حکومت و سرداری ہے۔''(۲)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص بھی بری باتوں کی طرف رغبت ڈر اور خوف، خواہشات، غضب و غصہ اور اس پر راضی رہنے کے موقع پر اپنے نفس پر قابو پالے تو خدا اس کے بدن پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔''(۳)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''خود اپنے نفس پر قابو پالو اور اس کو گناہ سے دور رکھو تا کہ اسے اطاعت خداوندی کی طرف کھینچنا آسان ہو۔''(۴)

لہٰذا نفس پر تسلط اور خواہشات پر کنٹرول، تہذیب نفس زندگی کے اہم مسائل میں سے ہے۔ انسان کا نفس ایک تیز طرار اور سرکش گھوڑے کی طرح ہے کہ اگر وہ ریاضت کے ذریعہ رام اور مطیع ہو گیا اور اس کی لگام تمہارے ہاتھ میں آ گئی اور اس سرکش گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گئے تو ہوسکتا ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ لیکن اگر وہ رام اور مطیع نہیں ہوا اور جس طرف اس نے چاہا حرکت کی تو وہ تم کو گڑھے میں گرا دے گا لیکن سرکش نفس کو رام کرنا بہت مشکل کام ہے۔ وہ ابتداء میں ہی تم سے مقابلہ کرے گا لیکن اگر تم بھی ڈٹے رہے تو آخر کار وہ مطیع و فرمانبردار ہو جائے گا۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اگر تمہارا نفس تمہارے سامنے سختی سے پیش آئے اور مطیع نہ ہو تو تم بھی اس پر سخت ہو جاؤ تا کہ وہ تمہارا فرمانبردار بن جائے۔ تم اس کے ساتھ حیلہ و بہانے سے پیش آؤ تا کہ وہ فرمانبردار ہو جائے۔''(۵)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''نفسانی خواہشات مہلک بیماریاں ہیں اور ان کی بہترین دوا ان کے مقابلہ میں ڈٹے رہنا ہے۔''(۶)

۱۔ غرر الحکم ر ج ر ۱، ص ر ۳۱۹

۲۔ غرر الحکم ر ج ر ۲، ص ر ۲۰۷

۳۔ غرر الحکم ر ج ر ۲، ص ر ۵۰۷

۴۔ وسائل الشیعہ ر ج ر ۶، ص ر ۱۲۳

۵۔ غرر الحکم ر ج ر ۲، ص ر ۵۰۸

۶۔ غرر الحکم ر ج ر ۱، ص ر ۲۷

جہاد بالنفس

ہمارا سب سے بڑا دشمن نفس ہے جو عقل کے ساتھ جنگ کرتا رہتا ہے۔ وہ شیطان کے وسوسوں کو قبول کرتا ہے اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر عقل پر حملہ کرتا ہے تا کہ اس کو ایک گوشے میں ڈال دے اور خاموش کر دے اور خود بدن پر قابض ہو جائے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ نفس کی دنیا سے فرشتوں کو باہر نکال دے اور اس کو پوری طرح سے شیطانوں کے قبضہ میں دے دے۔ اس غدار دشمن کا سر کچلنا آسان کام نہیں ہے۔ پکا ارادہ، پائیداری، یہاں تک کہ جہاد، اس کے لیے لازم ہے اور وہ بھی ایک مرتبہ اور دو مرتبہ یا ایک روز اور دو روز یا ایک سال اور دو سال نہیں بلکہ ہمیشہ جہاد زندگی کے آخری لمحہ تک۔ نفس کو لگام لگانے اور خواہشات کو قابو میں رکھنے کے لیے ہمیں سخت جنگ کرنا ہوگی۔ پیغمبرؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے فرامین کو ہم سمجھیں اور عقل کی مدد سے اس کے لشکر سے جنگ کرنے میں جلدی کریں اور نفس کو حد سے بڑھنے نہ دیں، ظلم کو روکے رکھیں اور اس کی فوج کو گھیر کر ختم کر دیں تا کہ جسم کی مملکت پر عقل کی حکومت قائم ہو جائے جو شریعت کے قوانین سے فائدہ اٹھا کر ہم کو انسانی کمال کی منزلوں اور اللہ تک پہنچنے کے لائق بنا سکے۔ نفس کے ساتھ صلح اور سازش نہیں کی جا سکتی بلکہ چاہیئے کہ اس کے ساتھ جنگ کرے تا کہ وہ زیر ہو اور وہ اپنی جگہ پر بیٹھ جائے اور اپنا ہاتھ سازش سے اٹھا لے۔ اس سعادت کے حصول کے لیے سوائے اس راستہ کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں نفس کے ساتھ جنگ کو جہاد کہا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر حضرت علیؑ کے چند اقوال ہم نقل کر رہے ہیں:

حضرت علیؑ نے فرمایا: نفس سے مسلسل جہاد کے ذریعہ اس پر مسلط ہو جاؤ۔ (۱)

۱۔ غرر الحکم ر ج ر ۱، ص ۱۳۱

اور فرمایا: اپنی خواہشات پر قابو حاصل کرو اور ان کے ساتھ جنگ کرو۔ اگر خواہشات نے تمہیں زیر کر لیا تو تم کو شدید ہلاکت میں ڈال دیں گی۔ (۱)

نیز فرمایا: آگاہ ہو جاؤ کہ نفس کے ساتھ جہاد بہشت کی قیمت ہے، لہٰذا ہر وہ شخص جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے گا وہ اس پر مسلط ہو جائے گا۔ بہشت اس شخص کے لئے بہترین جزا ہے کہ جو نفس کی قدر کو پہچانے۔ (۲)

نیز فرمایا: نفس کے ساتھ جہاد کر کے اسے اللہ کی اطاعت پر مجبور کرو۔ یہ جہاد بالکل اسی طرح ہے جیسے دشمن سے لڑنا ہے اور اس پر اسی طرح غلبہ حاصل کرو جیسے ایک مخالف دوسرے مخالف پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ بیشک سب سے بڑا طاقتور وہ ہے جو اپنے نفس پر کامیابی حاصل کر لے۔ (۳)

آپ نے فرمایا: عقلمند شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو نفس کے ساتھ جہاد میں مشغول رکھتا ہے پھر اس کی اصلاح کرتا ہے اور اسے ہویٰ و ہوس اور خواہشات سے روکے رکھتا ہے اور اس طرح اس کو لگام لگاتا ہے اور اس کو اپنے قبضہ میں کرتا ہے۔ پس عقلمند انسان وہ ہے جو اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہتا ہے کہ وہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف توجہ نہیں رکھتا۔ (۴)

نفس کے ساتھ جہاد ایک اہم اور نتیجہ خیز جنگ ہے ایسی جنگ کہ دنیا و آخرت میں ہماری حیات اور طرز زندگی بلکہ ہمارا وجود اس سے وابستہ ہے۔

اگر ہم جہاد کے ذریعہ اپنے نفس کو مغلوب نہ کر سکے اور اس کی لگام کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے پائے تو وہ ہم کو مغلوب کر دے گا اور جس طرف چاہے گا ہمیں کھینچ کر لے جائے گا۔ اگر ہم اس کو اپنی غلامی میں نہیں لائے تو وہ ہم کو اپنا اسیر اور غلام بنا لے گا اور اگر ہم نے اس کو اچھے اخلاق اور نیک کرداری پر آمادہ نہیں کیا تو وہ ہم کو برے اخلاق اور بدکرداری پر مجبور کرے گا۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ جہاد بالنفس بہت اہم اور مشکل کام ہے جو صرف اللہ کے راستہ پر چلنے والوں کے لیے قرار دیا گیا ہے اور اس راستہ میں جتنی طاقت صرف کی جائے، وہ اہمیت کی حامل ہے۔

۱۔ غرر الحکم رج ر ا، ص ر ۱۳۸ ۲۔ غرر الحکم رج ر ا، ص ر ۱۶۵
۳۔ غرر الحکم رج ر ا، ص ر ۱۷ ۳ ۴۔ غرر الحکم رج ر ا، ص ر ۲۳۷

جہادِ اکبر

جہاد بالنفس اس قدر اہم تھا کہ رسول خدا ﷺ نے اسے مسلحانہ جہاد سے اہم اور افضل قرار دیا ہے۔

امیر المومنینؑ نے نقل کیا کہ رسولؐ خدا نے ایک فوج کو دشمن سے جنگ کے لیے بھیجا۔ جب وہ جنگ سے واپس آئی تو ان سے فرمایا: ''شاد باش ان پر جنھوں نے چھوٹا جہاد کیا لیکن ابھی ان پر جہادِ اکبر واجب ہے۔ انھوں نے کہا: یا رسولؐ اللہ جہادِ اکبر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اپنے نفس کے ساتھ جہاد۔''(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''بہترین جہاد اس شخص کا جہاد ہے کہ جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے جو اس کے دو پہلو کے درمیان ہے۔''(۲)

پیغمبر اسلامؐ نے اپنی وصیت میں حضرت علیؑ سے فرمایا: ''یا علیؑ! بہترین جہاد، اس شخص کا جہاد ہے کہ جو صبح اس حالت میں کرے کہ اس کا ارادہ ہو کہ وہ کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔''(۳)

ان حدیثوں میں نفس کے ساتھ جہاد کو، جہادِ اکبر اور جہادِ افضل کے عنوان سے پہچوایا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا جہاد ہے، جو جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل و برتر ہے۔ جبکہ جہاد فی سبیل اللہ بہت زیادہ اہم ہے اور یہ بہترین عبادتوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے نفس کے ساتھ جہاد کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ نفس کے ساتھ جہاد کی برتری کی وجہ تین طریقوں سے بیان کی گئی ہے۔

پہلی وجہ: ہر عبادت، یہاں تک کہ مسلحانہ جہاد، دو طرح سے جہاد بالنفس کا محتاج ہے۔

پہلے یہ کہ مکمل اور تمام شرائط کے ساتھ عبادت کو انجام دینا جہاد بالنفس کا محتاج ہے۔ کیا نماز کا حضور قلب اور تمام شرائط کے ساتھ بجالانا اس طرح کہ وہ مومن کی معراج ہو اور منکرات سے مانع ہو، کیا یہ بغیر جہاد کے ممکن ہے؟ اس طرح روزہ رکھنا کہ وہ جہنم کی آگ کے لئے سپر بن جائے، کیا بغیر جہاد کے ممکن ہے؟

۱۔ وسائل الشیعہ ر ج ر ۱۱، ص ر ۱۲۴ ۲۔ وسائل الشیعہ ر ج ر ۱۱، ص ر ۱۲۴
۳۔ وسائل ر ج ر ۱۱، ص ر ۱۲۳

کیا جہاد بالنفس کے بغیر مجاہد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں آ سکتا ہے اور دشمنان اسلام بہتر طریقہ سے جنگ کر سکتا ہے اور اسی طرح دیگر تمام عبادتیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر عبادت اسی وقت قابل قبول اور اللہ کے تقرب کا سبب بنتی ہے جب وہ صرف رضائے الٰہی کے لئے انجام دی جائے اور ہر طرح سے شرک، ریا، خود بینی، نفسانی غرض سے پاک و پاکیزہ ہو اور یہ ساری چیزیں جہاد بالنفس کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔

یہاں تک کہ مسلحانہ جہاد اور شہادت بھی اسی وقت باارزش، کامل اور قرب خدا کا سبب بنتی ہے جب وہ صرف رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۂ توحید کے لئے ہو۔ لیکن اگر یہی عظیم عبادت شہرت حاصل کرنے یا دشمن سے بدلہ لینے یا نام کے باقی رہنے، خودنمائی اور ریاکاری یا مقام اور مال حاصل کرنے یا زندگی کی پریشانیوں سے دور بھاگنے یا دوسری نفسانی اغراض و مقاصد کے تحت انجام دی جائے تو اسے کوئی معنوی حیثیت حاصل نہیں ہوگی اور اللہ سے قریب ہونے کا سبب نہیں بنے گی۔ اسی لئے جہاد بالنفس ساری عبادتوں، نیک کاموں یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد سے بھی برتر اور مقدم ہے کیونکہ ان ساری عبادتوں کی صحت اور کمال جہاد بالنفس پر موقوف ہے اسی لئے اسے ''جہاد اکبر'' کہا گیا ہے۔

دوسری وجہ مسلحانہ جہاد ایک خاص زمانہ میں، کچھ خاص شرائط کے ساتھ واجب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ واجب عینی نہیں ہے بلکہ واجب کفائی ہے اور کچھ لوگوں سے ساقط بھی ہے اور بعض زمانوں میں تو واجب ہی نہیں ہے اور واجب ہونے کی صورت میں بھی واجب کفائی ہے کہ اگر کچھ لوگ ضروری تعداد میں شرکت کریں تو یہ جہاد دوسروں سے ساقط ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ جہاد عورتوں، بوڑھوں، پریشان حال لوگوں، کمزوروں اور بیماروں پر بھی واجب نہیں ہے۔ جہاد بالنفس اس کے برخلاف ہے جو ہر شخص پر، ہر زمانے میں اور ہر حالت میں واجب عینی ہے اور اسے زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہنا چاہئے اور معصومینؑ کے علاوہ کوئی شخص بھی، کبھی بھی اس سے بے نیاز نہیں ہوگا۔

تیسری وجہ: تمام عبادتوں میں جہاد بالنفس یہاں تک کہ مسلحانہ جہاد کہ جس میں مجاہد جان کی بازی لگا دیتا ہے اور شہادت کے لیے تیار ہو جاتا ہے، زیادہ دشوار ہے۔ کیونکہ یہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور ایک عمر نفسانی خواہشوں اور ہویٰ و ہوس سے مقابلہ کرنا اور سیدھی راہ پر گامزن ہو کر راستے کو

طے کرنا، یہ سب اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے کہ مجاہد، اسلام کے دشمنوں سے میدان جنگ میں کچھ دنوں تک جنگ کرے اور آخر کار شہادت کے درجہ پر فائز ہو جائے لیکن نفس کے ساتھ جنگ، اس قدر دشوار ہے کہ سوائے سخت کوشش اور ہمیشہ رنج و غم کو برداشت کرنے کے علاوہ اللہ کی تائید کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نماز میں ہمیشہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيم پڑھتے ہیں۔ پوری طرح صراط مستقیم پر چلنا، اس قدر سخت اور باریک ہے کہ رسول اسلامؐ خدائے منان سے کہتے ہیں: اِلٰهِي لَا تَكِلْنِي اِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَداً "پروردگارا! ہم کو کبھی بھی پلک جھپکنے کے برابر بھی ہمارے حال پر نہ چھوڑے۔

جہاد اور اللہ کی تائید

یہ حقیقت ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد، بہت مشکل ہے اور اس کے لئے استقامت، ثبات قدم، عقلمندی، ہوشیاری اور برابر نگرانی کی ضرورت ہے حفاظت کی محتاج ہے لیکن بہر حال یہ ایک ایسا کام ہے جو ممکن ہے اور انسان کی سعادت کے لیے مکمل طور پر اس کی ضرورت ہے۔ اگر انسان پکا ارادہ کر لے اور اس پر عمل شروع کر دے تو خدا کی جانب سے اس کی مدد ہوتی ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: "وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انھیں اپنے راستوں کی ہدایت کرتے ہیں۔"(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "خوشا نصیب ہے وہ بندہ جو خدا کی رضا کے لیے اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے جہاد کرے۔ ہر وہ شخص جو نفس کی ہوئی و ہوس کی فوج پر کامیاب ہو گیا وہ خدا کی رضا کو حاصل کر لیتا ہے اور ہر وہ شخص جو خدا کے سامنے، عاجزی اور خضوع و خشوع کے ساتھ پیش آئے اور اپنی عقل کو نفس امارہ کا نگہبان قرار دے تو وہ بڑی سعادت پر فائز ہوگا۔ بندہ اور پروردگار کے بیچ، نفس امارہ اور اس کی خواہشات کے پردے سے زیادہ تاریک اور خوفناک کوئی دوسرا حجاب نہیں ہے اور ان پردوں کو ہٹانے کے لیے خدا کی مدد، خضوع و خشوع، روزہ دار کا روزہ میں بھوک

۱۔ سورۂ عنکبوت، ۶۹۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک شخص سے فرمایا: ''تجھے اپنے نفس کا طبیب قرار دیا گیا ہے، تمہارے لیے درد اور صحت کی علامت کو بیان کیا گیا ہے اور تجھے دوا بھی بتائی جا چکی ہے لہٰذا خوب غور وخوض کرو کہ تم اپنے نفس کا علاج کیسے کرتے ہو؟''(۱)

نیز فرمایا: ''جس شخص کا نفس خود وعظ ونصیحت کرنے والا نہ ہوگا تو دوسروں کی نصیحت اس پر کوئی اثر نہیں کرے گی۔''(۲)

امام سجادؑ نے فرمایا: ''اے اولادِ آدمؑ! تم ہمیشہ خیر پر رہو گے، اگر تمہارا نفس خود وعظ ونصیحت کرنے والا ہوگا۔''(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''سب سے بڑا عاجز اور ناتوان وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی اصلاح کرنے سے عاجز ہو۔''(۴)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''مناسب ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے نفس پر قابض، دل کا محافظ اور زبان کا حافظ ہو۔''(۵)

۱۔ کافی رج ۲، ص ۴۵۴

۲۔ بحار رج ۷۰، ص ۷۰

۳۔ بحار الانوار رج ۷۰، ص ۶۴

۴۔ غرر الحکم رج ۱، ص ۱۹۶

۵۔ غرر الحکم رج ۲، ص ۸۶۲۔

تہذیب نفس کے مراحل

ا۔ حفظ ماتقدم

اپنے نفوس کو محفوظ رکھنا اور انہیں گناہ نیز برے اخلاق سے باز رکھنا، تہذیب نفس کا بہترین اور آسان راستہ ہے۔ اس وقت جب کہ انسان کا نفس گناہ میں آلودہ نہیں ہوا ہو، فطری طور پر نورانی اور پاکیزہ رہتا ہے۔ چنانچہ اچھے کام اور نیکیوں کی جانب پورے طور پر راغب ہونے کے لئے باقاعدہ آمادہ رہتا ہے۔ ابھی گناہوں کی تاریکی اور سیاہی نے متاثر ہی نہیں کیا ہے۔ نتیجہ میں شیطان کا نفوذ بھی اس میں نہیں ہو سکا ہے لہٰذا وہ گناہوں کے ترک پر پوری طرح سے آمادہ ہے۔

نوخیز اور جوان اگر پکا ارادہ کر لے کہ وہ اپنی تہذیب نفس کرے اور گناہوں اور برے اخلاق سے پرہیز کرے گا تو وہ ان کے لیے بہت آسان ہوگا۔ چونکہ وہ پہلے سے حفاظت کرنے میں لگا ہے اور پہلے سے حفاظت کرنا کسی عادت کو ترک کرنے میں زیادہ آسان ہوتا ہے لہٰذا جوانی اور نوجوانی بلکہ بچپن کا زمانہ نفس کو پاک وصاف کرنے کا بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سبھی انسان جنہوں نے ابھی کوئی خاص گناہ نہیں کیا ہے وہ اس گناہ کو ترک کرنے کے لئے زیادہ آمادہ رہتا ہے لہٰذا جوانوں اور اسی طرح سے وہ لوگ کہ جنہوں نے ابھی کوئی گناہ نہ کیا ہو انہیں اس اہم فرصت کو غنیمت شمار کرنا چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ہرگز ہرگز گناہ نہ کریں اور اپنے نفس کو اسی طہارت اور پاکی کی حالت میں محفوظ رکھیں۔ اس لیے کہ پہلے سے حفاظت، گناہ کو ترک کرنے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔ مناسب ہے کہ اس نکتہ کی طرف توجہ رکھیں کہ اگر گناہ کر بیٹھے اور برے اخلاق کو اپنا لیا تو شیطان کو اپنے نفس کی طرف راستہ دے دیا۔ اس کے بعد ان کے لیے گناہ کو ترک کرنا لازمی طور پر بہت زیادہ

مشکل ہوگا۔شیطان اور نفس امارہ کوشش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یا دومرتبہ گناہ کرنے کو اس کے لیے معمولی اور غیر اہم کرکے ظاہر کرے تا کہ اس وسیلہ سے وہ نفس میں داخل ہوجائے اور نفس کو گناہ کرنے کا عادی بنادے لہٰذا وہ انسان جو اپنی سعادت اور نیکی کا خیال کرتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ نفس کی خواہشات سے مقابلہ کے لیے برابر کوشش کرتا رہے اور گناہ کرنے سے اگر چہ وہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو، اپنے کو روکے رکھے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اپنے نفس کو برا کام کرنے یا بری بات کہنے کی کسی طرح اجازت نہ دو۔''(۱)

اور فرمایا: ''اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ حاصل کرو، اس سے پہلے کہ وہ طاقتور ہوجائے۔ کیونکہ اگر وہ طاقتور ہوگیا تو تم کو قید کرلے گا اور جس طرف چاہے گا گھسیٹے گا۔ایسی صورت میں تم اس سے مقابلہ نہیں کرپاؤگے۔''(۲)

اور فرمایا: ''عادت ایک ایسی دشمن ہے جو غالب ہوجاتی ہے۔''(۳)

اور فرمایا: ''انسان کے لیے عادتیں، اس کی دوسری طبیعت ہوجاتی ہیں۔''(۴)

اور فرمایا: ''اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ حاصل کرو۔اس طرح کہ جیسے دشمن، دشمن پر غلبہ حاصل کرتا ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرو، جیسے دشمن، دشمن سے جنگ کرتا ہے۔شاید اس وسیلہ سے اپنے نفس کو لگام دے سکو۔''(۵)

اور فرمایا: ''توبہ کرنے کے مقابلہ میں گناہ کو ترک کرنا زیادہ آسان ہے۔کیونکہ اکثر ایک لمحہ کی شہوت پرستی، لمبے رنج وغم کا باعث ہوجاتی ہے اور اس کے ظاہر ہونے اور رسوا ہونے کی وجہ سے دینا میں موت ہوجاتی ہے اور عقلمند کے لیے خوشی کو باقی نہیں چھوڑتی ہے۔''(۶)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''اپنے نفس کو ان چیزوں سے جو کہ تمہارے لیے نقصان دہ ہیں بچائے رکھو، اس سے پہلے کہ تمہارے بدن سے روح نکلے اور اپنے نفس کی آزادی کے لیے کوشش کرو، جس طرح تم اپنی زندگی کے اسباب کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہو، بیشک تمہارا نفس

۱۔غرر الحکم رج ۲رص ر۸۰۱ ۲۔غرر الحکم رص ر۵۱۱ ۳۔غرر الحکم رص ر۳۳
۴۔غرر الحکم رص ر۲۶ ۵۔غرر الحکم رص ر۵۰۹ ۶۔کافی رج ۲رص ر۴۵۱

تمہارے اعمال کا گروی ہے۔"(۱)

خداقرآن مجید میں فرماتا ہے: "جو شخص اپنے پروردگار کے مقام ومرتبہ سے ڈرتا ہے اوراپنے نفس کوخواہشات سے بچائے رکھتا ہے، بیشک اس کاٹھکانا جنت ہے۔"(۲)

بہرحال پہلے سے ہی حفاظت کا راستہ، تمام راستوں سے بہتر اور آسان ہوتا ہے اور انسان اس راستہ کے انتخاب، میں جتنی کوشش کرے گا، وہ اس کے لیے قیمتی ہوگی۔ ایسے جوانوں کو مبارک ہو کہ جو ابتدائے زندگی سے ہی اپنے نفس امارہ کو قابو میں رکھتے ہیں اور اس کو گناہ کی اجازت نہیں دیتے ہیں اور آخر عمر تک پاک وصاف رہتے ہوئے، اللہ کے راستہ پر قدم بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ قرب الٰہی کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔

۲۔ یکبارگی چھوڑ دینا

اگر پہلے سے حفاظت کا انتظام نہ کیا جائے اور نفس گناہ سے آلودہ ہو جائے تو پاک کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔ پاک کرنے کے عمل کو چند طریقوں سے شروع کرسکتے ہیں اور ان میں سے سب سے بہترین طریقہ اندرونی انقلاب اور بالکل گناہ کو چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ وہ انسان جو کہ گناہ اور برے اخلاق سے آلودہ ہو وہ ایک مرتبہ بارگاہ خدا میں توبہ واستغفار کرسکتا ہے۔ اپنے قلب کو گناہوں اور آلودگیوں سے دھوئے اور پاک وپاکیزہ ہوجائے اور ایک پکے ارادہ کے ساتھ شیطان کو اپنے قلب سے قطعی طور پر باہر نکال دے اور اس کے لئے دروازوں کو ہمیشہ کے لیے بند کردے۔ اپنے دل کو اللہ کے قریب ترین فرشتوں کے نازل ہونے اور انوار الٰہی کے لیے کھول دے۔ ایک حملہ میں شیطان اور نفس امارہ کو کچل دے اور نفس کی لگام کو مضبوطی کے ساتھ اور ہمیشہ کے لیے اپنے ہاتھ میں کرلے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے اسی وسیلہ سے اپنے نفس پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ اس کو یکبارگی تہذیب نفس اور خودسازی کی توفیق حاصل ہوئی ہے اور اپنی زندگی کے آخر تک اپنے عہد پر عمل کرتے رہے ہیں۔ یہ اندرونی انقلاب کبھی ایک چھوٹا سا جملہ، اخلاق کو پاک وپاکیزہ بنانے والے استاد کی

۱۔ کافی رج ۲ ر ص ۴۵۵
۲۔ سورۂ نازعات، ۴۰۔

ایک نصیحت ،اللہ کی ہدایت پائے ہوئے کا ایک اشارہ،ایک غیر معمولی حادثہ کے واقع ہونے ،دعااور ذکر کی ایک مجلس میں شرکت کرنے اور ایک آیت اور روایت کے سننے یا کچھ دیر کے لیے فکر کرنے سے انسان کو حاصل ہو جاتا ہے۔کبھی ایک چھوٹے سے حادثہ مثلاً ایک چنگاری قلب کو الٹ پلٹ اور روشن کر دیتی ہے ۔ایسے لوگ تھے کہ جنھوں نے اس وسیلہ سے اپنے نفس کو پاک و صاف کرنے کی توفیق پائی اور اللہ کے راستہ کو اختیار کرنے والے قرار پائے ۔نمونہ کے طور پر نیچے لکھی ہوئی داستانوں پر توجہ فرمایئے:

بشر حافی اللہ کے نیک بندوں،عبادت گذاروں اور زاہدوں میں تھے ان کے حالات میں لکھا ہے: پہلے وہ شرفا کی اولادوں میں ایک ایسی اولاد تھا جو دن رات عیاشی اور فسق و فجور میں مشغول رہتا تھا۔اس کا گھر،عیاشی ،شراب نوشی ،ناچ اور گانے کا مرکز تھا اور اس کی آواز باہر بھی سنی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں اس نے توبہ کر لی اور عابدوں اور زاہدوں کے راستہ پر آ گیا۔اس کی توبہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک روز اس کی کنیز کوڑے کا ظرف لیے ہوئے،گھر کے باہر آئی تا کہ اس کو خالی کر لے ۔اسی بیچ حضرت موسیٰ بن جعفرؑ اس کے دروازے کے سامنے سے گذرے اور ان کے کان میں گانے بجانے اور ناچنے کی آواز پہنچی ۔انھوں نے کنیز سے پوچھا:اس گھر کا مالک آزاد ہے یا غلام؟ کنیز نے کہا: آزاد اور آقا ہے ۔حضرتؑ نے فرمایا: ٹھیک کہتی ہو۔اس لیے کہ اگر غلام ہوتا تو اپنے آقا سے ڈرتا رہتا اور اس طرح سے معصیت میں گستاخ نہ ہوتا۔

کنیز گھر میں واپس ہوئی تو بُشر جو شراب کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا اس نے کنیز سے پوچھا: دیر میں کیوں آئی؟ کنیز نے نہ پہچاننے والے شخص کے سوال اور اپنے جواب کے واقعہ کو نقل کر دیا۔اس نے پوچھا: کہ اس شخص نے آخر میں کیا کہا؟ کنیز نے کہا: آخر میں اس شخص کا کہنا یہ تھا: تم نے ٹھیک کہا، ’’اگر گھر کا مالک آزاد نہ ہوتا تو اپنے آقا اور مولا سے ڈرتا اور گناہ میں اس طرح سے گستاخ نہ ہوتا۔‘‘

حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی یہ مختصر سی بات بُشر کے دل میں تیر کی طرح سے جا کر بیٹھ گئی اور آگ کے شعلوں کی طرح اس کے قلب کو نورانی و منقلب کر گئی ۔شراب کے دستر خوان کو چھوڑ دیا اور ننگے پیر باہر کی طرف دوڑا۔ یہاں تک کہ اس نے خود کو موسیٰ بن جعفرؑ تک پہنچا دیا اور عرض کیا: اے میرے آقا: میں اللہ اور آپ سے معافی مانگتا ہوں ،ہاں میں خدا کا بندہ تھا اور ہوں لیکن میں نے اپنی بندگی اور

غلامی کو بھلا دیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اس طرح کی گستاخانہ معصیت کی لیکن اب اپنی بندگی پر پلٹتا ہوں اور اپنے پچھلے اعمال سے توبہ کرتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ہاں خدا تمہاری توبہ کو قبول کرے گا۔ اپنے گناہوں سے باہر نکلو اور گناہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو۔

بُشر نے توبہ کی اور عابد و زاہد و اولیائے خدا کے راستہ پر آ گیا اور اس نعمت کے شکرانہ میں آخر عمر تک ننگے پیر چلتا رہا۔(۱)

ابوبصیر کہتے ہیں: ایک شخص جو ظالم بادشاہوں کا مددگار اور خدمت گذار تھا، میرے پڑوس میں رہتا تھا۔ اس نے بہت سارا مال حرام طریقے سے جمع کیا تھا اور اس کا گھر فساد، عیاشی، شراب نوشی، لہو و لعب اور رقص و غنا کا مرکز بنا ہوا تھا۔ میں اس کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے کافی رنج، تکلیف اور عذاب میں تھا اور میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے اس کو کئی بار نصیحت کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا آخر کار ایک روز میں نے اس سلسلہ میں زیادہ اصرار کیا تو اس نے مجھ سے کہا: اے فلاں! میں شیطان کا اسیر اور گرفتار ہوں۔ میں نے عیاشی، شراب نوشی اور گناہ کی عادت ڈال لی ہے اور میں اسے نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ میں بیمار ہوں لیکن میں خود اپنا علاج نہیں کر سکتا۔ تم ہمارے بہترین پڑوسی ہو لیکن میں تمہارا ایک برا ہمسایہ ہوں۔ میں کیا کروں میں تو ہویٰ و ہوس کا اسیر ہوں اور نجات کا راستہ نہیں پاتا ہوں۔ جب تم امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچنا، میرے حالات ان حضرتؑ سے بیان کر دینا، شاید وہ ہمارے لیے نجات کا راستہ نکال سکیں۔

ابوبصیر کہتے ہیں: اس شخص کی بات سے میں متأثر ہوا۔ میں نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ کچھ دن بعد کوفہ سے امام جعفر صادقؑ کی زیارت کے ارادہ سے مدینہ گیا۔ جس وقت امامؑ کی زیارت سے شرفیاب ہوا تو اپنے پڑوسی کے حالات اور اس کی باتوں کو ان حضرتؑ سے بیان کیا۔ آپؑ نے فرمایا: جب کوفہ واپس جانا اور وہ شخص تم سے ملاقات کو آئے تو اس سے کہنا: جعفرؑ بن محمدؑ نے فرمایا ہے: اُخْرُجْ مِمَّا اَنتَ فِيهِ وَ اَنَا اَضْمَنُ لَکَ الْجَنَّة ''تم جن حالات میں ہو اس سے باہر نکل آؤ، میں تمہاری جنت کا ضامن ہوں''، یعنی تم گناہوں سے اپنے ہاتھ کو روک لو تاکہ میں تمہارے لیے بہشت کا ضامن ہو جاؤں۔

۱۔ منتہی الآمال/ ج۲/ ص/ ۱۲۶۔

ابوبصیر کہتے ہیں اس کے بعد میں نے اپنے کاموں کو انجام دیا اور کوفہ کی طرف پلٹ آیا۔لوگ میری ملاقات کو آئے اور ان ہی میں میرا پڑوسی بھی ہم سے ملاقات کے لیے آیا۔اس نے میرے حالات پوچھنے کے بعد چاہا کہ باہر جائے۔میں نے اشارہ کیا،ٹھہرو، مجھے تم سے ایک کام ہے جب میرا گھر خالی ہوگیا۔میں نے کہا: میں نے تمہارے حالات حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کیئے تو آپ نے فرمایا: جب کوفہ واپس جانا میرا اسلام اس تک پہنچا دینا اور کہنا کہ تم ان حالات سے باہر نکل آؤ تو میں تمہاری جنت کا ضامن ہوں۔

امامؑ کا یہ مختصر سا پیغام سن کر وہ اتنا متاثر ہوا کہ رونے لگا۔اس کے بعد مجھ سے کہا: اے فلاں! تم کو خدا کی قسم جعفرؑ بن محمدؑ نے اسی طرح کہا ہے؟ میں نے قسم کھائی کہ مذکورہ پیغام، بعینہ امامؑ کی بات ہے۔اس نے کہا یہی بات میرے لیے کافی ہے۔یہ کہا اور گھر سے باہر چلا گیا۔اس کے بعد کئی دن تک اس کی ہمیں کوئی خبر نہیں ملی۔ایک دن اس نے ہمارے لیے پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ مجھے تم سے ایک کام ہے۔میں نے اس کی دعوت قبول کی اور میں اس کے دروازہ پر پہنچا۔اس نے مجھے دروازہ کے پیچھے سے آواز دی اور کہا: اے ابوبصیر! تمام حرام مال جس کو میں نے جمع کیا تھا وہ میں نے ان کے مالکوں کو واپس کر دیا، یہاں تک کہ میں نے اپنا لباس بھی دے دیا اور اس وقت میں برہنہ دروازہ کے پیچھے کھڑا ہوں۔ابوبصیر! میں نے امام جعفر صادقؑ کے حکم پر عمل کیا ہے اور تمام گناہوں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں پڑوسی کے توبہ کرنے اور گناہوں سے بچنے سے، بہت زیادہ خوش ہوا اور امامؑ کے کلام کی تاثیر سے متعجب ہوا۔میں اپنے گھر واپس آیا۔کچھ کپڑے اور تھوڑا کھانا لیا اور اس کو جا کر دیا۔کچھ دن بعد اس نے مجھے پھر بلایا۔میں اس کے گھر گیا اور دیکھا کہ وہ بیمار ہے۔وہ ایک مدت تک بیمار رہا اور میں برابر اس کی عیادت، مزاج پرسی اور تیمارداری کرتا رہا لیکن علاج اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوا۔یہاں تک کہ ایک روز اس کی حالت بہت خراب ہوگئی اور وہ حالت احتضار میں آ گیا۔میں اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا اور وہ مرنے کے قریب تھا۔اچانک وہ ہوش میں آیا اور کہا: اے ابوبصیر امام جعفر صادقؑ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔یہ کہا اور دنیا کو چھوڑ کر چل دیا۔

کچھ دن بعد میں سفر حج سے مشرف ہوا اور امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچا۔میرا ایک

پیر دالان میں اور دوسرا پیر گھر کے صحن میں تھا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے ابوبصیر! میں نے تمہارے پڑوسی سے جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا کر دیا۔ میں نے اس کے لیے جنت کی ضمانت لی تھی وہ اسے دے دی۔[۱]

اس طرح کے لوگ تھے اور ہیں کہ جو ایک پختہ ارادہ اور بہادری کے ساتھ اپنے نفس امارہ پر غالب آجاتے ہیں اور اس کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں اور ایک اندرونی انقلاب سے اس کو پاک وصاف کر لیتے ہیں اور برائیوں سے دور ہو جاتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ اس راستہ کو طے کرنا ہمارے لیے بھی ممکن ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''عادت کو چھوڑنے کے لیے اپنے نفس پر غلبہ حاصل کرو اور خواہشاتِ نفسانی اور ہویٰ و ہوس سے جہاد کرو شاید تم اپنے نفس کو اپنا قیدی بنا سکو۔''[۲]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''بہترین عبادت، اپنی عادتوں پر غلبہ کرنا ہوتا ہے۔''[۳]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''قیامت میں تین آنکھوں کے علاوہ ہر آنکھ رو رہی ہوگی:

۱۔ اس شخص کی آنکھ جو پوری رات خدا کی راہ میں بیدار رہی ہو۔

۲۔ وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روتی رہی ہو۔

۳۔ وہ آنکھ جس نے محرمات خدا سے اپنی آنکھ کو بند رکھا ہو۔''[۴]

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدا نے موسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی کہ کوئی بھی شخص محرمات سے پرہیز کئے بغیر میری قربت حاصل نہیں کر سکتا۔ یقیناً میں اس کے لیے بہشت کو مباح کر دوں گا اور کسی دوسرے کو وہاں راستہ نہیں دوں گا۔''[۵]

البتہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ نفس امارہ کو قابو میں کرنا اور پوری طرح سے گناہ چھوڑ دینا، آسان کام نہیں ہے لیکن اگر انسان متوجہ ہو، فکر کرتا ہو، انجام کو سوچتا ہو اور ہمت و ارادہ رکھتا ہو تو پھر یہ مشکل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسی صورت میں اللہ کی تائید بھی ہوگی۔ ''اور جو لوگ ہمارے راستے کے لیے جہاد کرتے ہیں ہم ان کی راستے میں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک اللہ نیک لوگوں کے ہی ساتھ ہے۔''[۶]

۱۔ منتہی الآمال رج ۲،ص ۸۶۔ ۲۔ غرر الحکم رص ۵۰۸ ۳۔ غرر الحکم رص ۱۷۶

۴۔ کافی رج ۲،ص ۸۰ ۵۔ کافی رج ۲،ص ۸۰ ۶۔ غرر الحکم رص ۶۹۰

۳۔ آہستہ آہستہ چھوڑنا:

اگر ہم اپنے اندر اتنی ہمت، طاقت اور توانائی نہیں رکھتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ میں تمام گناہوں کو چھوڑ دیں تو یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ ہم پکا ارادہ کرلیں کہ اس عمل کو دھیرے دھیرے انجام دیں۔ شروع میں ہم آزمائش کے طور پر ایک یا کچھ گناہ کو چھوڑنا شروع کریں اور اس کو اس طرح کی ہیشگی بخشیں تاکہ اس کے چھوڑنے پر ہم اپنے نفس پر کامیابی حاصل کرلیں اور اس کی تمام جڑوں کو کاٹ ڈالیں۔ پھر اس کے بعد اسی طرح کے عمل کو ایک یا دوسرے کئی گناہوں پر شروع کریں تاکہ ان پر بھی ہمیشہ کے لیے کامیابی حاصل کرلیں۔ اس حالت میں پوری طرح سے ہم اپنی حفاظت کریں کہ کہیں خدانخواستہ ان چھوڑے ہوئے گناہوں کو پھر سے شروع نہ کردیں۔ ظاہر ہے کہ گناہوں کے چھوڑنے سے نفس امارہ اور شیطان ضعیف و کمزور ہو جاتے ہیں اور جب کوئی شیطان باہر جاتا ہے تو اس کی جگہ پر فرشتہ پہنچ جاتا ہے اور جتنا گناہ کا سیاہ نقطہ دل سے مٹتا ہے، اسی مقدار میں اس کی نورانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ہم اسی طریقے سے گناہوں کے چھوڑنے کو برابر انجام دیں تاکہ پوری طرح سے نفس کو پاک وصاف کرلیں، پوری طرح سے کامیابی حاصل کرلیں اور اپنی نفسانی خواہشات پر پوری طرح سے قابو حاصل کرلیں۔ ممکن ہے کہ اسی دوران ہم اس درجہ تک پہنچ جائیں کہ ہم اپنے اندر تمام گناہوں کو ایک دم سے چھوڑ دینے کی قدرت و ہمت پاسکیں۔ ایسی صورت میں چاہئے کہ ہم اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ ایک مرتبہ تمام گناہوں کو چھوڑ دیں۔ شیطان کو باہر نکال دیں اور نفس امارہ پر قابو پالیں اور دل کو صرف خدا اور اس کے قریب ترین فرشتوں کے لیے مخصوص کردیں۔ اگر اس بارے میں ہم سعی و کوشش کریں تو یقینی طور پر کامیابی مل جائے گی۔ نفس کے ساتھ جہاد کرنا بالکل دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کی طرح ہے۔ مجاہد کو چاہئے کہ وہ دشمن پر پوری طرح نگاہ رکھے۔ اپنی طاقت کا دشمن کی طاقت سے موازنہ کرے اپنی طاقت کو بڑھائے اور موقع ملتے ہی ہر ممکن راستے سے دشمن پر پوری طرح سے حملہ کردے اور اس کے سپاہیوں کو ہلاک کرے یا دل سے باہر نکال دے۔

تہذیب نفس میں مددگار باتیں

ا۔غور وفکر:

نفس کو پاک کرنے میں ایک خاص رکاوٹ غفلت ہے۔اگر ہم دن رات دنیا کی زندگی میں لگے رہیں،اگر ہم موت کی یاد سے بھاگتے رہیں اور ہم ایک لمحہ بھی موت کے بارے میں سوچنے پر آمادہ نہ ہوں اور کبھی مرنے کا خیال آئے بھی تو فوراً اس سے پلٹ جائیں،اگر ہم برے اخلاق کے خطرناک نتائج سے غافل رہیں،اگر ہم گناہوں کی برائی اور آخرت کے عذاب کی فکر نہ کریں اور یہاں تک کہ قیامت پر ایمان ہماری روح میں نفوذ نہ کرے اور صرف ایک ذہنی مفہوم سے آگے نہ بڑھے تو ایسی حالت اور غفلت میں ہم اپنے نفس کو پاک وصاف رکھنے کا پختہ ارادہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اس نفس کو اس کی خواہشات میں کیسے قابو میں کر سکتے اور لگام دے سکتے ہیں؟ کیا ہم اتنی آسانی سے نفس امارہ کے ساتھ جنگ کر سکتے ہیں؟ غفلت،نفس کی بیماریوں میں سے خود ایک بہت بڑی بیماری ہے اور بہت ساری بیماریوں کو پیدا کرتی ہے۔اس درد کی دوا،غور وفکر،نتیجہ پر غور وخوض اور ایمان کی قوت کو مضبوط کرنا ہے۔انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس سے ہر وقت ہوشیار رہے۔موت کو کسی بھی وقت نہ بھولے۔نفسانی بیماریوں کے برے انجام،گناہوں کی سزا اور دوزخ کے سخت عذاب کو سوچتا رہے اور قیامت کے حساب وکتاب پر ہر وقت نگاہ رکھے۔ ایسی صورت میں تہذیب نفس کا پکا ارادہ کر سکتا ہے اور اپنے نفس کو برے اخلاق اور گناہوں سے پاک کر سکتا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:''جو شخص اپنے نفس کو ہمیشہ غور وفکر کرنے سے آباد رکھے گا اس کے

افعال ظاہر و باطن میں اچھے ہوں گے۔‘‘(۱)

۲۔تنبیہ وسزا:

نفس کو پاک کرنے اور گناہ کو چھوڑنے میں کامیابی کے لیے ہم تنبیہ،سزا اور جزا سے استفادہ کر سکتے ہیں۔شروع میں اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے،اسے ڈرائیں دھمکائیں کہ: میں نے پکا ارادہ کرلیا ہے کہ میں گناہوں کو چھوڑ دوں،اگر اس بات میں تم نے ہماری مدد نہیں کی اور گناہ کر بیٹھے تو تمہیں فلاں سزا دوں گا۔مثلاً اگر غیبت کی تو میں ایک دن روزہ رکھوں گا یا ایک ہفتہ تک میں صرف ضرورت بھر بات کروں گا۔یا اتنا روپیہ صدقہ دوں گا۔یا ایک روز پانی نہیں پیوں گا یا ایک وقت کی غذا سے محروم رکھوں گا یا کچھ گھنٹے تک گرمیوں میں تیز سورج کے نیچے بیٹھوں گا تا کہ دوزخ کی آگ کی گرمی کو بھلا نہ سکوں اور اسی طرح کی اور سزائیں۔

اس کے بعد پوری طرح سے اپنے نفس کی محافظت کریں تا کہ وہ غیبت نہ کرے اور جب بھی اس سے غیبت ہوجائے تو بغیر نرمی اور سستی کے نفس کے سامنے ڈٹ جائے گا اور اس کے لیے جو بھی سزا طے کی ہے،اسے لاگو کردے۔جب نفس امارہ احساس کرے کہ ہم نے گناہ کو چھوڑ دینے کا پکا ارادہ کرلیا ہے اور بغیر نرمی کے اس کو بدترین سزا دیں گے تو وہ خواہشات نفسانی کے مقابلہ میں شرعی باتوں کو ماننے میں سر جھکا دے گا۔

اگر ایک مدت تک بغیر چشم پوشی کئے اس طریقے پر چلتے رہے ہیں تو ہم شیطان کے راستوں کو بند کرسکتے ہیں اور اپنے نفس امارہ کو پوری طرح سے قابو میں رکھ سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ہم پکا ارادہ کرلیں اور بغیر کسی رعایت کے نفس کی تنبیہ کریں۔یہ بہت ہی تعجب کا مقام ہے کہ دنیاوی امور میں معمولی سی غلطی کرنے والے افراد کی ہم تنبیہ کرتے ہیں لیکن تہذیب نفس میں اس طریقہ کار سے فائدہ نہیں اٹھاتے جبکہ ہماری سعادت اور آخرت کی نجات اسی بات سے جڑی ہوئی ہے۔اللہ کے بہت سارے نیک اور برگزیدہ بندوں نے بھی اسی وسیلہ سے اپنے نفس کو پاک اور قابو میں رکھنے کی توفیق پائی ہے۔

۱۔غرر الحکم،ص ۲۳۷

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''نفس کو بندگی کرنے اور اس کی عادتوں کو ختم کرنے کے لیے بھوک ایک بہتر مددگار ہوتی ہے۔''(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے نفس کو ہمیشہ رضایت میں لگائے گا فائدہ اٹھائے گا۔''(۲)

ایک صحابی نے فرمایا ہے: گرمیوں کے سخت ترین دنوں میں ایک دن رسول خداؐ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران ایک آدمی آیا۔ اس نے اپنے لباس کو اتارا اور گرم ریت پر لیٹ گیا اور لوٹنا شروع کر دیا۔ کبھی اپنی پیٹھ کو گرم ریت کے ذریعہ گرمی پہنچاتا تھا اور کبھی اپنے پیٹ کو اور کبھی چہرے کو اور کہتا تھا کہ اے نفس امارہ اس ریت کی گرمی کو چکھ اور جان لے کہ جہنم کی آگ کی گرمی اس سے زیادہ شدید ہے۔

رسولؐ خدا نے اس منظر کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد مرد نے اپنا لباس پہنا، رسول اکرمؐ نے اشارہ کیا کہ میرے پاس آؤ۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؐ نے اس سے فرمایا: میں نے تم کو دیکھا تم نے ایک ایسا کام انجام دیا کہ کسی دوسرے نے ایسا کام انجام نہیں دیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! خدا کے ڈر اور خوف نے ہمیں یہ کام کرنے پر آمادہ کیا اور اپنے نفس سے کہا، اس گرمی کو چکھو اور جان لو کہ دوزخ کی آگ کی گرمی اس سے زیادہ شدید اور دردناک ہے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: واقعی تم خدا سے ڈرتے ہو اور خدائے متعال تمہارے اس عمل پر آسمان کے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ اس کے بعد اصحاب سے فرمایا: اس کے قریب جاؤ اور اسی سے یہ کہو کہ یہ تمہارے لیے دعا کرے۔ اصحاب اس کے نزدیک گئے اور دعا کرنے کے لئے کہا۔ اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ ہمارے امور کو ہدایت پر جمع کر، تقویٰ کو ہمارا زادِ راہ قرار دے اور جنت کو ہمارا ٹھکانا۔ (۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اپنے نفس کی تنبیہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو اور اس کو بہت سی بری عادتوں سے سختی سے دور رکھو۔''(۴)

۱۔ غرر الحکم ر ص ر ۳۷۷
۲۔ غرر الحکم ر ص ر ۶۴۷
۳۔ محجۃ البیضاء ر ج ر ۷، ص ر ۳۰۸۔
۴۔ غرر الحکم ر ص ر ۳۵۰

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''بندہ اور خدا کے بیچ نفس اور اس کی خواہشات سے زیادہ تاریک اور وحشت ناک پردہ نہیں ہوتا۔ اس کو ہٹانے اور دور کرنے کے لئے خدا کی طرف رجوع کا احساس اور اس کی طرف خضوع وخشوع، دن کی بھوک و پیاس اور رات میں بیداری سے بہتر کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اگر انسان اس حالت میں مرجائے تو دنیا سے شہید جائے گا اور اگر زندہ رہے تو وہ رضائے الٰہی حاصل کرلے گا۔ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں اور بے شک اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''(۱)

۳۔ خودشناسی کی طرف توجہ کرنا اور انسانی اقدار کو مضبوط بنانا:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کا نفس ایک بہت قیمتی موتی ہے جو حیات، علم، کمال، جمال، رحمت، احسان اور عطا و بخشش سے وجود میں آیا ہے اور فطری طور پر انہیں امور سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لیے اگر کوئی اپنے بلند مقام، گراں بہا وجود کی طرف توجہ رکھتا ہو تو وہ برے اخلاق اور گناہ کو اپنی شان کے خلاف سمجھے گا اور فطری طور پر ان سے بیزار رہے گا۔ جب وہ سمجھ جائے گا کہ وہ انسان ہے اور انسان ایک الٰہی روح ہے جو عالم بالا سے آئی ہے تو اس کی نظر میں خواہشاتِ نفسانی اور تمام حیوانی ہویٰ وہوس بے وقعت ہوں گی اور وہ اچھے اعمال کی طرف راغب ہوگا۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جو شخص بھی اپنے نفس کی عزت کرتا ہے، اس کے لیے خواہشاتِ نفسانی ناچیز اور بے وقعت ہو جاتی ہیں۔''(۲)

امام سجادؑ سے پوچھا گیا: ''بزرگ ترین شخص کون ہے؟ آپؑ نے فرمایا: جو شخص دنیا کو اپنے وجود کی قیمت قرار نہ دے۔''(۳)

اسی لیے اگر انسانی روح کی بزرگی، اس کے وجود کی اہمیت وفضیلت اور اس کے بلند مقام کی طرف توجہ کی جائیں تو یہ باتیں نفس کو برائیوں اور گناہوں سے پاک وصاف کرنے میں مددگار ہوں گی۔ اگر ہم اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ کہیں کہ تو پاک و پاکیزہ، علم، حیات، کمال، عطائے الٰہی،

۱۔ محجۃ البیضاء، ج۸، ص۱۷۰۔　۲۔ نہج البلاغہ، قصار۴۴۹
۳۔ تحف العقول، ص۲۸۵

احسان اور رحمت کے عالم سے وجود میں آیا ہے، تو اللہ کا خلیفہ ہے تو ایسا انسان ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والا اور اللہ سے قریب ہونے کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جانوروں سے بلند تر ہے اور تیری قیمت حیوانی خواہشات کی پیروی نہیں ہے تو ایسی صورت میں نفس کو پاک کرنے اور گناہوں کو چھوڑنے میں آسانی ہوگی۔

اسی طرح سے نفس کو ہر بری چیز سے پاک کرنے کے لیے، اس کی مخالف صفت کو قوی کرنا چاہئے اور اسے پروان چڑھانا چاہئے تا کہ بری صفت دھیرے دھیرے ختم ہو جائے اور اس کی جگہ نیک صفتیں پیدا ہو جائیں اور دھیرے دھیرے عادت کی صورت میں وہ اس کی دوسری طبیعت ہو جائے گی مثلاً اگر ہم کسی دوسرے سے حسد کرتے ہیں اور اس کی نعمت اور خوشی سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور اس کو برا بھلا کہتے ہیں، تکلیف پہنچاتے ہیں، اس کے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، توہین اور بے توجہی سے اپنے دل کو راضی رکھتے ہیں تو ایسی حالت میں ہمیں اس کی تعریف، توصیف، احترام، احسان، اس کے کام میں مدد اور بھلائی کی کوشش کرنی چاہئے۔ جب میرا برتاؤ حسد کے تقاضے کے خلاف ہوگا تو دھیرے دھیرے یہ بری خصلتیں ختم ہو جائیں گی اور اچھی صفتیں اس کی جگہ لے لیں گی۔

اگر ہم کنجوسی کی بیماری میں مبتلا ہیں تو مال کو جائز کاموں میں خرچ کرنے کے لیے اپنے نفس کو آمادہ کریں تا کہ آہستہ آہستہ کنجوسی کی بری عادت ختم ہو جائے اور انفاق و احسان کی صفت پیدا ہو جائے۔

اگر ہم اللہ کے واجب حقوق کو ادا کرنے میں کنجوسی کرتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ یقینی طور پر نفس کے مقابلہ میں کھڑے ہو جائیں اور اس کے مکر و فریب میں نہ آئیں اور اپنے مال سے واجب حقوق ادا کریں۔ اگر ہم مال کو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں تو اسے اپنے اوپر خرچ کریں تا کہ دھیرے دھیرے اس کے عادی بن جائیں۔ اگر کنجوسی کی بدولت ہم نیک کاموں میں شرکت نہیں کر سکتے تو چاہئے کہ ہر ممکن طریقے سے عمل خیر میں شریک ہوں۔ اپنے مال کا ایک حصہ خدا کی راہ میں اور غریبوں کی مدد میں خرچ کرتے رہیں تا کہ دھیرے دھیرے اس طرح کے کاموں کی مشق ہو جائے البتہ یہ کام شروع میں بے حد دشوار ہوگا لیکن اگر سچی لگن اور مستقل مزاجی سے آسان ہو جائے گا۔

مجموعی طور پر تہذیب نفس اور برے اخلاق سے مقابلہ کرنے کے لیے چاہئے کہ ہم دو کاموں کو انجام دیں: پہلا یہ کہ ہم بری عادتوں کے تقاضوں کا مثبت جواب نہ دیں تا کہ آہستہ آہستہ اس کی جڑیں خشک ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے مقابلہ میں نیک صفت کو قوی بنائیں اور اس پر عمل کرنے کے لیے اپنے نفس پر زور ڈالیں تا کہ آہستہ آہستہ نفس میں تبدیلی واقع ہو جائے اور پسندیدہ اخلاق اور اچھی عادتوں پر عبور حاصل ہو جائے اور برائیوں کی جڑیں خشک ہو جائیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اپنے نفس کو اچھے کاموں پر مجبور کرو کیونکہ تمہارے باطن میں برائیاں چھپی ہوئی ہیں۔''(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اپنے نفس کو اچھے کاموں کے انجام دینے اور نقصان کا بوجھ اٹھانے کا عادی بناؤ تا کہ تمہارا نفس شریف ہو جائے اور تمہاری آخرت آباد اور تمہاری تعریف کرنے والے زیادہ ہو جائیں۔''(۲)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''نفسانی خواہشات، قتل کر دینے والی بیماریاں ہیں اور اس کی بہترین دوا صبر کرنا اور ان سے دوری ہے۔''(۳)

۴۔ برے دوستوں سے قطع تعلق:

انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو دوسروں کے اثر کو قبول کرتا اور اس کی تقلید کرتا ہے۔ وہ بہت سے ایسے انسانوں کے صفات اور آداب کو قبول کرتا ہے جن سے اس کا ربط ہوتا ہے اور وہ ان ہی کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ بالخصوص دوستوں اور قریبی میل جول رکھنے والوں کے اثر کو زیادہ قبول کرتا ہے۔ فاسد اور بد اخلاق لوگوں سے دوستی، انسان کو خرابی اور بد اخلاقی کی طرف لے جاتی ہے اور صالح و نیک اور خوش اخلاق لوگوں کی دوستی، انسان کو اچھائی، نیکی اور خوبی کی طرف دعوت دیتی ہے۔ انسان کی خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو دوسروں جیسا بناتا ہے۔ اگر اس سے میل جول رکھنے والے بد اخلاق اور گناہگار ہوں تو وہ بھی برے اخلاق اور گناہ سے مانوس ہو جائے گا۔

۱۔ غرر الحکم، ج ۱، ص ۱۳۰ ۲۔ غرر الحکم، ص ۴۹۲ ۳۔ غرر الحکم، ص ۲۷

وہ صرف ان کی برائیوں کونہیں اپنائے گا بلکہ اس کی نگاہ میں ان کی وہ برائی اچھائی کی طرح ظاہر ہوگی۔اس کے برخلاف اگر اس کے ساتھ رہنے والے میل جول رکھنے والے اچھے اخلاق کے حامل ہوں تو وہ اچھے اخلاق اور بہترین کردار کا مالک بن جائے گا اور اس میں یہ رجحان پیدا ہو جائے گا کہ وہ اپنے کو ان ہی جیسا بنا لے۔اسی لیے اچھا دوست اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اور انسان کی ترقی اور سعادت میں دخیل ہے اور اسکے برخلاف، برا دوست اس کی تباہی اور بدبختی کی علامت ہے۔دوست کا انتخاب کوئی معمولی بات نہیں بلکہ یہ بہت ہی اہم اور قسمت ساز ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''مسلمان کونہیں چاہئے کہ وہ فاسق اور گناہگار شخص سے دوستی کرے کیونکہ گناہگار دوست برے کاموں کو بھی اچھا کر کے ظاہر کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اس کا دوست بھی ایسا ہی ہو جائے۔ برا دوست انسان کی نہ دنیا کے کاموں میں مدد کرتا ہے اور نہ ہی آخرت کے کاموں میں۔اس کے ساتھ میل جول، بے عزتی اور رسوائی کا سبب ہوتا ہے۔''(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ فاسق، بے وقوف اور جھوٹے لوگوں سے دوستی کرے۔''(۲)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''انسان اپنے دوست اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے کے دین پر ہوتا ہے۔''(۳)

حضرت امام علیؑ نے فرمایا: ''فاسقوں کی ہم نشینی سے پرہیز کرو کیونکہ شر، شر سے مل جاتا ہے۔''(۴)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''برے لوگوں سے بچو وہ آگ کے مانند ہیں کہ ان کی ہمنشینی تمہیں جلا دے گی۔''(۵)

حضرت امام علیؑ نے فرمایا: ''برے دوست کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بچو کیونکہ وہ اپنے ہمنشینوں کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور انھیں گمراہ کر دیتے ہیں۔''(۶)

۱۔کافی ج۲، ص۶۴۰ ۲۔کافی ج۲، ص۶۴۰ ۳۔کافی ج۲، ص۶۴۲

۴۔غرر الحکم ص۱۴۷ ۵۔غرر الحکم ص۱۴۷ ۶۔غرر الحکم ص۱۴۲

لہٰذا جو شخص اپنے نفس کو پاک رکھتا ہے۔ اگر اس کے برے دوست اور ہمنشین ہیں تو چاہئے کہ لازمی طور پر ان سے میل جول ختم کر دے کیونکہ برے دوستوں کی موجودگی میں گناہ کو چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ برا دوست، انسان کے نفس کو پاک رکھنے کے ارادہ کو سست کرتا ہے اور اس کو گناہ اور برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ کرنا، ایک عادت ہے اور اس کو چھوڑنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ تمام برے لوگوں کی ہمنشینی سے دوری اختیار کر لے۔

۵۔لغزش کے امکانی مواقع سے دور رہنا:

ہمیشہ کے لیے نفس کو پاک کرنا اور گناہ کو چھوڑنا آسان کام نہیں ہے بلکہ دشوار ہے۔ انسان ہمیشہ لغزش اور گناہ میں مبتلا رہتا ہے۔ نفس امارہ فطری طور پر برائیوں پر ابھارتا ہے۔ دل جو کہ بدن کا حاکم ہے ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، باہری حادثات سے متاثر ہوتا ہے اور اسی کے مطابق حکم دیتا ہے پھر وہ کن شرائط میں سکون پاتا ہے؟ کیا دیکھے اور کیا سنے؟ روحانی نشستوں، عبادتوں اور احسان کے مقامات پر انسان طبعی طور پر نیک کاموں کی طرف رجحان رکھتا ہے اور انسان فسق و فجور اور گناہ کی بزم میں طبعی طور پر گناہ کی طرف راغب ہوتا ہے۔ روحانی ماحول دیکھ کر، روحانیت کی طرف راغب ہوتا ہے اور شہوت انگیز مناظر دیکھ کر اس سے متاثر ہوتا ہے اور ویسا ہی قبول کرتا ہے۔ اگر عیاشی کی بزم میں حاضر ہوگا تو عیاشی کی طرف توجہ کرے گا اور اگر دعا کی مجلس میں شرکت کرے گا تو خدا کی طرف توجہ کرے گا۔ اگر دنیاداروں اور مال و متاع چاہنے والوں کے ساتھ بیٹھے گا تو وہ حیوانی لذتوں کی طرف کھنچے گا اور اگر وہ خدا کے نیک بندوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا تو وہ نیکی اور خوبی کی طرف بڑھے گا۔

لہٰذا وہ لوگ جو نفس کو پاک کرنے اور گناہ کو چھوڑنے پر آمادہ ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی آنکھوں اور کانوں کو شہوت انگیز مناظر، فساد، اللہ کی باتوں سے انحراف اور گناہ سے خود کو دور رکھیں۔ اس طرح کی مجلسوں میں شرکت نہ کریں۔ اس طرح کے لوگوں سے میل جول اور دوستی نہ رکھیں۔ ورنہ ہمیشہ خطا و لغزش اور گناہ میں پڑے رہیں گے۔ اسی وجہ سے اسلام نے انسان کو حرام نشستوں جیسے جوا، شراب اور تمام گناہ کی جگہوں پر شرکت سے منع کیا ہے۔ نامحرم پر نگاہ، نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا، ہاتھ ملانا، ہنسنا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے سے منع کیا ہے۔ شریعت

میں پردے کی سب سے بڑی حکمت یہی ہے۔اسلام چاہتا ہے کہ گناہ کو چھوڑنے اور نفس کو پاک کرنے کا ماحول پیدا ہو۔ورنہ نفس امارہ پر کنٹرول ناممکن ہوجائے گا کیونکہ برائی کا ماحول طبعی طور پر انسان کو برائی کی طرف کھینچتا ہے۔یہاں تک کہ ممکن ہے گناہ کی سوچ انسان کو گناہ کی دعوت دے لہٰذا اسلام ہم سے کہتا ہے کہ گناہ کیا خیال بھی اپنے دماغ میں نہ لاؤ۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:"جب آنکھ کسی شہوت انگیز منظر کو دیکھتی ہے،اس وقت دل نتیجہ سے بے خبر رہتا ہے۔"(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا:"کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہ کی فکر تمہیں گناہ کرنے پر آمادہ کردے۔"(۲)

۱۔غرر الحکم رص ر۳۱۵ ۲۔غرر الحکم رص ر۵۱۸

تمام برائیوں کی جڑ ''خود پسندی''

علمائے اخلاق نے خود پسندی کو'ام الفساد' تمام برائیوں اور گناہوں کی جڑ بتایا ہے اور تہذیب نفس کے لیے اس سے بہت زیادہ مقابلہ کرنا چاہیۓ۔ یہاں پر ہم 'خود پسندی' کے معنی بیان کریں گے۔ اس کے بعد اس صفت کے برے آثار کی تشریح کریں گے اور اس سے مقابلہ کے راستوں کو بتائیں گے۔ ایسی حالت میں ہمیں جاننا چاہیۓ کہ ہر زندہ موجود اپنی ذات، صفات، آثار، افعال اور کمالات سے لگاؤ رکھتی ہے یعنی فطری طور پر خود پسند ہے۔ اسی لیے خود پسندی کو مکمل طور سے ناپسند نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس کی شرح و وضاحت کی ضرورت ہے۔

ہم پہلے جان چکے ہیں کہ انسان دو طرح کا ''وجود'' دو ''خود'' یا دو ''میں'' رکھتا ہے: انسانی خودی اور حیوانی خودی۔

اس کی انسانی خودی یا روح الٰہی ہے جو کہ آسمان سے نازل ہوئی ہے تا کہ زمین پر اللہ کا خلیفہ بنے۔ اس اعتبار سے وہ علم، حیات، قدرت، رحمت، احسان، عطا و بخشش، کمال اور خوبی میں یکسانیت رکھتا ہے اور فطری طور پر ان تمام کمالات کا خواہاں ہے۔ اسی لیے انسان خود کو پہچانے اور اپنی قدر و منزلت کا اندازہ لگائے اور اسے باعزت بنائے رکھے تو وہ تمام کمالات اور خوبیوں کے سرچشمہ کے بہت نزدیک ہو جائے گا اور اس کے اندر سارے کمالات، اچھے اخلاق اور خوبیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ اسی وجہ سے خود پسندی کی اس قسم کو برا نہیں جاننا چاہیۓ بلکہ یہ اچھی اور قابل تعریف بات ہوگی کیونکہ یہ خود پسندی نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں یہ خدا خواہی اور للٰہیت ہے۔ جیسا کہ پہلے جان چکے ہیں اور آئندہ بھی اس بارے میں مزید بحث ہوگی۔

انسان کے وجود کا دوسرا پہلو اس کی حیوانیت ہے۔ اس اعتبار سے وہ بالکل حیوان جیسا ہے

اوراس کی تمام خواہشات بھی حیوانی ہیں۔انسان کواس دنیا میں زندہ رہنے اور زندگی بسر کرنے کے لیے چاہئے کہ اپنی حیوانی خواہشات کومعقول حدتک پورا کرے۔اس کے لئے بھی کوئی ممانعت اور بندش نہیں ہے لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ بدن کی حکومت انسان کی عقل اور آسمانی روح کے اختیار میں ہونی چاہئے یا نفس امارہ اوراس کی خودی حیوانی خودی کے اختیار میں ہے۔

اگر عقل اورانسانی خودی حاکم ہوگی تو وہ حیوانی نفس اوراس کی خواہشات کو اعتدال میں رکھے گی اورسب کو انسانی فضائل اور مکارِم اخلاق، سیر وسلوک کو بلندی پر اللہ سے قریب کرے گی۔ایسی صورت میں انسانی خودی اللہ سے وابستہ اور یہی اس کی بنیاد ہوگی اور فضائل ،مکارِم اخلاق،کمال اوراللہ کے قریب ہونا،اس کا مقصد ہوگا اورحیوانی خواہشات کو پورا کرنا،اس کی پیروی اوراس کا لحاظ وخیال رکھنا ہوگا۔اس لحاظ سے خود پسندی اوراپنے کو باعزت بنانا اوراپنی ذات سے دوستی،صرف مذموم ہی نہیں ہے بلکہ قابل تعریف بھی ہے۔

لیکن اگر نفس امارہ اورحیوانی خودی بدن پر حاکمیت پاگئی تو وہ عقل اورانسانی خودی پر غالب آجائے گی اور عقل کو گوشہ نشین کردے گی اور پوری طرح سے بدن پر غالب آجائے گی ایسی صورت میں انسان رفتہ رفتہ خدا اور انسانی کمالات سے دور ہو جائے گا اورحیوانیت کی اندھیری وادی میں جا گرے گا اور واقعی خودی یعنی اپنی انسانیت کو بھول جائے گا اورحیوانیت کوخودی کی جگہ پر بٹھائے گا۔ یہی ہیں خودخواہی کے برے معنی جوتمام برائیوں کی جڑ ہیں۔

خود پسندانسان،صرف اپنے 'خود حیوانی' کو چاہتا ہے اوربس۔تمام حرکات، افعال،کردار اوراس کی گفتار کا مرکز،اس کی سبھی حیوانی خواہشات اورمیلانات ہوتے ہیں۔وہ عملی طور پر اپنے کو ایک حیوان جانتا ہے اور زندگی میں صرف حیوانی خواہشات اورہوس کے سواکسی کو اپنا ہدف نہیں سمجھتا ہے۔حیوان کے پست ترین ہدف کی طرف میلان کے لیے وہ اپنے کوآزاد جانتا ہے اوروہ ہر عمل کی توجیہ پیش کرتا اوراس کو جائز قرار دیتا ہے۔صرف ایک چیز اس کے لیے مقدس اوربنیادی ہوتی ہے اور وہ اس کی حیوانی خودی ہے۔تمام چیزیں یہاں تک کہ حق اورانصاف کو وہ صرف اپنے لیے ہی چاہتا ہے اوربس۔وہ ایسے حق اورانصاف کو چاہتا ہے جواس کے لیے فائدہ مند ہوں اوراس کی خواہشات کو پورا کریں اوراگر وہ نقصان دہ ہوں تو ایسے انصاف کو نہیں چاہتا بلکہ وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس کا مقابلہ

کرے۔ یہاں تک کہ وہ احکام اور قوانین کی اپنے نفس کی پسند کے مطابق تاویل وتوجیہ پیش کرتا ہے یعنی اپنی فکر اور راستے کو اس کی بنیاد قرار دیتا ہے اور دین کے احکام وقوانین کو اس پر نافذ کرتا ہے۔

خود پسند آدمی جب مکارِم اخلاق، فضائل اور کمالات سے محروم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو چھوٹے کاموں، وہمی اور بیہودہ باتوں مثلاً شہرت طلبی، مقام و منصب طلبی، حرص و لالچ، غرور وحکومت، کھانا پینا، سونا اور جنسی لذتوں وغیرہ میں مشغول اور سرگرم رکھتا ہے اور خدا کی یاد اور نفس کو پروان چڑھانے اور نفس کو کمال تک پہنچانے سے غافل ہو جاتا ہے۔

خود پسند آدمی چونکہ نفسِ امارہ پر فریفتہ اور اس کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے اس لئے زندگی میں صرف نفس کی خواہشات کو پورا کرنے اور اس کی رضایت کی تکمیل کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا ہے۔ ان حیوانی غرض تک پہنچنے کیلئے وہ کسی بھی برے عمل کے انجام دینے سے نہیں ڈرتا ہے اور ہر برے کام کو جائز سمجھ کر انجام دیتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ حیوانی ہدف تک پہنچ جائے۔ اور ہدف تک پہنچنے کے وہ ظلم کرنے، جھوٹ بولنے، تہمت لگانے، وعدہ خلافی کرنے، دھوکا دینے، خیانت کرنے اور تمام دوسرے گناہوں سے باز نہیں آتا ہے۔ اسی لیے خود پسندی ہر برائی کی جڑ ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں ہر گناہ، خود پسندی کی ایک قسم ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ مثلاً ظلم وستم کرنا اور دوسروں کے حقوق چھیننا، خود پسندی کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اسی طرح جھوٹ، غیبت، برا بھلا کہنا، عیب جوئی، حسد وکینہ، انتقام لینا یہ سب برائیاں خود پسندی کی وجہ سے ہیں جو اس صورت میں ظاہر ہوئی ہیں۔ اسی لئے خود پسندی کو تمام گناہوں کی جڑ مانا گیا ہے۔

خود پسندی کے کئی مرتبے اور درجے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا مرتبہ خود پرستی تک پہنچتا ہے۔ اگر اس بری صفت سے مقابلہ نہیں کیا گیا تو رفتہ رفتہ جڑ پکڑ لے گی اور اس حد تک پہنچ جائے گی کہ وہ نفسِ امارہ کو اپنا معبود اور واجب الاطاعت سمجھ بیٹھی گی اور عبادت کی حد تک اس کی فرمانبردار ہو جائے گی۔ خدا ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟[1]

۱۔ سورۂ فرقان، ۴۳

کیا عبادت کے اس کے علاوہ کوئی اور معنی ہیں کہ عابد خدا کے سامنے تواضع و انکساری کرتا ہے اور بغیر چون و چرا کے اس کے حکم کو بجالاتا ہے؟ خود پسند آدمی بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ وہ اپنے نفس کو واجب الاطاعت جانتا ہے۔ اور اس کے سامنے تواضع وانکساری کرتا ہے اور بغیر چون و چرا کے اس کے احکام کو قبول کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے خود پسند آدمی ایک اچھا خدا پرست نہیں ہوسکتا۔

دنیا کی چاہت ساری برائیوں کی جڑ

آیات الٰہی اور روایات ائمہؑ میں دنیا کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اسے کھیل کود اور متاع غرور کہا گیا ہے کہ اس میں مشغول رہنا مؤمنین کی شان نہیں ہے بہر حال اس سے دوری کرنی چاہئے۔ نمونہ کے طور پر:

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''دنیا کی زندگی، دھوکا دینے والے سرمایہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے۔''(۱)

نیز فرماتا ہے: ''دنیا کھیل کود اور خواہشات کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے، آخرت کا گھر نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے۔ عقل اور غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے؟''(۲)

نیز فرماتا ہے: ''جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل کود، خواہشات نفسانی، بناؤ سنگار، فخر و مباہات، مال اور اولاد کی افزائش کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس کی مثال بارش جیسی ہے کہ جس کی قوت نامیہ کسان کو خوش کر دے اس کے بعد وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے اور لوگوں کو تعجب میں ڈالتی ہے۔ اس کے بعد تم دیکھو گے کہ وہ سرخ، خشک اور سوکھ کر خراب ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت ترین عذاب میں پڑ جاتی ہے۔''(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں۔ کیونکہ دنیا شیریں اور حسین دکھائی دیتی ہے، خواہشات اور ہویٰ و ہوس سے ملی ہوئی ہے، خود کو قریب ترین چیزوں اور تیزی سے گذر جانے والی چیزوں سے محبوب بناتی ہے اور معمولی باتوں سے حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ آرزوؤں اور دھوکوں سے خود کو سجاتی ہے۔ اس کی خوشیوں کو دوام نہیں ہے اور اس کی مصیبتوں اور سختیوں سے امان نہیں ہے۔

۱۔ سورۂ آل عمران، ۱۸۵ ۲۔ سورۂ انعام، ۳۲ ۳۔ سورۂ حدید، ۲۰

یہ بہت زیادہ دھوکا دینے والی، نقصان پہنچانے والی، تبدیل ہونے والی، گراوٹ لانے والی، مٹ جانے والی، ہلاک ہوجانے والی اور انسانوں کو ہلاک کردینے والی ہوتی ہے۔"(۱)

آنحضرتؑ نے یہ بھی فرمایا: "دنیا آرزوؤں کا گھر ہے جو فنا ہوجائے گی لہٰذا اس میں رہنے والوں کو چاہئے کہ اس جگہ سے کوچ کریں۔ یہ دنیا اپنے آپ کو دلکش اور خوشنما ظاہر کرتی ہے جو اپنے چاہنے والوں کی طرف بہت تیزی سے بڑھتی ہے اور اس سے لگاؤ رکھنے والوں کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔"(۲)

ایسی بہت سی آیات و روایات موجود ہیں جو دنیا کی مذمت کرتی اور لوگوں کو اس سے ڈراتی ہیں۔ بالخصوص عظیم الشان کتاب نہج البلاغہ میں دنیا اور اہل دنیا کی بہت زیادہ مذمت وارد ہوئی ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ دنیا کو چھوڑیں اور آخرت کی فکر کریں۔ ہم لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: اہل دنیا اور اہل آخرت۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک معین اور مخصوص طریقۂ کار ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے: اور جو دنیا ہی میں بدلہ چاہے گا ہم اسے وہ دیں گے اور جو آخرت کا ثواب چاہے گا ہم اسے اس میں سے عطا کردیں گے۔ (۳)

نیز فرمایا: مال اور اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہیں اور باقی رہ جانے والی نیکیاں پروردگار کے نزدیک ثواب اور امید دونوں کے اعتبار سے بہتر ہیں۔ (۴)

دنیا کیا ہے؟

بہرحال اسلام دنیا کو مذموم قرار دیتا ہے اور اس سے بے توجہی کا طلبگار ہے۔ اب ہم یہاں پر واضح کرتے ہیں کہ دنیا کیا ہے اور کیونکر اس سے دوری اختیار کی جائے؟ کیا دنیا اس کائنات کی تمام مخلوقات کا نام ہے جیسے زمین، سورج، ستارے، حیوانات، پودے، درخت، خزانے اور تمام انسان؟ اس کے مقابلہ میں آخرت اور عقبیٰ یعنی دوسرا عالم ہے۔ اسی لئے دنیاوی زندگی سے مراد وہ دنیا ہے جس میں زندگی بسر کرنا، کام کرنا، کھانا پینا، آرام کرنا، شادی کرنا وغیرہ ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۱۱　　۲۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۴۵

۳۔ سورۂ آل عمران، ۱۴۵　　۴۔ سورۂ کہف، ۴۶۔

فقط ایسا نہیں ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ کی ہی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اگر یہ بری ہوتیں تو خدا انہیں پیدا ہی نہ کرتا۔ خدا نے ان تمام چیزوں کو اپنی بہترین نعمت قرار دیا ہے اور ان چیزوں کو انسانوں کے لئے بنایا ہے تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائے۔ مال و دولت نہ یہ کہ قابل مذمت نہیں ہے بلکہ قرآن میں اسے لفظ ''خیر'' کے نام سے پہچنوایا ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: اِنْ تَرَکَ خَیراً اَلْوَصِیَّۃَ لِلْوَالِدِینَ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ''جب تم مال و دولت چھوڑو تو والدین اور قرابتداروں کے درمیان وصیت کردو۔''(۱)

کوشش، کام اور حلال روزی حاصل کرنے کی مذمت نہیں کی گئی ہے بلکہ دسیوں روایتوں میں اسے بہترین عبادتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر:

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''عبادت کے ستر جزء ہیں۔ ان میں سب سے افضل، حلال روزی کمانا ہے۔''(۲)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا میں روزی حاصل کرے تاکہ لوگوں سے بے نیاز ہو جائے اور اپنے اہل و عیال کی روزی میں اضافہ کرے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے وہ قیامت میں خدا سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح سے چمکتا ہوگا۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے اہل و عیال کی روزی حاصل کرنے کے لیے جستجو کرے وہ اس شخص کی طرح ہے کہ جو خدا کی راہ میں جہاد کرے۔''(۴)

روایتوں میں کسب معاش جیسے کھیتی باڑی، باغبانی، تجارت اور یہاں تک کہ نکاح کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ تمام پیغمبرؑ اور ائمہ اطہارؑ بھی اسی طرح کام کرتے تھے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ تمام زاہدوں کے سردار ہونے کے بعد بھی محنت مزدوری کرتے تھے۔ پس مذموم اور ناپسندیدہ دنیا کیا ہے؟

بعض علماء کہتے ہیں: دنیا مذمت کے قابل نہیں ہے بلکہ دنیا سے لگاؤ قابل مذمت ہے۔ بعض آیات اور روایات میں بھی دنیا سے لگاؤ کی مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

۱۔ سورۂ بقرہ، ۱۸۰
۲۔ کافی / ج / ۵، ص / ۷۸
۳۔ کافی / ج / ۵، ص / ۸۸
۴۔ کافی / ج / ۵، ص / ۸۸

''نفسانی خواہشات سے لگاؤ یعنی عورتوں، اولادوں، سونے اور چاندی کی تھیلیوں، اچھے گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتیوں نے لوگوں کے لیے آرائش کر رکھی ہے۔ یہ دنیاوی زندگی کی دولت ہے لیکن نیک کاموں کا بدلہ خدا کے نزدیک ہے۔''(۱)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''خبردار دنیا کو دوست نہ رکھو کیونکہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ اور ہر بلا کا سرچشمہ ہے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت ساری برائیوں کی جڑ ہے۔''(۳)

اس طرح کی آیات واحادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی امور پر فریفتگی اور دلدادگی مذموم ہے خود وہ امور بری چیز نہیں ہیں۔

یہاں پھر یہ بات سامنے آتی ہے کہ کیا صرف دنیا کے کاموں سے لگاؤ اور محبت مذمت کے قابل ہے؟ اور انسان کو نہیں چاہئے کہ وہ عورت، اولاد، گھر، مال اور خوراک سے لگاؤ رکھے؟ کیا یہی اس کا مطلب ہے؟ جب کہ ان تمام کاموں سے لگاؤ، فطری عمل ہے اور خدا نے انسان کو اسی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ مگر کیا انسان یہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنی عورت اور اولاد کو دوست نہ رکھے؟ کیا وہ یہ کر سکتا ہے کہ خوراک، پوشاک اور اس دنیا کی خوش نمائی کو دوست نہ رکھے؟ اگر ان کاموں سے محبت کرنا، قابل مذمت ہوتا تو خدا انسان کو اس فطرت پر پیدا ہی نہ کرتا۔ انسان زندہ رہنے کے لیے ان چیزوں کا محتاج ہے اور اسی طرح پیدا کیا گیا ہے کہ فطری طور پر ان چیزوں کی طرف مائل ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''لوگ دنیا کی اولاد ہیں اور کسی شخص کو اپنی ماں سے محبت پر ملامت نہیں کی جاتی۔''(۴)

روایات میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اپنی بیویوں اور اولاد سے محبت کرو۔ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ بھی اپنی بیویوں اور اولاد سے محبت رکھتے تھے۔ کچھ غذاؤں کو پسند کرتے تھے اور ان کی پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ اسی لیے زمین، آسمان، پودے، پیڑ، معدنیات، جانور اور اللہ کی تمام نعمتیں عورت، اولاد اور مال و دولت قابل مذمت اور برے نہیں ہیں۔ نہ ہی ان سے محبت اور لگاؤ

۱۔ سورۂ آل عمران، ۱۴
۲۔ غرر الحکم، ص ۱۵۰
۳۔ بحار الانوار، ج ۳، ص ۷
۴۔ نہج البلاغہ، قصار ۳۳

اور نہ ہی دنیاوی زندگی بلکہ بعض روایات میں دنیا کی تعریف بھی وارد ہوئی ہے۔

امیر المومنینؑ نے ایک ایسے شخص کے جواب میں جو دنیا کی مذمت کر رہا تھا فرمایا: ''دنیا ایسے شخص کے لیے سچا اور سیدھا گھر ہے جو اس کی تصدیق کرے اور امن وسلامتی کا گھر ہے ایسے شخص کے لیے جو اس کی حقیقت کو پہچانے اور اس شخص کے لیے مالا مال ہونے کا گھر ہے جو اس سے آخرت کا زادِ راہ حاصل کرے۔ ایسے شخص کے لیے نصیحت کا گھر ہے کہ جو اس سے نصیحت لے۔ دنیا خدا کے دوستوں کے لیے مسجد، اللہ کے فرشتوں کے لیے نماز کا مقام، وحی یعنی پیغامِ الٰہی کے نیچے آنے کی جگہ اور خدا کے اولیاء کے لیے تجارت کا محل ہے۔ ایسے ہی لوگ دنیا میں اللہ کے فضل وکرم اور رحمت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور فائدہ میں بہشت حاصل کرتے ہیں۔''(۱)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''دنیا آخرت کے لیے بہترین مددگار ہے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص حلال مال حاصل کرنے کو پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنی آبرو وعزت کی حفاظت کرے، اپنے قرض کو ادا کرے اور صلۂ رحم، قرابت داروں پر مہربانی وبخشش بجالائے تو وہ نیکی اور اچھائی کا وجود نہیں رکھتا ہے۔''(۳)

پھر مذمت کے قابل دنیا کیا ہے؟ اور دنیا سے لگاؤ ومحبت کیا ہے؟ کہ جسے تمام گناہوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے کون ہے اور کیا ہے؟

میں نے ان تمام آیات وروایات سے اس طرح فائدہ اٹھایا ہے کہ دنیا حاصل کرنا، دنیاداری اور دنیا کو دل دینا، قابل مذمت ہے نہ کہ دنیا کے موجودات، دنیا کی زندگی، اور صرف دنیا کے کاموں سے لگاؤ۔ اسلام لوگوں سے چاہتا ہے کہ دنیا جس طرح ہے اسے ویسے ہی پہچانے اور اس کی اسی مقدار میں قدر کرے، زیادہ نہیں۔ اپنے اور دنیا کے پیدا ہونے کی غرض کو پہچانے اور ٹھیک راستے پر چلے۔ اگر اس طرح زندگی بسر کریں گے تو اہل آخرت میں ان کا شمار ہوگا اور اگر ان کی رفتار وکردار اس غرض کے خلاف ہوگی تو اہل دنیا میں شمار کئے جائیں گے۔

۱۔ نہج البلاغہ رکلمات قصار ر۱۳۰ ۲۔ بحار رج ر۷۳، ص ر۱۲۷

۳۔ کافی رج ر۵، ص ر۷۲

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اے لوگو! دنیا گذرگاہ اور آخرت باقی رہنے کی جگہ ہے لہٰذا گذرنے والی جگہ سے آخرت کے لیے زادِراہ اکٹھا کرو اور اپنے رازوں کو ایسے شخص کے نزدیک جو تمہارے رازوں سے آگاہ ہے چاک نہ کرو۔ اپنے قلوب کو دنیا سے نکال لو۔ اس سے پہلے کہ تمہارے بدن اس دنیا سے نکل جائیں۔ دنیا میں تم آزمائش کے لیے آئے ہو اور تم اس دنیا کے علاوہ آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔ جس وقت انسان مرجاتا ہے، لوگ کہتے ہیں: کیا باقی چھوڑا ہے اور ملائکہ کہتے ہیں: کیا پہلے سے بھیجا ہے؟ خدا تمہارے باپ پر رحمت نازل کرے، اپنے مال میں سے تھوڑا سا پہلے بھیجو تا کہ خدا کے نزدیک، قرض کی صورت میں باقی رہے اور سب مال کو باقی نہ چھوڑو تا کہ واجبی حقوق تمہاری گردن پر رہیں۔''(۱)

یہ بھی امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''خبردار کہ: اس دنیا سے جس کی تم آرزو رکھتے ہو اور جس سے تم لگاؤ رکھتے ہو، کبھی تم کو غصہ میں لاتی ہے اور کبھی خوش کرتی ہے۔ یہ نہ تمہارا گھر ہے اور نہ ٹھہرنے کی جگہ کہ جس کے لیے تم پیدا کئے گئے ہو اور نہ ایسی جگہ ہے کہ جس کی طرف تمہیں دعوت دی گئی ہے۔ جان لو کہ دنیا نہ تمہارے لیے ہمیشہ باقی رہے گی اور نہ ہی تم اس دنیا میں ہمیشہ باقی رہو گے۔ اگر چہ یہ دنیا اپنی خوبصورتی کے ذریعہ تم کو دھوکا دیتی ہے لیکن شر اور برائیوں سے بھی تم کو ڈراتی ہے لہٰذا اس کے خوف سے اس کے غرور سے بھی ہاتھ کھینچ لو اور اس کی لالچ سے بھی ہاتھ کھینچ لو اور جس گھر کی طرف تمہیں دعوت دی گئی ہے، جلدی کرو اور اپنے دلوں کو دنیا سے موڑ لو۔''(۲)

جیسا کہ آپ نے دیکھا، ان احادیث میں دنیا کی حقیقت کو کس طرح پہچنوایا گیا ہے کہ یہ مٹنے والی، ختم ہونے والی اور گذرگاہ ہے۔ یہ گذرنے والا گھر ہے۔ غرور، دھوکا اور چالبازی کا گھر ہے۔ انسان اس جگہ کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے بلکہ آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان اس دنیا میں آیا ہے تا کہ علم و عمل سے انسانیت کی تربیت کرے اور آخرت کے لیے زادِراہ اکٹھا کرے۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ/۲۰۳
۲۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۷۳

اہل آخرت

اسلام لوگوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا کو اس طرح پہچانے کہ جیسے وہ ہے اور اپنے اعمال رفتار کو اسی کے مطابق بجالائے جو لوگ دنیا کو اس طرح سے پہچانتے ہیں وہ اس کو دل دینے والے اور اس پر فریفتہ نہیں ہوتے ہیں وہ اس کے زر و جواہر کا فریب نہیں کھاتے ہیں اور وہ جس حال میں اس دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں، وہ شرعی طور پر نعمتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ ان کے قیدی اور غلام نہیں ہوتے، وہ خدا اور آخرت کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے وہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ نیک عمل کے ذریعہ آخرت کے لیے زادِ راہ فراہم کریں، وہ اس دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن اپنے دل کی آنکھ سے آسمان سے اوپر نگاہ رکھتے ہیں، وہ ہر لحہ، ہر حال میں اور ہر عمل میں خدا اور آخرت کو نگاہ میں رکھتے ہیں اور اس سے آخرت کا فائدہ اٹھاتے ہیں وہ دنیا کو کھیتی کی جگہ اور تجارت کا مقام جانتے ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ آخرت کے مکان کے لیے زادِ راہ حاصل کریں۔ یہاں تک کہ کام کرنے، کھانے، پینے، نکاح اور تمام دنیاوی کاموں سے بھی آخرت کے لیے فائدہ اٹھاتے ہیں۔اس طرح کے لوگ دنیا والے نہیں ہیں بلکہ آخرت والے ہیں۔

ابن ابی یعفور کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: میں دنیا کو دوست رکھتا ہوں۔آپؑ نے فرمایا: دنیا کے مال سے کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اس کے وسیلہ سے شادی کرتا ہوں، حج پر جاتا ہوں، اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہوں، اپنے بھائیوں کی مدد کرتا ہوں اور خدا کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں۔آپؑ نے فرمایا: ''یہ دنیا نہیں ہے، یہ آخرت ہے۔'' (۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اے خدا کے بندو! آگاہ رہو کہ پرہیز گار لوگ دنیا کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور آخرت کا فائدہ بھی لہٰذا وہ اہلِ دنیا کے ساتھ دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے میں شریک ہوتے ہیں لیکن اہلِ دنیا، آخرت میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔انھوں نے دنیا میں بہترین طریقے سے زندگی بسر کی اور کھانے والی چیزوں سے بہترین طریقے سے استفادہ کیا۔انھوں نے دنیا

۱۔ بحار الانوار رج ۷۳، ص ۱۰۶

سے وہی فائدے اٹھائے کہ جیسے اچھی زندگی گذارنے والوں نے اٹھائے اور وہ سبھی فائدے اٹھائے جو ظالموں اورغرور کرنے والوں نے اٹھائے۔اس کے بعد پورے توشۂ آخرت اورتجارت کے مقام سے فائدہ اٹھانے کے بعد آخرت کی طرف منتقل ہو گئے۔دنیا سے زہد کی لذت کی طرف مائل ہوئے اور یقین رکھتے تھے کہ آخرت میں بھی اللہ کے لطف وکرم کے جوار میں زندگی بسر کریں گے۔اس طرح کہ ان کی ایک بھی خواہش رد نہیں ہوگی اور لذت اور خوشی سے ان کا فائدہ کم اور ناقص نہیں ہوگا۔''(۱)

اسی وجہ سے مال حاصل کرنا،کام،صنعت،تجارت،کھیتی میں مشغول رہنا اور مقام،منصب اور اجتماعی ذمہ داری کو قبول کرنا، زاہد اور اہلِ آخرت ہونے کے لئے نامناسب نہیں ہے۔ بلکہ یہی سب آخرت کے راستے میں اور خدا کی مرضی حاصل کرنے میں بھی معاون قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ امیرالمومنینؑ جوان تمام تلاش اور کوششوں کو کسب مال اور کام میں لگاتے تھے،اس حالت میں کہ وہ زاہدترین لوگوں میں تھے اور انہیں حالات میں وہ لوگوں پر حکومت کرتے رات کو محراب عبادت میں روتے اور فرماتے:

''اے دنیا!اے دنیا!مجھ سے دور ہوجا۔کیا مجھے فریب دینے کے لیے،خودکو پیش کرتی ہے اور مجھ سے لگاؤ کا اظہار کرتی ہے؟!یہ تیرا وقت نہیں ہے۔افسوس!دوسرے کو دھوکا دے کہ مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہیں کہ جس کے بعد رجوع نہیں کیا جاسکتا لہٰذا تمہاری زندگی کم تمہاری قیمت معمولی اور تمہاری آرزو کچھ نہیں ہے۔آہ!زادِراہ کم، راستہ لمبا،سفر دور اور منزل عظیم ہے۔''(۲)

اور دوسری جگہ فرمایا:''اے دنیا!مجھ سے دور ہوجا کہ میں نے تمہاری لگام تمہاری گردن پر ڈال دی ہے اور تمہیں آزاد کردیا ہے۔میں تمہارے چنگل سے نکل چکا ہوں اور تمہارے جال سے بھاگ گیا ہوں اور تمہاری لغزشوں کی جگہ سے دور ہو چکا ہوں۔''(۳)

حضرت امیرؑ،اس حالت میں کہ جب سپاہیوں کے ایک لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے آمادہ

۱۔نہج البلاغہ/نامہ/۲۷
۲۔نہج البلاغہ/کلمات قصار/۷۷
۳۔نہج البلاغہ/نامہ/۴۵

تھے اپنی پرانی اور بے قیمت جوتی ابن عباس کو دکھائی اور فرمایا: ''خدا کی قسم یہ پرانی جوتی میری نظر میں حکومت سے زیادہ محبوب ہے مگر حق یہ ہے کہ ہم اس کو پیر میں رکھیں یا باطل کے سامنے نکالیں۔''(۱)

اللہ کے خاص بندے بھی اسی طرح کے تھے اور ہیں۔ اس دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں لیکن عالمِ بالا کو دیکھتے ہیں اور آخرت والے ہیں۔ یہ لوگ تمام لوگوں کی طرح اپنے کو کسب مال، کام، تلاش، کوشش اور یہاں تک کہ حکومت، ولایت، کنٹرول، حکم دینا اور زندگی کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں لیکن یہ سارے کام اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں انجام دیتے ہیں۔ شریعت کی حد میں خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسی حال میں دنیا کو تین طلاق دیتے اور اس کی محبت کو دل سے نکال دیتے ہیں۔ حکومت لینے کے لیے جنگ کرتے ہیں لیکن حق کے دفاع اور عدل وانصاف کو جاری کرنے کے لیے، نہ کہ ریاست اور حکومت کے لیے۔

اہلِ دنیا

لیکن جو شخص کہ دنیا کو کما حقہ نہیں پہچانتا اور اس طرح دنیاوی زندگی میں مشغول و سرگرم ہوتا ہے کہ گویا اس کے پیدا ہونے کی اصل غرض یہی تھی اور حساب و کتاب اور واپسی والی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ مال و متاع، عورت، اولاد، جاہ و حشم اور مقام و منصب کا قیدی اور اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ وہ دنیاوی زندگی کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور اسی سے شدت کے ساتھ لگاؤ رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی اور خدا کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس کی معنوی قیمتوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور حیوانی خواہشات کو پورا کرنے اور دنیاوی لذتوں سے بہت زیادہ فائدہ اٹھانے میں ہی اپنی بہادری سمجھتا ہے۔ ایسے ہی لوگ اہلِ دنیا میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر چہ وہ فقیر، خالی ہاتھ اور گوشہ نشین ہوں یا ہر قسم کی اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے بچتے ہوں۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''وہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی کو دیکھتے ہیں لیکن آخرت سے غافل ہیں۔''(۲)

۱۔ نہج البلاغۃ، خطبہ ۳۳۔ ۲۔ سورۂ روم، ۷

اورفرماتا ہے: ''وہ لوگ کیسے ہیں کہ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں خرید لیتے ہیں۔''(۱)

اورفرماتا ہے: ''کیا تم آخرت کے بدلے زندگانی دنیا پر راضی ہو گئے حالانکہ آخرت میں اس متاع زندگانی دنیا کی حقیقت بہت قلیل ہے۔''(۲)

اورفرماتا ہے: ''وہ لوگ جو مجھ سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہیں اور دنیا کی زندگی سے اپنے دل کو باندھے ہوئے ہیں اور خوش ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں اور نشانیوں سے غافل ہیں، وہ وہی لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اس وجہ سے کہ انھوں نے دنیا میں یہی حاصل کیا ہے۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''انسان، خدا سے بہت دور اس وقت ہو جاتا ہے جب وہ شکم کی خواہشوں کو پورا کرنے اور عورت کے علاوہ کوئی دوسری غرض وغایت نہیں رکھتا۔''(۴)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جو دل دنیا پر شیفتہ اور فریفتہ ہوگا، اس میں تقویٰ اور پرہیز گاری کا ہونا محال ہے۔''(۵)

امیرالمومنینؑ نے یہ بھی فرمایا: ''یہ بہت بری تجارت ہے کہ دنیا کو اپنے نفس کی قیمت جانے اور دنیا کا اس چیز کے مقابلہ میں جو خدا کے پاس موجود ہے سودا کر لے۔''(۶)

اگر دنیا کی مذمت کی گئی ہے تو اس لیے کی گئی ہے کہ یہ غرور، دھوکا دینے والی اور مشغول رکھنے والی پونجی ہے جو اپنے کو خوبصورت اور شیریں ظاہر کرتی ہے۔ انسان کو سرگرم رکھتی ہے اور اس کو خدا کی یاد اور توشۂ آخرت حاصل کرنے سے روکے رہتی ہے۔ دنیا کی مذمت اور اس کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ لوگ ہوشیار رہیں اور اس کی چمک دمک چال بازی سے دھوکا نہ کھائیں اور اپنے کو اس کا قیدی، غلام اور فریفتہ نہ بنائیں۔ کیونکہ دنیا کی قدر و قیمت قابل مذمت ہے دنیا پیدائش کی غرض و غایت کو بھلا دیتی اور آخرت کی دائمی زندگی اور خدا کی نعمتوں سے غافل کرتی ہے۔

۱۔ سورۂ بقرہ، ۸۶ ۲۔ سورۂ توبہ، ۳۸ ۳۔ سورۂ یونس، ۸.
۴۔ بحار رج ۷۳، ص ۱۸ ۵۔ غرر الحکم ص ۳۸۳ ۶۔ نہج البلاغہ خطبہ ۳۲

دنیا والے اور آخرت والے

جو شخص دنیا میں آخرت کے لیے کام کرے وہ اہل آخرت میں ہے اور جو شخص دنیا کے لیے کام کرے وہ اہلِ دنیا میں ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''دنیا میں لوگ دو طرح کے عمل کرنے والے ہیں ایک وہ شخص ہے جو دنیا میں دنیا کے لیے کام کرے۔ دنیا اس کو اپنے میں مشغول رکھتی اور آخرت سے غافل رکھتی ہے۔ وہ شخص ڈرتا ہے کہ اس کے بچے اس کے مرنے کے بعد فقیر ہو جائیں گے لیکن اس کو آخرت کی دنیا میں خالی ہاتھ رہنے سے محفوظ سمجھتا ہے اور اپنی عمر کو دوسروں کے فائدے کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ جو دنیا میں دنیا کے بعد والی زندگی یعنی آخرت کے لیے کام کرتا ہے لہٰذا اس کی روزی بھی بغیر زحمت کے پہنچتی رہتی ہے یعنی دنیا اور آخرت کا حصہ اس کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے اور وہ دونوں جہان کا مالک ہو جاتا ہے لہٰذا وہ خدا کے نزدیک آبرومند اور محترم ہو جاتا ہے اور وہ جو کچھ بھی خدا سے چاہتا ہے، خدا اسے قبول کرتا ہے۔''(۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''دنیا گذرگاہ ہے مستقل مسکن نہیں ہے۔ اس میں دو طرح کے لوگ رہتے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے کہ جو اپنے نفس کا دنیا کی بے قیمت چیزوں سے سودا کر لیتا ہے اور اس کو ذلت اور ہلاکت میں ڈالتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو اپنے انسانی نفس کو خریدتا اور آزاد کر لیتا ہے۔''(۲)

اہل دنیا اور اہلِ آخرت میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دولت مند ہے یا فقیر، دنیا کے کاموں میں مشغول ہے یا بے کار، اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہے یا قبول نہیں کرتا، دنیا کے لوگوں کے بیچ زندگی گذارتا ہے یا گوشہ نشین ہے، کسب معاش اور کام میں مشغول ہے یا علم حاصل کرنے، پڑھنے، کتاب لکھنے، وعظ و نصیحت کرنے میں، دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے یا نہیں۔ دنیاوی مقام و منصب کو پائے ہوئے ہے یا نہیں بلکہ اس میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ دنیا کے کاموں میں رغبت

۱۔ نہج البلاغہ/کلمات قصار/۲۶۹ ۲۔ نہج البلاغۃ/کلمات قصار/۱۳۳

رکھتا ہے یا آخرت کے کاموں میں، وہ دنیا کی زندگی سے دل لگائے رکھتا ہے یا آخرت کی زندگی سے، اس کی توجہ دنیا سے ہے یا خدا سے، وہ حیوانی خواہشات اور ہوئ و ہوس کو ہی اپنی زندگی کی غرض جانتا ہے یا انسانی فضائل اور مکارمِ اخلاق کی تربیت کو۔ جو چیز بھی انسان کو اپنے میں مشغول رکھے اور خدا کی یاد اور آخرت کی دنیا کی سعادت حاصل کرنے اور کوشش سے روکے رکھے، وہ دنیا میں شمار ہوگی۔ اگرچہ وہ علم و درس حاصل کرنے یا کتاب لکھنے یا امامت، وعظ و نصیحت میں خود کو مشغول رکھے۔ یہاں تک کہ گوشہ نشینی، دنیا میں زہد و تقویٰ اور عبادت میں مشغولیت بھی، اگر خدا کے علاوہ کسی غیر خدا کے لیے ہو تو دنیا میں شمار ہوگی۔

لہٰذا واضح ہوا کہ تمام اہلِ دنیا ایک مرتبہ کے نہیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے تمام اہل آخرت بھی ایک مرتبہ کے نہیں ہوتے بلکہ اہلِ دنیا کا ایک گروہ سو فیصدی اور پوری طرح سے دنیا میں غرق ہے اور پوری طرح سے خدا اور آخرت کی دنیا سے غافل رہتا ہے۔ اسی طرح کے لوگوں کو دنیا کے غلام اور دنیا کا پجاری سمجھا جاتا ہے۔ اس گروہ کے مقابلہ میں، خدا کے خالص بندے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی پوری توجہ خدا اور آخرت کی طرف ہوتی ہے اور جو پوری طرح سے خدا کی رضا حاصل کرنے کے علاوہ کوئی غرض نہیں رکھتے۔ ان دونوں گروہوں کے سامنے بہت زیادہ مرتبے اور درجے ہوتے ہیں۔ جو شخص جس قدر دنیا سے لگاؤ رکھتا ہے وہ اسی مقدار میں اہل دنیا ہوتا ہے اور خدا کے قرب سے دور ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص جتنا زیادہ خدا کی یاد اور آخرت میں لگا ہوتا ہے وہ اسی مقدار میں دنیا کو چھوڑنے والوں میں شمار ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اہلِ دنیا ہونا اور اہلِ آخرت ہونا دو اضافی اور نسبی باتیں ہوتی ہیں۔

تزکیہ کا اہم سبب 'تقویٰ'

مکتب اسلام میں تقویٰ کو ایک بہت بلند مقام حاصل ہے اور متقی و پرہیزگار لوگ مومنین سے ممتاز شمار ہوتے ہیں۔ تقویٰ کی لفظ اور اس سے متعلق تمام لفظیں قرآن، نہج البلاغہ اور حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ نہج البلاغہ جیسی عظیم کتاب میں بہت زیادہ تکرار ہوئی ہے۔ قرآن مجید انسان کی بزرگی اور قیمت کا معیار تقویٰ کو جانتا ہے اور فرماتا ہے: ''خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے۔''(۱)

تقویٰ آخرت کے لیے بہترین زادِراہ اور سعادت کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''اپنی آخرت کے لیے زادِ راہ اکٹھا کرو اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔''(۲)

اور فرماتا ہے: ''ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرنے والے اور تقویٰ رکھنے والے ہیں، بڑی جزا ہوگی۔''(۳)

اور فرماتا ہے: ''جس شخص نے بھی تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کام انجام دیئے ان کے لیے خوف و ہراس اور حزن وملال نہیں ہے۔''(۴)

اور فرماتا ہے: ''اپنے پروردگار سے استغفار میں جلدی کرو اور بہشت کی طرف تیزی سے بڑھو کہ جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو متقین کے لیے بنائی گئی ہے۔''(۵)

۱۔سورۂ حجرات،۱۳۔ ۲۔سورۂ بقرہ،۱۹۷۔ ۳۔سورۂ آل عمران،۱۷۲۔
۴۔سورۂ اعراف،۳۵۔ ۵۔سورۂ آل عمران،۱۳۳۔

اورفرماتا ہے:''بے شک صاحبان تقویٰ باغات میں نعمتوں کے درمیان رہیں گے اور جو نعمتیں خدانے انہیں عطا کی ہیں اس سے خوش ہیں۔''(۱)

اسی طرح نہج البلاغہ اورحدیث کی کتابوں میں،تقویٰ کواخلاق کا سرداراورسعادت حاصل کرنے کا بہت بڑاوسیلہ بتایا گیاہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:''تقویٰ تمام اخلاق کا سردار ہے۔''(۲)

رسولؐ خدانے فرمایا:''ایک صفت ایسی ہے جسے انسان اپنالے تو دنیااورآخرت اس کے اختیار میں ہوگی اور وہ بہشت کی طرف بھی مائل ہوگا،کہا گیا:یارسولؐ اللہ وہ صفت کیاہے؟ آپؐ نے فرمایا:تقویٰ۔جوشخص بھی چاہتاہے کہ وہ عزیزترین لوگوں میں سے ہوتو وہ تقویٰ اختیار کرے۔اس کے بعداس آیت کوپڑھا:﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ☆ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لاَيَحْتَسِبُ ﴾''جوشخص اپناپیشہ تقویٰ بناتاہے تو خدااس کے لیے بہودی قرار دیتاہےاوراس کوایسی جگہ سے روزی عطا کرتاہے جس جگہ کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔''(۳)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:''تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دینااس لئے کہ وہ تمام خوبیوں کا جامع ہے۔کوئی بھی نیکی سوائے تقویٰ کے وجودنہیں رکھتی ہے۔وہ نیکیاں جوتقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں اس کے علاوہ کسی اورطرح سے نہیں مل سکتی ہیں،چاہے دنیا کی نیکی ہو یا آخرت کی نیکی۔''(۴)

حضرت امام سجادؑ نے فرمایا:''ہرعمل کی عظمت اور قیمت تقویٰ سے ہے۔صرف متقی لوگ ہی سعادت اورکامیابی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔خدائے تعالیٰ فرماتاہے:بیشک سعادت اورنیکی صرف متقین کے لیے ہوگی۔''(۵)

حضرت علیؑ نے فرمایا:''اے خدا کے بندو!آگاہ ہوجاؤ کہ متقی دنیااورآخرت کی نعمتوں کو حاصل کرتے ہیں۔وہ دنیامیں اہل دنیا کے ساتھ دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے میں شریک ہوتے ہیں لیکن اہل دنیا،آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔وہ بہترین طریقے سے دنیا

۱۔سورۂ طور،۱۸۔ ۲۔نہج البلاغہ،کلمات قصار/۴۱

۳۔بحارالانوار/ج/۷۰،ص/۲۸۵ ۴۔بحارالانوار/ج/۷۰،ص/۲۸۵

۵۔بحارالانوار/ج/۷۷،ص/۳۸۶

میں سکونت رکھتے ہیں، وہ بہترین طریقے سے کھانے والی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، متقین دنیا میں ان تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جن سے تمام سرکش اور گھمنڈ کرنے والے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن متقین زاد آخرت اور اخروی فائدہ کے ساتھ، اس دنیا سے آخرت کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ دنیا میں زہد کی لذت حاصل کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کل قیامت میں بھی اللہ کی رحمت کے جوار میں زندگی بسر کریں گے اور وہ جو کچھ بھی خدا سے چاہیں گے وہ قبولیت تک پہنچے گی اور ان کا لذتوں سے فائدہ اٹھانا بیکار نہیں ہوگا۔"(۱)

بعض احادیث میں تقویٰ کو تزکیۂ نفس کے اہم ترین عامل کے عنوان سے اور نفس کی بیماریوں کو ایک شفا بخش دوا کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: "یقیناً تمہارے دلوں کی بیماری کے لیے ایک شفا بخش دوا تقویٰ ہے جو تمہارے تاریک دلوں کو روشن کرنے والا، تمہارے بدن کو بیماری سے شفا بخشنے والا، تمہارے سینے کی برائیوں کو دور کرنے والا نفس کی گندگیوں کو پاک کرنے والا، تمہاری آنکھوں کے پردہ کو روشنی بخشنے والا، تمہارے اندرونی اضطراب اور بے چینی کو آرام بخشنے والا اور تمہارے اندھیروں کو روشن کرنے والا ہے۔"(۲)

شرعی احکام کی غرض تقویٰ ہے

اسلام میں تقویٰ کو ایک قیمتی اخلاقی جڑ اور شرعی احکام کی غرض کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے۔ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: "اے لوگو! تمہارے پروردگار نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے، عبادت کے لیے پیدا کیا ہے شاید کہ تم تقویٰ اختیار کرسکو۔"(۳)

اور فرمایا: "روزہ تمہارے اوپر واجب قرار دیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح سے جس طرح تم سے پہلے والے لوگوں پر واجب تھا، شاید کہ تم تقویٰ اختیار کرسکو۔"(۴)

۱۔ نہج البلاغۃ ر نامہ ر ۲۷ ۲۔ نہج البلاغہ ر خطبہ ر ۱۹۸

۳۔ سورۂ بقرہ، ۲۱۔ ۴۔ سورۂ بقرہ، ۱۸۳۔

اورفرمایا:''قربانی کا گوشت اورخون خدا تک نہیں پہنچتا ہے لیکن تمہارا تقویٰ خدا تک پہنچتا ہے۔''(۱)

اورفرمایا:''آخرت کے لیے زاد راہ اورتوشۂ آخرت حاصل کرو اور بہترین توشہ تقویٰ ہے۔''(۲)

جیسا کہ ملاحظہ فرمایا کہ بعض عبادتوں کی شرعی غرض بلکہ اصل عبادت یہ تھی کہ لوگ ان اعمال کو انجام دینے سے تقویٰ اختیار کریں بلکہ تقویٰ اسلام کی نظر میں اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ تمام اعمال کے قبولیت کی اساس کے عنوان سے متعارف کیا گیا ہے۔ گویا تقویٰ کے بغیر عمل بے کار اور بے فائدہ ہوگا۔

خداقرآن مجید میں فرماتا ہے:''خداصرف متقین کے نیک کاموں کو قبول کرتا ہے۔''(۳)

رسولؐ خدا نے ابوذرؓ سے فرمایا:''تقویٰ حاصل کرنے میں اپنے امکان سے زیادہ عمل اور کوشش کرو، کیونکہ تقویٰ کے ساتھ کوئی بھی عمل چھوٹا نہیں ہے اور کس طرح چھوٹا شمار کیا جائے؟ کہ وہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو خدا کے یہاں قبول ہونے کے لیے واقع ہوئی ہے یعنی تمام اعمال تقویٰ کی بنیاد پر قبول ہوں گے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: خدا صرف متقین کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔''(۴)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:''ان کارونا تم کو دھوکا نہ دے کیونکہ تقویٰ صرف دل میں ہوتا ہے۔''(۵)

خداقرآن مجید میں فرماتا ہے:''اگر صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ اہم ترین کام ہے۔''(۶)

جیسا کہ ملاحظہ فرمایا کہ قرآن اور احادیث میں تقویٰ کو ایک قیمتی جڑ، بہترین توشۂ آخرت، دل کی بیماریوں کو شفا بخشنے والی اہم ترین دوا اور نفس کے تزکیہ اور پاک کرنے کے بہت بڑے وسیلہ کے عنوان سے متعارف کرایا گیا ہے۔ اس کی اہمیت کے لیے بس یہی کافی ہے کہ شرعی احکام وقوانین کے قبولیت کی بنیاد تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے۔

اب ضروری ہے کہ ہم تقویٰ کے معنی کی تشریح کریں۔

۱۔ سورۂ حج، ۳۸۔ ۲۔ سورۂ بقرہ، ۱۹۷۔ ۳۔ سورۂ مائدہ، ۲۷۔

۴۔ بحار ج/۷۷، ص/۸۹ ۵۔ بحار ج/۷۰، ص/۲۸۶ ۶۔ سورۂ آل عمران، ۱۸۶۔

تقویٰ کی تعریف

عام طور سے تقویٰ کو ایک منفی معنی یعنی پرہیز گاری، گناہوں سے کنارہ کشی اور بچنے کے عنوان سے متعارف کیا گیا ہے۔ ایسا سمجھتے ہیں کہ تقویٰ کی حفاظت، اجتماعی کاموں میں شرکت کے ساتھ بہت دشوار بلکہ مشکل ہے۔ کیونکہ انسان کا نفس طبعی طور پر گناہ کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اگر اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرے گا تو وہ فطری طور پر گناہ کی طرف مائل ہوگا۔ اسی وجہ سے، وہ چاہے تو اجتماعی کاموں سے کنارہ کشی اختیار کر کے تقویٰ اور پرہیز گاری کو اختیار کرے یا چاہے تو اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول کرے اور تقویٰ کو ہاتھ سے دے دے۔ کیونکہ ان کا آپس میں جمع ہونا غیر ممکن ہے۔

اس طرز فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر انسان گوشہ نشین اور تنہائی پسند ہوگا وہ اتنا ہی متقی ہوگا۔

لیکن تقویٰ قرآن کی بعض آیتوں، حدیثوں اور نہج البلاغہ میں ایک اچھے اور قیمتی مثبت عنوان سے متعارف کرایا گیا ہے نہ کہ منفی عنوان سے، تقویٰ کے معنی صرف گناہ کو چھوڑ دینا نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں ایک ایسی اندرونی طاقت جو نفس کو قابو میں رکھنے کی قدرت رکھے جو مسلسل مشق اور کوشش وریاضت سے نفس کو حاصل ہوتی ہے اور نفس کو اس قدر طاقت وقوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کا مطیع وفرمانبردار ہو جاتا ہے۔ وہ اس قدر طاقتور ہو جاتا ہے کہ وہ نفس کی غیر شرعی خواہشات اور رجحانات کے مقابلہ میں پائیدار اور ثابت قدم ہو جاتا ہے۔ لغت میں بھی تقویٰ کے یہی معنیٰ بیان کئے گئے ہیں۔

تقویٰ مادہ 'وقایہ' سے نکالا گیا ہے۔ جس کے معنی حفاظت کے ہیں۔ تقویٰ یعنی ''اپنے نفس پر قابو''۔ تقویٰ ایک بے خوف کرنے والی مثبت صفت ہوتی ہے نہ کہ ایک چھین لینے والی اور بری صفت۔ تقویٰ یعنی قید اور قوانین اور شرعی احکامات کی، اطاعت کا انسان کا عہد و پیان ہے، ہر طرح کے گناہ کو چھوڑ دینے کو تقویٰ نہیں کہتے ہیں بلکہ گناہ کو چھوڑنے کی طاقت وقدرت، کنٹرول کی قوت اور نفس کو قابو میں کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ تقویٰ بہترین زادِ آخرت ہے اور زادراہ ایک مثبت پہلو ہے نہ کہ منفی۔

نمونہ کے طور پر، حضرت امیر المومنین علیؑ کی چند باتوں کی طرف توجہ فرمایئے:

اے خدا کے بندو! میں تم سے تقویٰ کی سفارش کرتا ہوں۔ کیونکہ تقویٰ نفس کے لیے باگ ڈور جیسی ہے کہ وہ اس کو اچھائیوں کی طرف کھینچتی ہے لہٰذا تقویٰ کے ساتھ مضبوطی سے جڑے رہو اور اس کے حقائق کی طرف رجوع کرو کہ وہ تم کو فلاح و بہبودی کی جگہ، بہت بڑے وطن، محفوظ پناہ گاہ اور عزت کی منزلوں تک پہنچائے۔ (۱)

یقیناً تقویٰ آج کے لیے تمہاری پناہ گاہ اور ڈھال ہے اور کل قیامت کے لیے جنت کی طرف جانے والا راستہ ہے اور ایسا واضح راستہ ہے کہ اس سے جڑنے والا فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کو اختیار کرنے والے کے لیے ایسی امانت ہے جو اس کی حفاظت کرتی ہے۔ (۲)

اے خدا کے بندو! جان لو کہ تقویٰ ایک مضبوط پناہ گاہ ہے اور فسق و فجور ایک ایسا بے بنیاد گھر ہے جو اپنے رہنے والوں کی دیکھ ریکھ اور حفاظت نہیں کر سکتا ہے۔ جان لو کہ تقویٰ کے ذریعہ گناہوں کے زہر اور ڈنک کو کاٹا جاتا ہے۔ (۳)

اے خدا کے بندو! یقیناً تقویٰ، خدا کے اولیاء کو گناہ سے روکے رکھتا ہے اور ان کے دلوں میں خدا کے ڈر و خوف کو اس طرح سے بٹھا دیتا ہے کہ وہ راتوں کو عبادت اور خدا کے ساتھ راز و نیاز کے لیے بیدار رہتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔ (۴)

یقیناً تقویٰ اس دنیا میں تمہارے لیے پناہ گاہ اور مرنے کے بعد سعادت ہے۔ (۵)

جیسا کہ ملاحظہ فرمایا کہ احادیث میں تقویٰ کو ایک باقیمت، ایک طاقت ور وجود رکھنے والے اور ایک مضبوط محاسب اور ناظر کے عنوان سے متعارف کرایا گیا ہے۔ تقویٰ ایک مہار کے مانند ہے کہ اس کے وسیلہ سے بے لگام سواری، سرکش نفس، خواہشات نفسانی اور اس کے رجحانات پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ تقویٰ ایک قلعہ اور مضبوط حصار کے مانند ہے کہ جو انسان کو داخلی دشمنوں کے حملہ یعنی نفسانی اور شیطانی غیر شرعی ہویٰ و ہوس سے محفوظ رکھتا ہے۔ تقویٰ ایک ڈھال کے مانند ہے کہ جو زہر آلود تیر اور شیطان کی ضربوں سے حفاظت کرتا ہے۔ تقویٰ انسان کو آزادی دیتا ہے، ہویٰ و ہوس کی غلامی سے آزاد کرتا ہے اور حرص و طمع، حسد، شہوت اور غضب کو اس کی گردن سے اتار دیتا ہے۔ تقویٰ محدود ہونا نہیں ہے بلکہ نفس پر حکومت اور قابو ہے۔ وہ انسان کو عزت، شرافت، قدرت، شخصیت اور مضبوطی دیتا ہے۔ دل کی شیطانی فکروں کے ہجوم سے حفاظت کرتا ہے اور اللہ کے فرشتوں کے نازل ہونے اور اللہ کے نور کی

۱۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۹۵ ۔ ۲۔ نہج البلاغہ/۱۹۱ ۔ ۳۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۵۷

۴۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۱۴ ۔ ۵۔ غرر الحکم/ص/۲۲۲

چمک قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے اور اعصاب جسم کو آرام اور اطمینان بخشتا ہے۔ انسان کا تقویٰ گھر اور لباس کے مانند ہے جو سردی اور گرمی سے حفاظت کرتا ہے۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''تقویٰ کا لباس سب سے بہتر لباس ہے۔''(۱)

اس لیے تقویٰ ایک قیمتی وجود، زادِ راہ اور توشۂ آخرت ہے نہ کہ ایک منفی صفت۔ البتہ تقویٰ قرآن اور احادیث میں، ڈرنے اور گناہ کو چھوڑنے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن یہ سب تقویٰ کے لوازمات میں سے ہے نہ کہ خود تقویٰ۔

تقویٰ اور گوشہ نشینی

اسی لیے گوشہ نشینی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول نہ کرنے کو نہ صرف تقویٰ کی علامتوں میں سے شمار کیا جائے گا بلکہ بعض موقعوں پر یہ تقوے کے خلاف بھی ہوگا۔ اسلام میں رہبانیت دنیا کو چھوڑنا اور گوشہ نشینی نہیں ہے۔ اسلام، انسان کو گناہ سے دور بھاگنے کے لیے گوشہ نشینی اور دنیاوی کاموں کو چھوڑ دینے کی سفارش نہیں کرتا بلکہ اس سے چاہتا ہے کہ ذمہ داریوں کو قبول کرے، اجتماعی کاموں میں شرکت کرے اور اسی حالت میں اپنے نفس کو تقوے کے وسیلہ سے لگام دے کنٹرول کرے اور گمراہ ہونے و گناہ سے روکے رکھے۔

اسلام یہ نہیں کہنا چاہتا کہ شرعی مقام و منصب قبول نہ کرو بلکہ کہتا ہے کہ خدا کی رضا کے لیے قبول کرو، بندگان خدا کی خدمت کرو اور جاہ و منصب و مقام کے غلام نہ بنو، جاہ و منصب و مقام کو نفسانی شہوت و ہوس کی طرف میلان کا وسیلہ قرار نہ دو اور حق کے راستہ سے نہ ہٹو۔

اسلام نہیں کہتا: تقویٰ کی طرف میلان کے لیے کام اور کسب معاش سے ہاتھ اٹھاؤ اور حلال روزی حاصل کرنے کے لیے تلاش مت کرو بلکہ کہتا ہے دنیا کے اسیر اور غلام نہ بنو۔

اسلام نہیں کہتا: دنیا کو چھوڑ دو اور عبادت کے لیے ایک کونے میں بیٹھ جاؤ، بلکہ کہتا ہے: دنیا میں زندگی بسر کرو اور اس کی آبادی میں کوشش کرو لیکن اہل دنیا نہ ہو جاؤ اور اس پر فریفتہ اور اس کو دل نہ دے بیٹھو بلکہ دنیا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دو۔

۱۔ سورۂ اعراف، ۲۶۔

یہ ہے تقویٰ کا مقصد کہ جس کو اسلام میں بہترین قیمت اور خصلت کے عنوان سے متعارف کرایا گیا ہے۔

تقویٰ اور بصیرت

آیات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ انسان کو صحیح بصیرت اور اچھے برے کی تمیز و سمجھ دیتا ہے تا کہ دنیا اور آخرت کی واقعی مصلحتوں کی تشخیص کرے اور اس پر عمل کرے۔

خدائے حکیم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! اگر تقوے کو پیشہ قرار دو تو خدا تمہارے لیے فرقان قرار دے گا۔''(۱) یعنی جانچنے اور پرکھنے کی آنکھیں دے گا تا کہ سعادت اور بدبختی کے راستے اور مصلحتوں اور اس کی خرابیوں کو جانچ سکو۔

ایک دوسری آیت میں فرمایا: ''تقویٰ کے ساتھ ہو جاؤ تا کہ تم پر علوم کو بڑھا دیا جائے اور خدا تو ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''(۲)

اس لیے کہ قرآن تمام لوگوں کے لیے نازل ہوا ہے لیکن جو متقی ہیں ان کے لیے ہدایت ہے اور وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا:

قرآن لوگوں کے لیے بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''یقیناً تقویٰ دل کی بیماریوں کو شفا بخشنے والی دوا ہے اور تمہارے دل کی آنکھ کے لیے روشنی دینے کا سبب ہے۔''(۴)

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''اگر اولادِ آدم کے دلوں کے چاروں طرف جو شیطان ہیں، نہ ہوتے تو وہ عالمِ ملکوت گویا آسمانی تحریروں کا مشاہدہ کرتے۔''(۵)

امام جعفر صادقؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''دل کے خراب کرنے کے لیے گناہ کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، دل گناہ کے ساتھ لڑتا ہے یہاں تک کہ گناہ اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اسے نیچے اوپر کرتا ہے یعنی پچھاڑ دیتا ہے۔''(۶)

۱۔ سورۂ انفال، ۲۹۔ ۲۔ سورۂ بقرہ، ۲۸۲۔ ۳۔ سورۂ آل عمران، ۱۳۸۔

۴۔ نہج البلاغہ/خطبہ/۱۹۸ ۵۔ بحار الانوار/ج/۷۰/ص/۵۹ ۶۔ بحار/ج/۷۰/ص/۵۴

9

اس قسم کی آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ عقل کی بصیرت اور بینائی کا باعث ہوتا ہے اور سوچنے اور تمیز کی قوت کو مضبوط کرتا ہے۔ عقل ایک ایسا قیمتی گوہر ہے کہ جو انسان کے وجود میں رکھ دیا گیا ہے تا کہ اس کے وسیلہ سے مصلحتوں اور خرابیوں، خیرات اور شرور، سعادت اور شقاوت کے عوامل اور آخر کار 'باید' چاہئے اور 'نباید' نہیں چاہئے کو اچھی طرح سے پہچانے اور فرق کو محسوس کرے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''بدن میں عقل حق کا رسول ہے۔''(۱)

ہاں اس طرح سے اہم عہدۂ رسالت کو عقل کے کاندھے پر ڈالا گیا ہے اور وہ اس کو انجام بھی دے سکتا ہے لیکن ایسی صورت میں جب کہ تمام قوتیں اور طاقتیں اس کی حکومت کو قبول کریں، مخالفت، کام کو ٹالنا اور خلاف ورزی نہ کریں۔ ہویٰ وہوس عقل کی دشمن ہے۔ وہ اس کو اچھی طرح سے کام نہیں کرنے دیتیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''نفسانی خواہشات عقل کی دشمن ہیں۔''(۲)

اورفرمایا: ''جو شخص اپنی خواہشات کا مالک نہیں ہوتا تو وہ اپنی عقل کا مالک بھی نہیں ہوتا۔''(۳)

اورفرمایا: ''گھمنڈ اور خود پسندی عقل کو خراب کر دیتی ہے۔''(۴)

اورفرمایا: ''لچا اور لفنگا آدمی اچھی رائے نہیں رکھتا ہے۔''(۵)

یہ سچ ہے کہ جسم کی نشو ونما عقل کے ہاتھ میں ہے اسی لئے عقل کو جسم کا حاکم بنایا گیا ہے اور وہ اس کی طاقت بھی رکھتی ہے لیکن نفسانی قوت و طاقت اور میلانات اس کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ اگر ان طاقتوں میں کوئی ایک یا وہ سبھی اعتدال کی حالت سے خارج ہو جائیں، نافرمانی پر آمادہ ہو جائیں اور کام ٹالیں اور کام نہ کریں تو کیسے ممکن ہے کہ عقل اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ اس طرح کا انسان عقل رکھتا ہے لیکن اس پر غور وفکر نہیں کرتا، جبکہ ہدایت کا ذریعہ موجود ہے لیکن ہویٰ وہوس شہوت اور غضب کے کالے بادل اور مٹمیلے چاند کی طرح سے اسے چھپا رکھا ہے اور اس کی روشنی کو

۱۔غررالحکم رج را،ص ر۱۳ ۲۔غررالحکم رج را،ص ر۱۳ ۳۔غررالحکم رص ر۶۰۲
۴۔غررالحکم رص ر۲۶ ۵۔غررالحکم رص ر۳۱

بجھا دیا ہے اور واقعات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ شہوت پسند آدمی واقعی مصلحتوں کو نہیں پہچانتا اور نافرمانی کی طاقتوں پر قابو نہیں پا سکتا؟ خود پرست انسان کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے عیب کو پہچانے تا کہ اس کی اصلاح کے لیے تیار ہو؟ اور اسی طرح سے سبھی برے صفات، جیسے غصہ، حسد، لالچ، کینہ، تعصب، مال سے محبت، مقام و منصب، حکومت کو کس طرح ممکن ہے کہ خود سے دور کرے؟

اگر ان میں سے کوئی ایک یا اس سے زیادہ نفس پر غالب آ گئیں تو وہ عملی عقل کو واقعیات کے سمجھنے سے روک دیتی ہے اور اگر عقل چاہے کہ اس کے خلاف کوئی عمل انجام دے تو وہ حیلہ بازی اور کام میں خلل پیدا کر دیتی ہے اور شور و غل، داد و فریاد کے ذریعہ راستہ روک لیتی ہے۔ اس طرح سے عقل کے اطراف کو تاریک کر دیتی ہے اور اس کو ذمہ داری انجام دینے میں کمزور کر دیتی ہے جو انسان ہوئی و ہوس کا اسیر ہوگا وہ پند و نصیحت سے بھی نتیجہ نہیں نکالے گا تو وعظ و نصیحت اور قرآنی آیات اس کے دل کو اور سخت بنا دے گی۔

اسی وجہ سے تقویٰ کو بصیرت، روشن بینی اور ذمہ داری پہچاننے کے لحاظ سے بہترین اور مؤثر ترین عوامل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں ضروری ہے کہ ہم یاد دلائیں: جیسا کہ بیان کیا گیا تقویٰ بصیرت کی زیادتی، عملی عقل، ذمہ داری کی پہچان، کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے کی تمیز کا موجب ہے۔ نہ کہ نظری عقل اور حقائق کو پہچاننے اور جاننے میں۔ ایسا نہیں ہے کہ بے تقویٰ آدمی ریاضی اور طبیعی مسائل سمجھنے میں کمزور ہو اگر چہ تقویٰ سمجھنے اور ہوش کو تیز کرنے میں بھی ایک حد تک مؤثر واقع ہوتا ہے۔

تقویٰ اور مشکلات پر کامیابی

تقویٰ کے اہم آثار میں سے ایک اثر زندگی کی مشکلوں اور پریشانیوں پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''جو شخص بھی تقویٰ کو اپنا شعار بنائے گا تو خدا اس کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوئی سبیل نکالے گا اور ایسے راستہ سے کہ جس کا اسے گمان نہیں ہوگا، اس کے لیے روزی پہنچائے گا۔''(۱)

۱۔ سورۂ طلاق، ۲.

پھر فرمایا: ''جو شخص بھی تقویٰ اختیار کرے گا خدا اس کے کاموں کو آسان کردے گا۔''(۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جو شخص بھی تقویٰ اختیار کرے گا تو اس سے مشکلیں اور سختیاں دور ہو جائیں گی۔ اس کے باوجود کہ وہ اس کے نزدیک تھیں۔ اس کی تلخیاں شیریں ہو جائیں گی۔ مشکلات کی موجوں کا ہجوم اس کے سامنے پھٹے گا اور بکھر جائے گا، دشوار اور دردناک کام اس کے لیے آسان ہو جائیں گے۔''(۲)

اس طرح کی آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ مشکلات کے حل کرنے اور دشواریوں اور سختیوں پر غلبہ حاصل کرنے میں انسان کی مدد کرتا ہے۔ اب دیکھا جائے کہ تقویٰ ان چیزوں پر کیا اثر کر سکتا ہے؟

زندگی کی مشکلات اور سختیوں کو پورے طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم:

وہ مشکلات جن کا حل انسانی اختیار میں نہیں ہے مثلاً عضو میں کمی، ناقابل علاج بیماری اور ایسے خطرے کہ جن کو پہلے سے روکا نہیں جا سکتا اور اسی طرح کی دوسری مثالیں کہ جن کو روکنا اور ان کو دور کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے۔

دوسری قسم:

وہ دشواریاں اور مشکلیں جن کے حل کرنے میں ہمارا مکمل اور پکا ارادہ ہو اور ہمارا حتمی ارادہ مشکلات و پریشانیوں کے دور کرنے میں موثر اور کارآمد بھی ہو مثلاً روحانی، جسمانی، خاندانی، اجتماعی اور کاروباری مشکلات وغیرہ۔

البتہ تقویٰ ان دونوں مشکلوں میں سے ایک کو حل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن پہلی قسم میں اگرچہ ان مشکلات کو روکنا اور اس کو دور کرنا ہمارے لیے عملی طور پر ناممکن ہے لیکن ان مشکلات کو کس طرح برداشت کیا جائے، یہ ہمارے اختیار میں ہے۔ تقویٰ رکھنے والا انسان اور اپنے اوپر نگاہ رکھنے والا اپنے نفس کے اوپر پوری طرح سے تسلط رکھتا ہے اور دنیا اور دنیا کی مشکلات کو گذر

۱۔ سورۂ طلاق، ۴۔ ۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۸

جانے والی اور آخرت کی زندگی کو اصل اور باقی رہنے والی جانتا ہے اور اللہ کی لازوال قوت پر بھروسہ رکھتا ہے۔ دنیا کے حادثات اور مشکلات کو معمولی اور وقتی جانتا ہے اور وہ بے صبر نہیں ہوتا ہے اور نہ ڈرا کرتا ہے بلکہ اللہ کی مشیت کے سامنے سرخم کر دیتا ہے۔ باتقویٰ انسان خدا اور آخرت سے محبت کرتا اور مانوس ہوتا ہے۔ اس کو پیش آنے والے حادثات اور مشکلات اس کے آرام و سکون کو درہم برہم نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ حادثات، مشکلات اور مصیبتیں ذاتی طور پر درد پیدا کرنے والی نہیں ہوتیں بلکہ پریشانی کا سبب یقینی ہے جو مشکلوں کے برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا جو انسان کے لیے آرام وسکون نہ ہونے کے اسباب فراہم کرتا ہے اور تقویٰ اس سلسلہ میں اس کی مدد کرتا ہے۔

لیکن دوسرا گروہ مشکلات اور پریشانیاں جو انسان کی زندگی کو تلخ کر دیتی ہیں زیادہ تر اس کے برے صفات نفسانی ہویٰ وہوس اور شیطانی رجحانات کے غلبہ کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اکثر گھریلو مشکلیں شوہر وزوجہ یا دونوں کو اپنی نفسانی خواہشات پر قابو نہ پانے کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں اور وہ خود اپنی ہی آگ میں کہ جس کو انھوں نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جلنے لگتے ہیں اور بے صبری اور ڈر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مشکلات بھی ہوتی ہیں۔

برا اخلاق جیسے حسد، جلن، بدلہ لینا، تعصب، خود پرستی، خود پسندی، لالچ، خواہشات، غصہ، بلند پروازی، غرور و گھمنڈ اور اسی طرح کی دوسری مثالیں ہیں کہ جو انسان کے لیے مصیبتوں، مشکلوں، غم اور غصے کو وجود میں لاتی ہیں اور بہترین زندگی کو تلخ بنا دیتی ہیں۔ ایسا ہی شخص نفسانی خواہشات کا اس قدر قیدی ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے درد اور دوا کو بھی پہچاننے سے عاجز ہوتا ہے۔ بہترین اور سب سے زیادہ اثر کرنے والی چیز جو ان حادثات کے واقع ہونے میں رکاوٹ ڈال سکتی ہے، وہ وہی تقویٰ، نفس پر کنٹرول اور اپنے اوپر نگاہ رکھنا ہے۔ متقی کے لیے اس طرح کے دردناک حادثات اصلاً وجود نہیں رکھتے اور دلی آرام اور نورانی قلب کے ساتھ اپنی پوری زندگی کو گذارتا ہے اور آخرت کے لیے توشہ اکٹھا کرتا ہے۔

دنیا کی محبت تمام مشکلوں کا سرچشمہ ہے لیکن متقی دنیا اور اس سے متعلق چیزوں سے دل نہیں لگاتا کہ اس کے کھو جانے پر اسے رنج اٹھانا پڑے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت سے پرہیز کرو کہ جو ہر گناہ کی اصل اور ہر بلا کا خزانہ ہے۔''(۱)

تقویٰ اور آزادی

ممکن ہے کوئی یہ خیال کرے کہ تقویٰ آزادی کو سلب کرتا ہے اور قید و بند اور محدود رہنے کو وجود میں لاتا ہے اور زندگی کو سخت اور دشوار بنا دیتا ہے لیکن اسلام اس عقیدہ کی شدت سے تردید کرتا ہے بلکہ اس کے برخلاف تقویٰ کو آزادی، آرام، عزت اور عظیم جانتا ہے اور بے تقویٰ انسان کو قیدی اور غلام شمار کرتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''تقویٰ ہدایت، استقامت اور توشۂ آخرت کی کنجی ہے۔ تقویٰ قید و بند سے آزادی کا سبب اور ہلاکت سے نجات کا وسیلہ ہے۔''(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اسلام سے بڑھ کر کوئی شرافت نہیں ہے اور تقویٰ سے عزیز ترین کوئی عزت نہیں ہے اور زہد و ورع سے بہتر کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔''(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جو شخص تقویٰ اختیار کرے تو تکلیفیں اور مشکلیں اس سے قریب ہونے کے بعد دور ہو جائیں گی۔ اس کے لیے کڑوی باتیں میٹھی ہو جائیں گی مشکلوں کی سخت لہریں جو اس کے چاروں طرف اکٹھا ہو گئیں ہیں بکھر جائیں گی اور اس کے لیے مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔''(۴)

ان حدیثوں میں تقویٰ مشکلوں کو حل کرنے، عزت کا سبب، انسان کی آزادی زندگی کی پریشانیوں، مشکلوں اور تلخیوں سے نجات اور بہترین پناہ گاہ کے عنوان سے متعارف ہوا ہے۔

لہٰذا تقویٰ انسان کو محدود کرنے اور آزادی سلب کرنے کے لیے وجود میں نہیں آیا ہے بلکہ وہ انسان کی شخصیت کو زندہ کرتا ہے اور وہ شہوت پرستی، غضب و غصہ، انتقام جوئی، بغض و کینہ، خود پسندی، خود بینی، تعصب، لچہ پن، لالچ، مال کی پرستش، خود پرستی، ہویٰ و ہوس پرستی، جاہ و منصب پرستی،

۱۔ غرر الحکم / ص / ۱۵۰
۲۔ نہج البلاغہ / خطبہ / ۲۳۰
۳۔ نہج البلاغہ / باب المختار من الحکم / ۳۷۱
۴۔ نہج البلاغہ / خطبہ / ۱۹۳

شکم پرستی اورشہرت پرستی کی بندگی سے آزادکرتا ہے۔انسان کی شخصیت اور اس کی عقل کومضبوط کرتا ہے تا کہ وہ طبیعت اورنفس کی طغیانی طاقتوں پر غالب آجائے اورانہیں اعتدال پر رکھنے اور واقعی مصلحتوں کے مطابق ہدایت ورہبری کرے اوران کے کاموں میں افراط وتفریط نہ ہونے دے۔

قرآن ایسے لوگوں کو جونفس کی خواہشات کے مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں اورنفسانی خواہشات کی تلاش میں رہتے ہیں اوراپنے رجحانات کی طرف میلان کے لیے محدودیت کے قائل نہیں ہوتے بت پرست اورخواہش پرست جانتا ہے۔

خداقرآن مجید میں فرماتا ہے: ''کیاایسے شخص کودیکھا کہ جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا قرار دیا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدانے اس کوگمراہ کردیا ہے اوراس کے کان ودل پر مہر لگادی ہے اوراس کی آنکھوں پرتاریکی کے پردے ڈال دئے ہیں لہٰذا کون شخص ہے جوخدا کے بعد اس کی ہدایت کرے؟ کیااس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''(۱)

ہاں جوشخص اپنی نفسانی خواہشات اورہویٰ وہوس کے سامنے اپناسر جھکا چکا ہے اور برائی کی طرف میلان رکھنے کی وجہ سے وہ کسی بھی برائی کی پرواہ نہیں کرتا اور دیوانوں کی طرح اس کی تلاش و کوشش میں لگارہتا ہے اورعقل کی بھلائی اور پیغمبروںؑ کی راہنمائی کی آواز پرکان نہیں دھرتا۔اسی طرح کے افرادواقعی نفسانی خواہشات کے قیدی وغلام اور مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں۔

خواہشاتِ نفسانی،انسانی شخصیت اوراس کے عقل جیسے قیمتی گوہر کومغلوب کرتی ہے اوراپنے جال میں پھنسالیتی ہے اوراس کی آزادی کے لیےتقویٰ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ کاوجودنہیں ہے لہٰذاتقویٰ محدودنہیں کرتا بلکہ انسان کوآزادی بخشتا ہے۔

تقویٰ اور بیماریوں کاعلاج

یہ بات پہلے ہی ثابت ہوچکی ہے کہ برے اخلاق جیسے: حسد، کینہ، انتقام،عیب جوئی،غصہ، تعصب،لالچ،خود پرستی،گھمنڈ،خوف، بےعملی،وسوسۂ شیطانی اوراسی طرح کی دوسری چیزیں نفسانی بیماریاں ہیں۔ایسے لوگوں کےنفس مجازی طور پرنہیں بلکہ حقیقی طور پر بیمار ہوتے ہیں۔

۱۔سورۂ جاثیہ،۲۳.

یہ مطلب بھی علوم میں ثابت ہو چکا ہے کہ آدمی کے نفس اور بدن میں نہ صرف ربط اور محکم اتصال برقرار ہے بلکہ یہ متحد ہیں اور اسی ربط و اتصال کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور متاثر ہوتے ہیں ۔جسمانی بیماریاں، نفس کو رنجیدہ اور پریشان کرتی ہیں ۔اس کے برخلاف نفسانی بیماریاں، انسان کے جسم اوراعصاب پر پوری طرح اثر ڈالتی ہیں ۔بہت سی روحانی بیماریاں اور اعصاب کی کمزوری برے اخلاق کے اثر سے وجود میں آتی ہیں یہاں تک کہ بعض جسمانی امراض جیسے: معدہ اور آنتوں پر زخم اور ورم، ہاضمہ کا خراب ہونا، غذا کا کھٹا ہونا، سر درد، درد دل کا آغاز بھی ممکن ہے برے اخلاق جیسے: حسد، بغض و کینہ، لالچ، خود پسندی اور بلند پروازی کی وجہ سے ہی ہو۔ یہ بات مشاہدات میں سے ہے، مضر اور نقصان دہ چیزوں کی عادت اور شہوت رانی میں زیادتی بہت سے خطرناک امراض کو وجود میں لاتی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ نفسانی امراض کو شفا بخشنے والی دوا صرف تقویٰ ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تقویٰ انسان کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کے علاج میں اور اس کی صحت و سلامتی میں بہت زیادہ اثر رکھتا ہے۔

حضرت علیؑ نے تقویٰ کے بارے میں فرمایا: ”تقویٰ تمہارے جسموں کی بیماریوں کا علاج اور تمہارے فاسد دلوں کی اصلاح اور تمہارے گندے نفسوں کو پاک و صاف کرنے والا ہے۔“(۱)

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۸۔

متقین کے اوصاف

تقویٰ کو اچھی طرح پہچاننے اور متقین کی مزید علامتوں اور صفتوں سے باخبری کے لیے ہم نہج البلاغہ سے خطبہ ہمام کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

ہمام امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے ایک عابد شخص تھا۔ ایک دن عرض کیا: یا امیر المومنینؑ! متقین کی صفتوں کو میرے لیے بیان کیجئے۔ اس طرح سے کہ گویا میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔

امامؑ نے جواب دینے میں تھوڑی دیر کی، اس کے بعد اجمالی طور پر اختصار کے ساتھ فرمایا: اے ہمام! تقویٰ کو اختیار کرو اور نیکوکار ہو جاؤ کہ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: خدا متقین اور نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔

ہمام نے اس مختصر سے جواب پر اکتفا نہیں کی اور حضرتؑ کو قسم دی کہ مزید وضاحت کیجئے۔ پھر حضرتؑ نے خدا کی حمد و ثنا اور پیغمبر اکرمؐ پر درود و سلام کے بعد فرمایا:

> خدا نے لوگوں کو اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے بے نیاز اور اس کی معصیت سے امان میں تھا۔ کیونکہ گناہ گاروں کی معصیت اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور فرمانبرداروں کی اطاعت اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ پس ان کی روزی ان کے درمیان تقسیم کر دی ہے اور ہر شخص کو اس کی مناسب جگہ پر قرار دیا ہے لہٰذا متقی دنیا میں اہلِ فضیلت ہوتے ہیں۔ بات میں سچے، لباس پہننے میں درمیانی اور راستہ چلنے میں منکسر مزاج، اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے آنکھیں بند رکھتے ہیں اور وہ علم جو ان کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے اسے بہت توجہ سے سنتے ہیں اور مصیبت و بلا اور گرفتاری کے موقع پر اسی طرح رہتے ہیں، جس طرح آرام و خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اگر موت ان کے لیے پہلے سے معین نہ کر دی گئی ہوتی تو ثواب

کے شوق اور عذاب کے خوف سے ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی جان ان کے بدن میں ٹِک نہیں پاتی۔ان کی نگاہ میں خدا عظیم اور بزرگ ہے۔اسی وجہ سے ان کی نگاہوں میں غیر خدا معمولی نظر آتا ہے۔جنت کی حیثیت ان کی نظر میں اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے اس کو دیکھا ہو اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا ہو اور جہنم کی آگ کی حیثیت بھی ان کی نظر میں اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے اس کو دیکھا ہو اور اس میں معذب ہوا ہو۔ان کے دل حزن و ملال میں ہوتے ہیں اور لوگ ان کے شر سے امان میں رہتے ہیں۔ان کے بدن لاغر، ان کی حاجتیں کم اور نفس پاک ہوتے ہیں۔اس دنیا میں چند دنوں تک صبر کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لیے خوشی اور آرام حاصل کر لیتے ہیں اور یہ فائدہ مند تجارت ہے کہ جو ان کے پروردگار نے ان کے لیے فراہم کی ہے۔دنیا ان کی طرف بڑھتی ہے لیکن وہ اسے قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔دنیا چاہتی ہے انہیں اپنا قیدی بنالے لیکن وہ اپنی جان خرید لیتے ہیں اور آزاد کر لیتے ہیں۔

رات کے وقت نماز کے لیے قیام کرتے ہیں قرآن کی آیتوں کو غور و فکر کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس کے پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے میں اپنے کو غمگین بناتے ہیں اور اس طرح سے اپنے درد کا علاج ہیں۔جس وقت کوئی ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ جس میں امیدوار ہونے کا شوق دلایا گیا ہو تو وہ اس قدر شوق میں آجاتے ہیں کہ گویا خدا کے جزا و سزا کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔جس وقت کوئی ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ جس میں ڈر اور خوف ہوتا ہے تو دل جمعی سے اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔اس طرح کہ گویا دوزخ کا شور اور فریاد کی آواز ان کے کانوں میں آرہی ہو۔پھر رکوع کے لیے جھک جاتے ہیں اور سجدے کے لیے اپنی پیشانیوں، ہتھیلیوں، پیروں، گھٹنوں کو زمین پر بچھا دیتے ہیں اور اپنے نفس کی آزادی کے لیے خدا سے فریاد کرتے ہیں۔

دن میں بردبار، عقلمند، نیکوکار اور باتقویٰ ہوتے ہیں۔خدا کے خوف سے وہ لوگ جھکے ہوئے اور لاغر کمان کی مانند ہو جاتے ہیں۔اس طرح سے کہ ان کو دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ بیمار ہیں جبکہ وہ بیمار نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ دیوانے ہیں جبکہ وہ دیوانے بھی نہیں ہیں بلکہ ایک عظیم بات کی فکر نے ان کو خود سے بیگانہ کر دیا ہے۔

وہ اپنے تھوڑے اعمال سے راضی نہیں ہوتے ہیں اور زیادہ اعمال کو زیادہ نہیں سمجھتے ہیں لہٰذا اپنے نفس کو تہمت لگاتے ہیں اور اپنے اعمال سے خوف و ہراس میں رہتے ہیں۔جب بھی ان میں سے کوئی ایک قابل ستائش قرار پاتا ہے تو اس کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے، اس سے ڈرتا ہے اور کہتا ہے! میں اپنے کو دوسروں سے زیادہ بہتر پہچانتا ہوں اور میرا خدا ہم سے زیادہ

آ گاہ ہے۔اے میرے خدا! میرے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کے متعلق مواخذہ نہ کرنااور وہ جتنا سمجھتے ہیں، اس سے برتر قرار دینااور میرے ان گناہوں کو کہ جن کو دوسرے نہیں جانتے بخش دینا۔

اہل تقویٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دین کے کاموں میں قوی اور مضبوط، نرمی میں دور اندیش، یقین میں باایمان اور مضبوط، علم میں لالچی، صبر وتحمل میں عقلمند، توانگری میں میانہ رو، عبادت میں خضوع وخشوع یعنی عاجزی اور انکساری، فقیری میں سجے ہوئے اور باعزت، سختیوں اور پریشانیوں میں صبر کرنے والے، حلال روزی حاصل کرنے میں کوشش کرنے والے، ہدایت کو حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہنے والے اور لالچ سے دور اور سختیاں اٹھانے والے ہوتے ہیں۔

نیک کاموں کو انجام دیتے ہیں اور اسی حالت میں ڈرتے رہتے ہیں، رات کے وقت شکر ادا کرنے کا حوصلہ رکھتے اور حوصلے کے ساتھ خدا کے ذکر اور یاد کا اہتمام کرتے ہیں، رات کے وقت خوف سے ہراساں رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ غفلت کر بیٹھے ہوں۔ صبح کے وقت فضل اور رحمت کی وجہ سے خوش رہتے ہیں۔ اگر نفس نے ان چیزوں میں کہ جس سے ان کو کراہیت ہے سختی برتی تو وہ بھی ان چیزوں سے کہ جن کی طرف نفس کا رجحان ہوتا ہے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس کا لگاؤ ہمیشہ نیک کاموں کی طرف رہتا ہے۔ وہ مٹ جانے والی چیزوں کی طرف رغبت نہیں رکھتا ہے۔ وہ بردباری کو اپنی عقلمندی اور بات چیت سے کردار میں ملا لیتا ہے۔

متقی کی آرزوئیں کم ہیں، اس کی خطائیں کم ہیں، اس کا دل منکسر مزاج، اس کا نفس قناعت رکھنے والا، اس کی خوراک کم، اس کے کام آسان، اس کا دین محفوظ، اس کی نفسانی خواہشیں ختم ہو چکی ہیں اور اس کا غصہ ختم ہو چکا ہے۔ لوگ اس سے احسان اور نیکی کی امید رکھتے ہیں اور اس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ اگر لوگوں میں غافل اور بے خبر ہوں گے تو ذکر کرنے والوں میں شمار ہوں گے اور اگر ذکر کرنے والوں میں ہوں گے تو وہ کبھی غافل لوگوں میں شمار نہیں ہوگا۔ کوئی شخص اگر اس پر ظلم وستم کرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کو محروم رکھتا ہے تو وہ احسان کرتا ہے اور اگر کوئی شخص اس سے جدا ہوتا ہے تو وہ اس سے تعلق کو برقرار رکھتا ہے۔

گالیاں دینے سے بچا رہتا ہے، نرمی کے ساتھ بات کہتا ہے، برے کام اس سے دیکھے نہیں جاتے اور پسندیدہ کاموں میں ہر جگہ حاضر رہتا ہے۔ خیرات اور نیکیوں کی طرف آگے بڑھتا ہے اور برائیوں سے دور بھاگتا ہے۔ سختیوں میں، وہ صبر کرنے والا اور آسائش و آرام میں شکر گذار ہوتا ہے۔ جس کے اوپر وہ غصہ کرتا ہے ظلم وستم نہیں کرتا۔ جس کو وہ دوست رکھتا ہے، اس

کے لیے گناہ نہیں کرتا۔ گواہ کی گواہی دینے سے پہلے حق کا اعتراف کر لیتا ہے۔ جسے سمجھ لیا ہے ،اسے ضائع نہیں کرتا اور جس کا اس سے ذکر کیا جاتا ہے، اسے بھلاتا نہیں، کسی کو برے لقب سے نہیں پکارتا، پڑوسیوں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ لوگوں پر مصیبت پڑنے پر خوش نہیں ہوتا، باطل کے راستے پر قدم نہیں رکھتا اور حق سے دور نہیں ہوتا۔ اگر چپ رہے تو چپ رہنے سے غمگین نہیں ہوتا اور اگر ہنسے تو ہنسنے کی آواز بلند نہیں ہوتی۔ اگر اس پر ظلم وستم ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے تا کہ خدا اس کے لیے بدلہ لے لے۔ اس کا نفس لوگوں کی طرف سے سختی و پریشانی میں پڑ جاتا ہے لیکن لوگ اس کی طرف سے آسائش وآرام پاتے ہیں۔ آخرت کے کاموں میں وہ اپنے نفس کو رنج میں ڈالتا ہے اور لوگوں کو اپنے نفس سے آرام وآسائش پہنچاتا ہے۔ لوگوں سے اس کی دوری زہد و پاکیزگی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس کا نزدیک ہونا خوش خوئی اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کا دوری اختیار کرنا، غرور اور خود پسندی کی وجہ سے نہیں ہوتا اور اس کا نزدیک ہونا مکروفریب کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

راوی کہتا ہے کہ جس وقت امیر المومنینؑ کی بات اس جگہ تک پہنچی تو ہمام نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گیا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیا پھر امامؑ نے فرمایا: میں اس طرح کا حادثہ پیش آنے کی وجہ سے ہی ڈر رہا تھا پھر فرمایا: اس طرح کی وعظ ونصیحت لائق لوگوں پر اثر ڈالتی ہے۔ [1]

ا۔ نہج البلاغہ، خطبہ/۱۹۳۔

محافظت؛ تہذیب نفس کا اہم سبب

خود کو سنوارنے اور نفس کو پاک رکھنے سے متعلق تمام اعمال میں سے ایک اہم عمل محافظت اور اپنے نفس کی طرف توجہ ہے جو انسان اپنی سعادت چاہتا ہے وہ برے اخلاق اور نفسانی بیماریوں سے غافل نہیں ہوسکتا بلکہ ہر وقت اپنے نفس کی حفاظت کرتا اور ہوشیار رہتا ہے اور اپنے اختیارات، اخلاق اور کردار یہاں تک کہ اپنی فکر کو بھی پوری طرح قابو میں رکھتا ہے۔ ہم اس موضوع کو کچھ مطالب کے ذریعہ واضح کرتے ہیں۔

اعمال کا لکھنا اور نگرانی میں رہنا

قرآنی آیتوں، پیغمبروں اور ائمہ اہلبیتؑ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے تمام اعمال، حرکات اور باتیں یہاں تک کہ سانس لینا، فکر اور نیت اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے اور نگرانی میں رہتے ہیں اور قیامت کے حساب کے لیے باقی رہتے ہیں اور قیامت میں ہر انسان اپنے برے یا اچھے اعمال کی سزا یا جزا پائے گا۔ نمونہ کے طور پر:

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''قیامت کے دن لوگ گروہ در گروہ نکلیں گے تا کہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں۔ پس جس شخص نے ذرہ برابر بھی اچھا کام انجام دیا ہوگا وہ اس کو دیکھے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر بھی برا کام انجام دیا ہوگا، وہ اس کو بھی دیکھے گا۔''(۱)

۱۔ سورۂ زلزال، ۸۔

اورفرماتاہے:''کتاب رکھی جائے گی۔پس مجرمین کودیکھوگے کہ ان کےاعمال میں جوکچھ بھی لکھا گیا،اس سے خوف زدہ ہیں اورکہتے ہوں گے:ہائے افسوس!اس کتاب نے کس طرح ہرچیز کولکھ رکھاہےاورکسی بھی چھوٹی اور بڑی چیز کونہیں چھوڑاہے۔اس کے تمام اعمال حاضرہوں گےاور تمہاراپروردگارکسی شخص پرظلم نہیں کرتا۔''(۱)

اورفرماتاہے:''قیامت کےدن جس شخص نے جوبھی اچھا کام انجام دیاہوگاحاضر پائے گااورجوبھی برےکام کوانجام دیاہوگا،وہ بھی حاضرہوگااوریہ آرزوکرے گاکہ اس کےاوراس کےعمل کےدرمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو۔''(۲)

اورفرماتاہے:''کوئی بھی بات زبان پرنہیں آتی ہے،مگریہ کہ اس کولکھنے کے لیےفرشتے موجودہیں اورنگاہ رکھتے ہیں۔''(۳)

اگرہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام اعمال،کردار،حرکتیں اوربات چیت یہاں تک کہ فکراورتمام خیالات لکھے جاتے ہیں،نگرانی میں رہتے اورباقی رہتے ہیں توپھرہم کس طرح اس کےنتائج سے غافل رہ سکتے ہیں؟

قیامت میں حساب وکتاب

بہت ساری آیتوں اورحدیثوں سےمعلوم ہوتاہےکہ قیامت میں بہت ہی سختی کےساتھ بندوں کاحساب لیاجائے گا۔بندوں کےتمام اعمال خواہ چھوٹے ہوں یابڑے،حساب وکتاب کے لائق قرارپائیں گےاوراس کےمعمولی سےعمل کوبھی نظرانداز نہیں کیاجائے گا۔

نمونہ کےطورپر:

خداقرآن کریم میں فرماتاہے:''عدالت کےترازوکوقیامت میں لگایاجائے گاتاکہ کسی بھی شخص پرظلم وستم نہ ہو۔اگررائی کےایک دانہ کےبرابربھی عمل کیاہوگاتواسےبھی حساب وکتاب کے لیےلایاجائےگااورمیں خودحساب لینے کےلیےکافی ہوں۔''(۴)

۱۔سورۂ کہف،۵۰۔ ۲۔سورۂ آل عمران،۳۰۔ ۳۔سورۂ ق،۱۸۔ ۴۔سورۂ انبیاء،۴۷۔

اور فرماتا ہے: ''جو کچھ بھی تم اپنے نفس میں رکھتے ہو اگر اسے ظاہر کر دیا یا چھپائے رکھا تو خدا تم سے اس کا بھی حساب لے گا۔''(۱)

اور فرماتا ہے: ''اعمال کا تولا جانا قیامت میں حق کے مطابق ہوگا لہٰذا جن لوگوں کے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن لوگوں کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا پس وہی لوگ اپنے نفس کو نقصان پہنچانے والے ہوں گے کیونکہ انہوں نے میری آیتوں پر ظلم کیا ہے۔''(۲)

قرآن مجید میں قیامت کو 'یوم الحساب' اور خدائے متعال کو 'سریع الحساب' کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے۔

بہت ساری آیتوں اور روایتوں کے مطابق بہت زیادہ دشوار مرحلوں میں سے ایک مرحلہ تمام بندگان خدا کے سامنے ان کے اعمال کا حساب و کتاب اور وزن کیا جانا ہے۔ انسان پوری عمر میں رفتہ رفتہ اعمال کو انجام دیتا ہے اور کچھ دن بعد اس کو بھول جاتا ہے، ایسی صورت میں کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی نامۂ اعمال اور صفحۂ ہستی سے مٹتا نہیں ہے۔ سب اس دنیا میں لکھے جاتے ہیں اور نگرانی میں رہتے ہیں اور انسان کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔ اگر چہ اس دنیا میں وہ ان سے پوری طرح غافل ہو، مرنے کے بعد جب انسان کی آنکھیں روشن ہوں گی تو وہ ان سب کو ایک جگہ پر دیکھ لے گا۔ اس وقت محسوس کرے گا کہ اس کے تمام اعمال، باتیں، عقیدے اور افکار حاضر اور اس کے ساتھ ہیں اور کسی بھی وقت جدا نہیں ہوئے۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''ہر انسان حساب کے لیے محشر میں آئے گا، اس حالت میں کہ ایک فرشتہ اسے لیے آرہا ہوگا اور اس کے نیک اور بد اعمال پر گواہ ہوگا۔ پھر اس سے کہا جائے گا ابھی تک تم اس واقعیت سے غافل تھے لیکن آج تیری اندرونی آنکھ روشن ہوگئی ہے۔''(۳)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''قیامت میں کوئی بندہ ایک قدم بھی نہیں اٹھائے گا، سوائے اس کے کہ اس سے چار چیزوں کا سوال کیا جائے گا: اس کی عمر کے بارے میں کہ کس راہ میں صرف کی، اس کی جوانی کے بارے میں کہ کس راستے میں خرچ کی، اس کے مال کے متعلق کہ کس راستے سے حاصل کیا

۱۔ سورۂ بقرہ، ۲۸۴۔ ۲۔ سورۂ اعراف، ۸۔ ۳۔ سورۂ ق، ۲۲۔

اور کس راستہ پر خرچ کیا اور ہم اہلبیتؑ کی دوستی سے متعلق سوال ہوگا۔'' (۱)

پیغمبر اکرمؐ نے ایک حدیث میں فرمایا: قیامت میں بندہ کو حساب و کتاب کے لیے حاضر کریں گے، دنیا میں ہر روز زندگی بسر کرنے کے مقابلہ میں چوبیں خزانے دن اور رات کے چوبیں گھنٹوں کے برابر لائے جائیں گے۔ پھر ایک خزانہ کھولا جائے گا جو کہ نور و سرور سے بھرا ہوا ہوگا، بندۂ خدا اس کو دیکھنے سے اتنا خوش ہوگا کہ اگر وہ اس کی خوشی کو دوزخیوں کے درمیان تقسیم کرے تو پھر انہیں آگ کے درد و الم کا احساس نہیں ہوگا۔ وہ وہ گھڑی ہے کہ جس گھڑی میں وہ اطاعت پروردگار میں مشغول تھا۔

اس کے بعد ایک دوسرا خزانہ اس کے لیے کھولا جائے گا کہ جو تاریک، بدبودار اور وحشت پیدا کرنے والا ہوگا۔ اس کو دیکھنے سے وہ اس قدر ڈر اور ہراس میں پڑ جائے گا کہ اگر وہ جنتیوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو ان کے لیے بہشت کی نعمتیں ناگوار ہو جائیں گی۔ وہ وہ گھڑی ہے کہ جب وہ گناہ کرنے میں مشغول تھا۔

اس کے بعد اس کے لیے ایک دوسرا خزانہ کھولا جائے گا کہ جو پوری طرح سے خالی ہوگا، اس میں نہ خوشی پیدا کرنے والا عمل ہوگا اور نہ غم و اندوہ پیدا کرنے والا عمل۔ وہ وہ گھڑی ہوگی کہ جب سویا ہوا تھا یا مباح کاموں میں مشغول تھا۔ خدا کا بندہ اس خزانہ کو دیکھنے سے بھی غمگین اور افسوس ناک ہوگا۔ کیونکہ وہ دنیا میں اس کو نیکیوں اور اچھے کاموں سے بھر سکتا تھا لیکن کوتاہی کی وجہ سے اس سے غافل رہا۔ اسی وجہ سے خداوند عالم قیامت کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ذٰلِکَ یَومُ التَّغَابُن﴾ ''وہ گھاٹے، نقصان اور خسارہ کا دن ہے۔'' (۲)

قیامت میں بندوں کا لمحات کے لحاظ سے حساب لیا جائے گا اور ان کا انجام معین کیا جائے گا۔ تمام گذرے ہوئے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ انسان کے اعضاء و جوارح پیغمبرؐ اور فرشتے یہاں تک کہ زمین بھی گواہی دے گی۔ انجام معین کرنے والا بہت مشکل اور سختی سے حساب لے گا۔ دل حساب کے نتیجہ سے دہل رہے ہوں گے اور بدن خوف سے لرز رہے ہوں گے۔ اس طرح ڈر

۱۔ بحار الانوار ج ۷، ص ۲۵۸ ۲۔ بحار الانوار ج ۷، ص ۲۶۲

رہے ہوں گے کہ مائیں اپنے نوزائیدہ دودھ پینے والے بچوں کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتیں بچے گرا دیں گی۔ سبھی بے چینی میں ہوں گے کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ کیا ان کے حساب و کتاب کا نتیجہ، خدا کی خوشنودی، آزادی کا حصہ حاصل کرنا، خدا کے پیغمبروںؑ اور اولیاء کے درمیان سر بلندی، بہشت میں ہمیشہ کے لیے زندگی اور خدا کے نیک بندوں کی ہمسائیگی ہوگی یا دنیا کے لیے زندگی پروردگار کا غضب وغصہ، مخلوق کے درمیان رسوائی اور دوزخ کی دائمی زندگی۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بندوں کا حساب ایک جیسا نہیں ہے، بعض افراد کا حساب بہت سخت اور طولانی ہے اور بعض دوسرے لوگوں کا حساب سادہ اور آسان۔ مختلف اور متعدد مراحل میں حساب انجام پائے گا اور ہر وقفہ میں ایک چیز سے سوال کیا جائے گا۔ سب سے سخت ترین وقفہ مظالم کا وقفہ ہوگا۔ اس وقفہ میں لوگوں کے حقوق، ان پر ظلم و ستم سے متعلق سوال ہوگا۔ اس جگہ پر پوری طرح سے حساب و کتاب ہوگا اور ہر ایک شخص دوسرے قرض خواہوں کو ان کا قرض ادا کرے گا۔ افسوس کہ اس جگہ پر انسان کے اختیار میں مال نہیں ہوگا کہ وہ قرض خواہوں کو ادا کرے۔ مجبوراً اگر وہ نیکیاں رکھتا ہوگا تو وہ اس کے بدلہ میں اپنی نیکیاں ان قرض خواہوں کو ادا کرے گا اور اگر وہ نیکیاں نہیں رکھتا ہوگا تو قرض خواہوں کی برائیاں، اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

بہر حال وہ بہت ہی سخت دن ہوگا، خدا ہم سب کی فریاد کو پہنچے۔ البتہ حساب و کتاب میں دیری اور سختی تمام بندوں کے لیے ایک جیسی نہیں ہے بلکہ لوگوں کی اچھائی اور برائی اور اس کی مقدار کے حساب سے فرق ہوگا لیکن متقین اور اللہ کے نیک بندوں کے لیے بہت ہی مختصر اور آسان ہوگا۔

پیغمبر اکرمؐ نے اس شخص کے جواب میں کہ جس نے قیامت کے دن طولانی حساب و کتاب کے متعلق سوال کیا، فرمایا: ''خدا کی قسم! مومن کے لیے واجب نماز پڑھنے سے بھی آسان ہوگا۔''(۱)

قیامت سے پہلے ہم اپنا حساب و کتاب کریں

جو شخص قیامت، حساب و کتاب، اعمال کی سزا و جزا پر ایمان اور عقیدہ رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے تمام اعمال لکھے جا رہے ہیں اور قیامت میں بہت ہی مشکل سے اس کا حساب و کتاب ہوگا

ا۔ مجمع الزوائد رج ۱۰ ص ۳۳۷

10

اور اچھائی یا برائی کی جزا اس کی طرف پلٹ کر آئے گی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اعمال، گفتار اور اخلاق سے بے فکر اور لاپرواہ ہوجائے؟ کیا وہ بالکل یہ فکر نہ کرے کہ وہ روز، ہفتہ، ماہ، سال اور عمر گذارنے میں کیا کرے؟ اور اپنے آخرت کے سفر کے لیے کیسا توشۂ آخرت اور زادِ راہ بھیجے؟

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال کا حساب و کتاب اسی دنیا میں کرلیں اور ہم خوب غور و فکر کرلیں کہ ہم نے کیا کیا ہے؟ اور ہم کیا کریں؟ ٹھیک اسی طرح سے جس طرح ایک عقلمند تاجر ہر روز، ہر ماہ اور ہر سال اپنی آمدنی وخرچ کا حساب و کتاب کرتا ہے، کہ شاید اس کو نقصان ہوجائے یا اس کا سرمایہ ختم ہوجائے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اس سے پہلے کہ قیامت میں تمہارا حساب و کتاب ہو تم خود اسی دنیا میں اپنے اعمال کا حساب و کتاب کرلو۔''(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جو شخص اس دنیا میں اپنے نفس کا حساب و کتاب کرے گا وہ فائدہ اٹھائے گا۔''(۲)

حضرت امام علی نقیؑ نے فرمایا: ''وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جو ہر روز اپنا حساب و کتاب نہیں کرتا لہٰذا اگر نیک کام انجام دیئے ہیں تو خدا سے اور زیادہ نیک کام کی توفیق حاصل کرے اور اگر برے کام کا مرتکب ہوا ہے تو خدا سے توبہ و استغفار کرے۔''(۳)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے نفس کا حساب کرتا ہے وہ فائدہ اٹھائے گا اور جو شخص حساب و کتاب سے غافل رہتا ہے وہ نقصان اٹھائے گا اور جو شخص اس دنیا میں ڈرتا ہے وہ قیامت میں امن وامان میں رہے گا اور جو شخص نصیحت حاصل کرے گا وہ دیکھنے والا ہوجائے گا اور جو شخص دیکھے گا وہ سمجھے گا اور جو سمجھے گا وہ عقلمند ہوجائے گا۔''(۴)

پیغمبر اکرمؐ نے ابوذرؓ سے فرمایا: ''اے ابوذر! اس سے پہلے کہ قیامت میں تمہارا حساب و کتاب لیا جائے تم اس دنیا میں اپنے نفس کا حساب و کتاب خود کرلو۔ کیونکہ آج کا حساب و کتاب کل قیامت کے حساب و کتاب سے بہت آسان ہے اور اپنے نفس کو قیامت میں وزن ہونے سے پہلے

۱۔ غرر الحکم/ص/۳۸۵ — ۲۔ غرر الحکم/ص/۶۱۸
۳۔ وسائل/ج/۱۱/ص/۳۷۷ — ۴۔ وسائل/ج/۱۱/ص/۳۷۹

وزن کرلواور اس وسیلہ سے اپنے کو قیامت کے لیے آمادہ کرلو اس دن کے لیے جس دن تمہارے اعمال خدا کے سامنے پیش ہوں گے اور چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی اس سے چھپی نہ ہوگی۔ یہاں تک کہا کہ اے ابوذرؓ! انسان اپنے نفس کا حساب و کتاب کئے بغیر متقی لوگوں میں شامل نہیں ہوگا۔ شریک کا اپنے شریک کے ساتھ حساب و کتاب زیادہ مشکل ہے۔ چاہئے کہ انسان خوب غور وفکر کرے کہ اس کا کھانا، پینا اور کپڑا کس طرح سے اس کے ہاتھ تک آیا ہے؟ کیا وہ حرام سے ہے یا حلال سے؟ اے ابوذرؓ! جو شخص اس بات کی فکر نہیں رکھتا کہ وہ کس طرح سے مال کو کمارہا ہے تو خدا بھی اس بات کی پرواہ نہیں کرتا ہے کہ وہ اس کو کس راستے سے دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا۔"(۱)

امام سجادؑ نے فرمایا: "اے آدمؑ کی اولاد! تم ہمیشہ خیر وخوبی پر رہو گے اگر اپنے نفس کو ہمیشہ وعظ و نصیحت کرتے رہو اور اپنے نفس کے حساب و کتاب میں قید رہو اور خدا کا خوف اپنی عادت اور حزن و ملال کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالو گے۔ اے آدمؑ کی اولاد! یہ صحیح ہے کہ تم مروگے اور قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور حساب و کتاب کے لیے اللہ کے عدل وانصاف کے ترازو کے پاس لائے جاؤ گے لہٰذا قیامت میں حساب و کتاب کا جواب دینے کے لیے آمادہ ہوجاؤ۔"(۲)

انسان اس دنیا میں ایک تاجر کی حیثیت سے ہے۔ اس کا سرمایہ اس کی محدود عمر ہے یعنی بس یہی گھڑیاں، روز، ہفتہ، مہینہ اور سال۔ عمر کا یہ قیمتی سرمایہ چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا اور انسان رفتہ رفتہ موت کے قریب ہوتا جائے گا۔ جوانی، بڑھاپے میں، قوت وطاقت کمزوری میں، صحت وسلامتی بیماری میں تبدیل ہوجائے گی۔ اگر عمر گذارنے میں اچھا عمل انجام دیا اور آخرت کے لیے زادِراہ بھیجا تو نقصان نہیں کیا، اس لیے کہ اس نے اپنی آئندہ کی زندگی کے لیے اچھائی اور سعادتمندی فراہم کرلی لیکن اگر اپنی عمر، جوانی، طاقت اور صحت یابی کے قیمتی سرمایہ کو برباد کردیا اور اس کے مقابلہ میں قیامت کے لیے نیک اعمال کا ذخیرہ نہیں کیا بلکہ برے اخلاق، گناہ اور معصیت اور اپنے نفس کو گندہ اور آلودہ کرنے میں لگا دیا تو اس نے بہت بڑا نقصان اٹھایا، ایسا نقصان اور دھوکا جس کی تلافی نہیں ہے۔

۱۔ وسائل رج ر۱۱، ص ر۳۷۹ ۲۔ وسائل رج ر۱۱، ص ر۳۷۸

خداقرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے:"زمانہ کی قسم انسان گھاٹے میں ہے۔سوائے ان لوگوں کے جوایمان لائے، نیک اعمال انجام دئے اوردوسروں کوحق وصبر کی وصیت کرتے رہے۔"(۱)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:"وہ شخص عقلمند ہے جوآج،کل قیامت کی فکر کرے اوراپنے نفس کو آزادرکھنے کی کوشش کرے۔اس لیے کہ موت اورقیامت سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے لہٰذا نیک اعمال انجام دے۔"(۲)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:"جوشخص اپنے نفس کا حساب کرتا ہے،اپنے عیبوں کومحسوس کرتاہےاوراپنے گناہوں کا احاطہ کرتا ہےتو وہ گناہوں سےتوبہ کرتا اوراپنے عیبوں کی اصلاح کرتاہے۔"(۳)

ہم اپنا حساب وکتاب کیسے کریں؟

نفس پرقابو پانا،سہل اورآسان کام نہیں ہے بلکہ اس کے لئے بہت غوروفکر،سیاست،صبرو تحمل،تلاش وجستجواورمکمل ارادہ کی ضرورت ہے۔مگرکیانفس امارہ بہت ہی سادگی کے ساتھ یہ سب کچھ قبول کرلیتاہے؟اور بہت ہی سادگی کے ساتھ حساب وکتاب کے لیے حاضرہوجاتا ہے؟ کیا آسانی کے ساتھ حساب وکتاب دے دیتا ہے؟

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:"جوشخص بھی اپنے نفس کوتدبیراورسیاست کے زیراثرنہیں رکھتااس نےاس کوضائع کردیا۔"(۴)

حضرت علیؑ نے فرمایا:"جوشخص اپنے نفس کے دھوکے میں آگیااس نے خودکو ہلاکت میں ڈال لیا۔"(۵)

علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا:"جس شخص کےنفس میں بیداری اورآگاہی ہوگی اس کے لیےخدا کی جانب سےنگہبان مقررکیاجائے گا۔"(۶)

۱۔سورۂ والعصر۔ ۲۔غررالحکم/ص/۲۳۸ ۳۔غررالحکم/ص/۶۹۶
۴۔غررالحکم/ص/۶۴۰ ۵۔غررالحکم/ص/۶۸۵ ۶۔غررالحکم/ص/۶۷۹

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''مسلسل کوشش کے ذریعہ اپنے نفس کے مالک بنو اور اسے اپنے اختیار میں لے لو۔''(۱)

ہمیں چاہئے کہ تین مرحلوں میں اپنے نفس سے حساب و کتاب لیں تا کہ رفتہ رفتہ اس کی عادت بن جائے اور وہ اسے قبول کرے۔

(۱) عہد و پیمان کرنا:

ہم اپنے نفس کا حساب و کتاب اس طرح شروع کریں کہ دن ابتدائی اوقات میں اور روزانہ کام شروع کرنے سے پہلے، ایک وقت ہم عہد و پیمان کے لیے معین کرلیں مثلاً صبح کی نماز کے بعد ہم ایک کونے میں تنہا بیٹھ جائیں اور اپنے نفس کو مخاطب کرکے یہ کہیں:

اس وقت میں زندہ ہوں لیکن معلوم نہیں کہ کب تک زندہ رہوں؟ ممکن ہے ایک گھنٹہ اور ممکن ہے اس سے بہت زیادہ زندہ رہوں۔ میری عمر کی گذری ہوئی گھڑیاں بیکار ہوگئی ہیں لیکن باقی بچی ہوئی گھڑیاں ابھی میرے پاس ہیں۔ یہی ہمارے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اس کی ہر گھڑی میں ہم آخرت کے لیے زاد راہ اکٹھا کرسکتے ہیں۔ اگر ہم ابھی موت کے قریب پہنچ گئے اور عزرائیل میری روح قبض کرنے کے لیے آگئے تو ان سے کس قدر ہم آرزو کرتے کہ ایک روز یہاں تک کہ ایک دوسری گھڑی بھی میری عمر میں اضافہ ہوجائے؟ اے بیچارہ نفس! فرض کرو اگر اسی حالت میں ہو اور تمہارے تقاضے کو قبول کرلیا گیا اور تم دنیا میں دوبارہ پلٹا دیئے گئے تو ذرا غور کرو کہ کیا کروگے؟ اے نفس! میرے اوپر اور اپنے آپ پر رحم کر اور ان گھڑیوں کو بیکار باتوں میں ضائع نہ کر کوتاہی نہ کر کہ قیامت میں شرمندہ ہو۔ اس دن کہ جس دن حسرت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اے نفس! عمر کی ہر گھڑی کے مقابلہ میں خدا نے تمہارے لیے ایک خزانہ قرار دیا ہے کہ جس میں تم اچھے اور برے اعمال کو جمع کرتے ہو اور اس کے نتیجہ کو قیامت میں دیکھو گے۔ اے نفس! کوشش کرو کہ ان خزانوں کو نیک اعمال سے بھرلو۔ خیال رہے کہ ان خزانوں میں گناہ اور معصیت کا انبار نہ لگے۔

اسی طرح سے ہم جسم کے ایک ایک اعضاء اور جوارح کو مخاطب کرسکتے ہیں۔ ہم ان سے

۱۔ غرر الحکم ص ۱۳۱

عہد و پیان لیں کہ وہ گناہ کے مرتکب نہ ہوں ۔مثلاً ہم زبان سے کہیں: جھوٹ ،غیبت ،چغل خوری، عیب جوئی ،بیہودہ گفتگو،لوگوں کی توہین اور ذلیل کرنا ،اپنی بڑائی ،لڑائی جھگڑا ،جھوٹی گواہی اور برے اخلاق وغیرہ وغیرہ ۔اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی انجام دہی انسان کی اخروی زندگی کوتباہ و برباد کردیتی ہے، میں تم کواجازت نہیں دیتا ہوں کہ تم ان کوانجام دو۔اے زبان !اپنے اوپر اور مجھ پر رحم کرواور گناہ سے اپنا ہاتھ اٹھالو کہ تیری ہر کہی ہوئی بات نامۂ اعمال کے خزانے میں لکھی ہوگی اور قیامت میں ،ان کا جواب دینے کے لیے میں ہوں گا۔

اس وسیلہ سے ہم زبان سے عہد و پیان لیں کہ وہ گناہ کی مرتکب نہ ہو۔اس کے بعد ہم نیک کاموں کو کہ جو زبان انجام دے سکتی ہے یاد کرائیں اور ہم اس کے لئے اس کو لازمی قرار دیں کہ وہ پورے دن اس کوانجام دے مثلاً ہم اس سے کہیں کہ تم فلاں ذکراور فلاں کلام کے ذریعہ اعمال کے خزانہ کونوراور سرور سے بھر سکتی ہواور آخرت کی دنیا میں اس کا نتیجہ حاصل کروگی ۔اس بات سے غفلت نہ کرو ورنہ شرمندہ ہوگی۔

اسی طرح سے ہم ایک ایک اعضاء و جوارح سے عہد و پیان لیں تا کہ وہ گناہ کے مرتکب نہ ہوں اور نیک اعمال انجام دیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد بزرگوار سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ’’جس وقت رات ہوتی ہے تو وہ اس طرح آواز دیتی ہے کہ سوائے جن وانس کے تمام موجودات اس کی آواز کو سنتے ہیں ۔وہ کہتی ہے: اے آدمؑ کی اولادو! میں ایک نئی مخلوق ہوں ۔جو کام مجھ میں واقع ہوں گے، میں ان کی گواہی دوں گی ۔مجھ سے فائدہ اٹھاؤ کہ سورج نکلنے کے بعد میں دنیا میں دوبارہ نہیں پلٹوں گی ۔اس کے بعد تم مجھ میں اپنی نیکیوں کا اضافہ نہیں کرسکو گے اور گناہوں سے توبہ کرو۔جس وقت رات گذر جائے گی اور دن آجائے گا تو دن بھی اسی طرح کی بات کہے گا۔‘‘(۱)

ممکن ہے کہ شیطان اور گناہ کرنے والا نفس مجھ سے کہے: تم اس طرح کے پروگرام کے مطابق زندگی بسر نہیں کرسکتے ہو کیا ان حدود اور قیود کے ساتھ زندگی بسر کرسکتے ہو؟ کیا ہر روز حساب و

۱۔وسائل رج ر۱۱،ص ر۳۸۰

کتاب کے لیے ایک گھڑی کا تعین کر سکتے ہو؟

شیطان اور نفس امارہ اس طرح سے بہکاوے میں ڈال کر، ہم کو فریب دینا چاہتے ہیں اور مکمل ارادے سے باز رکھتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ کوشش کر کے اس کا مقابلہ کریں اور کہیں: یہ پروگرام پوری طرح سے ممکن ہے اور یہ زندگی کے ساتھ معمولی منافع نہیں رکھتا ہے اور جب ہم تہذیب، تزکیۂ نفس اور آخرت کی سعادت کے لیے ضرورت رکھتے ہوں تو چاہئے کہ ہم اسے انجام دے دیں۔ اتنا زیادہ دشوار بھی نہیں ہے، تم ارادہ کرو اور پکا ارادہ کرو تو آسان ہو جائے گا۔ اگر شروع میں تھوڑی دشواری بھی ہو تو وہ رفتہ رفتہ عمل کے ذریعہ آسان ہو جائے گی۔

(۲) نگھبانی اور دیکھ ریکھ:

عہد و پیمان کے مرحلہ کے بعد، عمل کی نوبت آتی ہے اور وہ ہمیشہ رہتی ہے۔

ضروری ہے کہ ہمارا پورا دن نفس سے کیے گئے عہد و پیمان کے مطابق ہوتا کہ ہم نے جو عہد کیا ہے اس پر عمل کریں۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ہر حالت میں ہوشیار اور بیدار رہے۔ خدا کو حاضر و ناظر جانے اور اس سے کئے گئے عہد و پیمان کو یاد رکھے اگر ایک لحہ بھی غفلت کی تو ممکن ہے کہ شیطان اور نفسِ امارہ اس کے ارادہ میں مانع ہوں اور نفس سے کئے گئے عہد و پیمان پر عمل کرنے سے روک دیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''عاقل وہ شخص ہے کہ جو ہر وقت اپنے نفس سے جہاد میں مشغول ہو، اس کی اصلاح کی کوشش میں لگا رہے اور اس کو ہویٰ و ہوس سے روکے رکھے اور اس وسیلہ سے اس کو اپنی ملکیت میں لے آئے۔ عقلمند انسان اپنے نفس کو دنیا سے اور جو کچھ بھی دنیا میں ہے، اس میں مشغول رہنے سے باز رکھتا ہے۔''(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے نفس کی مداخلت کو روکتا ہے تو اس کے لیے خدا کی طرف سے حفاظت ہوتی ہے۔''(۲)

حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: ''نفس پر اعتماد اور بھروسہ کرنا شیطان کے لیے سنہرا موقع فراہم کرنا ہے۔''(۳)

۱۔ غرر الحکم رص ر ۲۳۷ ۲۔ غرر الحکم رص ر ۶۹۸ ۳۔ غرر الحکم رص ر ۵۴

حساب و کتاب کرنے والا اور چاق و چوبند انسان، ہمیشہ خدا کی یاد میں رہتا ہے اور اپنے کو خدائے بزرگ کے سامنے حاضر پاتا ہے۔ کوئی بھی عمل بغیر غور و فکر کے انجام نہیں دیتا ہے۔ اگر کوئی گناہ اور معصیت اس کے سامنے آتی ہے تو وہ فوراً خدا کی یاد اور قیامت کے حساب و کتاب کے ڈر سے اسے چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنے عہد و پیمان کو بھولتا نہیں ہے اور اس وسیلہ سے وہ اپنے نفس کو اپنے کنٹرول اور ملکیت میں رکھتا ہے اور برائیوں اور خرابیوں سے اس کو روکے رکھتا ہے۔ یہ نظام عمل نفس کو پاک کرنے اور تزکیہ کے لیے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر روز انسان کا حساب و کتاب کرنا، واجبات اور مستحبات کی یاد، ذمہ داریوں کو انجام دینا، نیک اعمال کرنا اور خیرات کرنا بھی بہترین وسیلہ ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ نماز کو فضیلت کے وقت خضوع و خشوع اور حضورِ قلب کے ساتھ انجام دے۔ اس طرح سے کہ گویا یہ اس کی آخری نماز ہے۔ وہ ہر حال اور ہر کام میں خدا کو یاد رکھتا ہے۔ وہ فرصت کے موقعوں کو بیہودہ ضائع نہیں کرتا ہے اور آخرت کے لیے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ وقت کی قدر و قیمت سے واقف ہے اور ہر فرصت میں اپنے نفس کو مکمل کرنے کے لیے سعی و کوشش کرتا رہتا ہے۔ حتی المقدور مستحبات کو انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہے کہ انسان مستحبات کو انجام دینے کی عادت ڈال لے، خدا کا ذکر اور خدا کی یاد انسان کے لیے ہر حال میں ممکن ہے۔

سب سے اہم یہ ہے کہ انسان خلوص اور قربت کے ارادہ سے، اپنے روزانہ کے سارے کاموں کو اللہ کے قریب ہونے کا ذریعہ قرار دے۔ یہاں تک کہ روزی کمانے، کام کرنے، کھانے، پینے، سونے، نکاح کرنے اور تمام مباح کاموں کو خلوص نیت سے صرف عبادت ہی قرار دے۔ روزی کمانا اور کام کرنا اگر حلال طریقے سے ہے تو عبادت ہے۔ اسی طرح سے کھانا، پینا اور آرام کرنا اگر زندہ رہنے کے لیے اور اللہ کی بندگی کے لیے ہے تو وہ بھی عبادت میں شمار ہوگا۔ اللہ کے خاص بندوں کا یہی طریقۂ کار تھا اور ہے۔

(۳) اعمال کا حساب:

تیسرا مرحلہ روزانہ کا حساب و کتاب کرنا ہے۔ ضروری ہے کہ انسان ایک گھنٹہ ہر دن کے اعمال کے حساب و کتاب کے لیے معین کرے اور کتنا بہتر ہے کہ یہ گھڑی سونے کے وقت اور روزانہ کے تمام اعمال انجام دینے کے بعد ہو۔ اس گھڑی ایک کونے میں تنہا بیٹھے اور ٹھیک غور و فکر کرے

کہ اس نے پورے دن میں کیا کیا ہے؟ اس ترتیب سے کہ پہلی گھڑی سے شروع کرے۔ یہاں تک کہ آخری گھڑی تک ایک ایک لمحہ کا گہرائی کے ساتھ حساب و کتاب کرے۔

اگر اس گھڑی میں نیک کام اور عبادت میں مشغول تھا تو خدا کا اس پر شکر ادا کرے کہ اس نے یہ توفیق دی اور پکا ارادہ کرے کہ اس کو ہمیشہ انجام دیتا رہے گا۔

اگر گناہ اور معصیت کا مرتکب ہوا تو نفس کو موردِ الزام ٹھہرائے کہ اے بد بخت خود پر ظلم کرنے والے! یہ کیا کیا ہے؟ کیوں اپنے نامۂ اعمال کو گناہ سے سیاہ کیا ہے؟ قیامت میں خدا کو کیا جواب دوگے؟ آخرت کے دردناک عذاب میں کیا کروگے؟ خدا نے تم کو عمر، صحت اور رہنے کے لئے گھر دیئے تاکہ تم آخرت کے لیے زادراہ جمع کرو۔ تم نے اس کے بدلے اپنے نامۂ اعمال کو گناہ سے بھر لیا۔ کیا تم نے گمان نہیں کیا کہ اگر اسی گھڑی موت آجاتی تو ایسی صورت مین کیا کرتے؟ اے بے حیا نفس! کیوں خدا سے شرمندگی نہیں کی؟ اے جھوٹے اور اے منافق! تو خدا پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا اور قیامت کا عقیدہ رکھتا ہے، پھر کیوں اس کے مطابق عمل نہیں کرتا؟

اسی وقت توبہ کرے اور پکا ارادہ کرے کہ دوبارہ گناہوں کا مرتکب نہیں ہوگا اور گذرے ہوئے گناہوں کی تلافی کرے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے نفس کے عیبوں اور گناہوں کی لعنت و ملامت کرتا ہے تو وہ گناہوں کے ارتکاب سے پرہیز کرتا ہے۔''(۱)

اگر محسوس کرے کہ نفس سرکشی اور نافرمانی پر آمادہ ہے اور گناہ کو ترک کرنے اور توبہ کرنے پر تیار نہیں ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس امارہ سے مقابلہ کرے اور سختی سے اس پر عمل کرے اس صورت میں وہ ایک مناسب طریقہ سے تنبیہ کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر حرام غذا کھائی یا کوئی دوسرے گناہ کا مرتکب ہوا تو اس کے عوض میں تھوڑا مال خدا کی راہ میں دے دے، ایک یا کئی دن روزہ رکھے، اسی طرح لذیذ غذا کھانے یا ٹھنڈا پانی پینے اور دوسری لذیذ چیزیں کہ جو نفس کا تقاضہ ہیں، وقتی طور سے پرہیز کرے یا تھوڑی دیر کے لیے تیز دھوپ میں قیام کرے۔ بہرحال نہیں چاہئے کہ نفس امارہ کے

۱۔ غرر الحکم/ص/۶۹۶

مقابلہ میں سستی اور کمزوری کا مظاہرہ کرے، ورنہ وہ مسلط ہو جائے گا اور انسان کو ہلاکت کی وادی میں کھینچ لے جائے گا لیکن اگر تو اس کے مقابلہ میں سختی سے پیش آئے تو وہ سر تسلیم خم کر دے گا۔

اگر اس گھڑی میں، نہ نیک کام انجام دیئے اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا تو ایسی صورت میں بھی نفس کو مورد الزام ٹھہرائے کہ کس طرح تو نے اس گھڑی کو کہ جو عمر کا سرمایہ تھا ضائع کر دیا؟ تم اس گھڑی نیک عمل انجام دے سکتے تھے اور آخرت کے لیے زاد راہ اکٹھا کر سکتے تھے۔اے نقصان اٹھانے والے بد بخت! کیوں اس قیمتی موقع کو ہاتھ سے جانے دیا؟ اس روز جب کہ حسرت اور شرمندگی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، شرمندہ ہوگے۔

اسی ترتیب سے، پورے غور وفکر کے ساتھ ایک دوست کی طرح، اپنے روزانہ کے کاموں کا نفس کے ساتھ حساب و کتاب لے البتہ بہتر یہ ہے کہ اپنے حساب و کتاب کے نتائج کو ڈائری میں نوٹ کرے۔

خودسازی اور تزکیۂ نفس کے لئے محاسبہ اور مواخذۂ نفس کرنا ضروری امور میں شمار ہوتا ہے جو انسان بھی سعادت اور نیکی کا طالب ہو اسے چاہئے کہ وہ اس کی عنایت و مہربانی کو اختیار کرے۔ اگر چہ شروع میں یہ کام مشکل نظر آئے گا لیکن اگر پکا اور قوی ارادہ ہوگا تو بہت جلد سہل اور آسان ہو جائے گا اور نفسِ امارہ کنٹرول اور قابو میں آجائے گا۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا تم کو تمام عقلمندوں میں سب سے زیادہ عقلمند اور تمام بیوقوفوں میں سب سے بیوقوف کے بارے میں نہ بتاؤں؟

لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ فرمایئے: آپؐ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ عقلمند شخص وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور موت کے بعد کے لیے نیک عمل انجام دیتا ہے اور سب سے زیادہ بے وقوف شخص وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتا ہے اور دور دراز کی آرزوؤں میں لگا رہتا ہے۔''

اس شخص نے عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! اپنے نفس کا حساب و کتاب کس طرح کریں؟ آپؐ نے فرمایا: جب دن ختم ہو جائے اور رات داخل ہو تو اپنے نفس کی طرف رجوع کرو اور کہو! اے نفس! یہ دن بھی گذر گیا اور دوبارہ پلٹ کر نہیں آئے گا، اس دن سے متعلق خدا تم سے سوال کرے گا کہ تو نے

کس راستے پر اس کو گذار دیا اور کون سا عمل انجام دیا؟ کیا خدا کا ذکر اور حمد وثنا کی؟ کیا اپنے مومن بھائی کا حق ادا کیا؟ کیا دل سے اس کے غم واندوہ کو دور کیا؟ کیا اس کی غیر موجودگی میں اس کے اہل و عیال کی مزاج پرسی کی؟ کیا اس کی موت کے بعد اس کے لحاظ سے اس کے اہل وعیال کو ان کا حق دیا؟ کیا مومن بھائی کی غیبت سے اس کی آبرو کا دفاع کیا؟ کیا کسی مسلمان کی مدد کی؟ اس دن کیا کیا؟ پس جو کچھ بھی انجام دیا ہے، اسے ایک ایک کر کے یاد کرے، اگر دیکھے کہ نیک کام کو انجام دیا ہے تو اس توفیق کے ملنے پر خدا کا شکر ادا کرے اور اگر دیکھے کہ گناہ اور معصیت کا مرتکب ہوا ہے تو توبہ کرے اور پکا ارادہ کرے کہ بعد میں گناہ کا مرتکب نہیں ہوگا اور پیغمبرؐ اور ان کے اہل بیتؑ پر صلوات اور درود کے وسیلہ سے اپنے نفس سے گناہوں کی گندگی کو دور کرے اور اپنے نفس پر امیر المومنینؑ کی بیعت کو لازم کرے اور ان کے دشمنوں پر لعنت بھیجے۔ اگر اس طرح کرے گا تو خدا اس سے کہے گا: میں تم سے قیامت میں حساب و کتاب لینے میں سختی نہیں کروں گا کیونکہ تم میرے اولیاء سے محبت رکھتے ہو اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہو۔"(۱)

حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے فرمایا: "وہ شخص مجھ سے نہیں ہے جو ہر روز اپنے نفس کا حساب و کتاب نہ کرے، پس اگر نیک کام انجام دیا ہے تو خدا سے اس توفیق کی زیادتی کے لئے دعا کرے اور اگر گناہ کا مرتکب ہوا ہے تو استغفار اور توبہ کرے۔"(۲)

پیغمبر اکرمؐ نے جناب ابوذرؓ سے فرمایا: "عقلمند شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اوقات کو تقسیم کر لے، ایک وقت خدا کی مناجات کے لیے مخصوص کر دے، ایک وقت اپنے نفس کے حساب و کتاب کے لیے اور ایک وقت ان چیزوں پر غور وفکر کے لیے جو خدا نے اسے عطا کی ہیں۔"(۳)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: "اپنے نفس کو اپنے اعمال سے متعلق حساب و کتاب کے لیے تیار کرو۔ اس سے واجبات کو ادا کرنے کا مطالبہ کرو اور اس سے چاہو کہ وہ فانی دنیا سے فائدہ اٹھائے۔ آخرت کے لیے زادِ راہ بھیجے اور اس سفر کے لیے تیار ہو جائے، اس سے پہلے کہ اس سفر کے لیے اٹھائے جاؤ۔"(۴)

۱۔ بحار الانوار رج ر ۷، ص ر ۶۹ — ۲۔ کافی رج ر ۱، ص ر ۴۵۳

۳۔ بحار رج ر ۷، ص ر ۶۴ — ۴۔ غرر الحکم رص ر ۳۸۵

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''انسان پرضروری ہے کہ ایک وقت کو اپنے لیے معین کرے کہ جب وہ تمام کاموں سے فارغ ہوجائے اور اپنے نفس کا حساب و کتاب کرے، غور وفکر کرے کہ گذرے ہوئے رات و دن میں کون سے اچھے اور فائدہ مند کاموں کو انجام دیا اور کون سے برے اور نقصان دہ کاموں کا مرتکب ہوا ہے۔''(۱)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرو اور اس کو ایک شریک کی طرح سے حساب و کتاب میں شامل رکھو اور ایک طلبگار کی طرح سے اس سے اللہ کے حقوق کو ادا کرنے کا تقاضہ کرو اس لیے کہ سب سے نیک وسعید وہ شخص ہے جو اپنے نفس کے حساب و کتاب کے لیے تیار ہو۔''(۲)

علیؑ بن ابیطالبؑ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے نفس کا حساب خود لیتا ہے، وہ اپنے عیبوں سے واقف ہوجاتا ہے اور اپنے گناہوں سے پیچھے پلٹتا ہے۔ پھر اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور اپنے عیبوں کی اصلاح کرتا ہے۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''اس سے پہلے کہ قیامت میں تمہارا حساب و کتاب لیا جائے، اسی دنیا میں اپنا حساب و کتاب کرلو، کیونکہ قیامت میں لوگوں کا پچاس مقامات پر حساب و کتاب ہوگا اور ہر مقام ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس کے بعد اس آیت کو پڑھا ﴿**فی یوم کان مقداره خمسین الف سنة**﴾ ''وہ دن کہ جس کی مقدار پچاس سال ہوگی۔''(۴)

اس بیان کے خاتمہ میں یہ نکتہ لازمی ہے کہ انسان کو محاسبۂ نفس کے موقع پر اپنے نفس پر اعتماد و بھروسہ نہیں کرنا چاہئے اور خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اس لیے کہ نفس دھوکا دینے والا اور برائیوں کی طرف لے جانے والا ہے اور سیکڑوں حیلہ اور بہانہ سے وہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا ہے کہ انسان اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سے پہچانے اور اس پر عمل کرے۔ وہ گناہ کرنے اور عبادات کو چھوڑنے کی توجیہ پیش کرتا ہے۔ گناہوں کو معمولی بھول چوک تصور کرتا ہے۔ چھوٹی عبادتوں کو بڑا کر کے ظاہر کرتا ہے۔ انسان کو گھمنڈی بنا دیتا ہے۔ موت اور قیامت کو بھلا دیتا ہے، بیجا امیدوں اور آرزوؤں کو قوی کرتا ہے اور محاسبۂ نفس کو مشکل اور نا قابل عمل

۱۔ غرر الحکم، ص/ ۷۵۳ ۲۔ غرر الحکم، ص/ ۳۷۱
۳۔ غرر الحکم، ص/ ۶۹۶ ۴۔ بحار، ج/ ۷۰، ص/ ۶۴

قرار دیتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو برا سمجھتے ہوئے حساب و کتاب کرتا رہے۔ محاسبہ کرتے وقت پوری طرح سے غور و فکر اور سختی کرے اور شیطان اور نفس کی توجیہات اور تاویلات کو نہ سنے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''ان ہی میں کچھ لوگ ایسے ہیں، جنھوں نے اللہ کے ذکر کے لیے اس دنیا کو بدل قرار دیا ہے، لہٰذا ان کی تجارت اور معاملہ ان کو ذکر خدا سے نہیں روکتا ہے، وہ اپنے کاروبار کو خدا کے ذکر میں گذارتے ہیں۔ گناہوں کی معافی اور رحم سے متعلق آیتوں اور روایتوں کو غافلوں کے سامنے پڑھتے ہیں، عدل و انصاف کا فرمان دیتے ہیں اور خود بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔ برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور خود بھی اس سے بچتے ہیں۔ گویا دنیا کو طے کرلیا ہے اور آخرت میں پہنچ چکے ہیں لہٰذا انھوں نے اس دنیا کے باہر کی چیزوں کا مشاہدہ کرلیا ہے۔ گویا برزخ کے لوگوں کے چھپے ہوئے حالات سے آگاہ اور قیامت اور اس کے وعدے ان لوگوں پر ثابت ہو چکے ہیں لہٰذا غیبی پردوں کو دنیا والوں پر سے اس طرح ہٹاتے ہیں کہ گویا وہ ایسی چیزیں دیکھ رہے ہیں کہ جس کو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے اور ایسی چیزوں کو سن رہے ہیں کہ جو دوسرے نہیں سنتے۔ لہٰذا اگر ان کی عبادت اور گفت و شنید کے مقام کو تم اپنی عقل کے سامنے اس حالت میں مجسم کرلو کہ اپنے روزانہ کا نامۂ عمل کھلا ہوا ہے اور اعمال کے حساب و کتاب سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر چھوٹے اور بڑے کاموں سے کہ جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور ان کو انجام دینے میں انھوں نے کوتاہی کی ہے یا ان سے منع کیا گیا ہے اور وہ اس کے مرتکب ہوئے ہیں، ان سب کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ پس ہر ایک کا بوجھ اور وبال اپنے کاندھے پر ڈال لیتے ہیں اور خود کو اس کے انجام دینے میں کمزور دیکھتے ہیں۔ لہٰذا نالہ و فریاد و گریہ کرتے ہیں اور رونے اور گریہ سے اللہ کی درگاہ میں اپنی شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ پس تم ان لوگوں کو ہدایت کی نشانی اور اندھیروں میں چراغ کی حیثیت سے پاؤ گے کہ جن لوگوں کے چاروں طرف ملائکہ گھیرابندی کئے ہوں گے۔ ان لوگوں پر اللہ کا آرام و سکون نازل ہو گیا ہے۔ ان ہی لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور ان ہی لوگوں کے لیے عزت کی جگہیں مہیا کی جا چکی ہیں۔''(۱)

۱۔ نہج البلاغہ، کلام/۲۲۲۔

توبہ یا نفس کو پاک کرنا

پہلے سے بچے رہنا اور گناہ کو چھوڑ دینا، تہذیب نفس کا بہترین راستہ ہے۔ انسان گناہوں سے بالکل کنارہ کش رہے اور اپنی ذاتی صفت پاکیزگی وطہارت پر باقی رہے، یقیناً اس گناہگار سے افضل و بہتر ہے جو بعد میں توبہ کرے۔ جس شخص نے ابھی گناہ کا مزہ نہیں چکھا ہے اور اس کی عادت نہیں ڈالی ہے، اس کے لیے بہتر اور بہت ہی آسان ہے کہ وہ گناہ سے اپنی آنکھ بند رکھے یہاں تک کہ آدمی گناہ میں آلودہ ہو اور چاہے کہ اسے چھوڑ دے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''گناہ کو چھوڑ دینا توبہ طلب کرنے سے زیادہ آسان ہے۔''(۱)

گنہگار انسان کو رحمت خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اس لیے کہ اللہ کی طرف جانے، اس تک پہنچنے اور نفس کی اصلاح کرنے کا راستہ کبھی بھی بند نہیں ہوتا بلکہ مہربان خدا نے توبہ اور اس کی طرف پلٹنے کے راستہ کو گناہ گاروں کے لیے کھول رکھا ہے اور ان سے چاہتا ہے کہ وہ اس کی طرف پلٹ جائیں اور توبہ کے پانی سے اپنے نفس کی تختی کو گناہوں کی گندگی اور آلودگی سے دھو دیں۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''میرے ان بندوں سے کہ جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، کہو! خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ خدا تمام گناہوں کو بخش دے گا، وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''(۲۳۵)

پھر فرمایا: ''جس وقت مومنین تمہارے نزدیک آئیں ان سے کہو: تم پر سلام ہو، خدا اپنے اوپر رحمت اور مہربانی کو لازم جانتا ہے۔ تم میں سے جس نے لاعلمی کی وجہ سے برے کام انجام دیئے

۱۔ بحار، ج ۷۳، ص ۳۶۴   ۲۔ سورۂ زمر، ۵۳۔

ہیں، جب توبہ کر لیتا ہے اور خدا کی طرف واپس پلٹ جاتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے، بیشک خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"(۱)

توبہ کی ضرورت

ہم سوچ ہی نہیں سکتے کہ گناہگاروں کے لیے توبہ سے زیادہ کسی دوسری ضروری چیز کا وجود بھی ہے۔ جو شخص بھی خدا، پیغمبرؐ، قیامت، عذاب، ثواب، حساب، کتاب، جنت و دوزخ پر ایمان رکھتا ہے وہ یقیناً اور فوراً توبہ کی تردید نہیں کر سکتا۔ ہم جب اپنے نفس سے آگاہ ہیں اور اپنے گناہوں کی خبر رکھتے ہیں تو پھر کیوں توبہ کرنے سے غفلت کریں؟ کیا ہم قیامت، حساب و کتاب اور دوزخ کے عذاب پر یقین نہیں رکھتے ہیں؟ کیا ہم خدا کے وعدہ میں کہ اس نے فرمایا ہم گناہگاروں کو جہنم میں بہت ہی خراب عذاب میں مبتلا رکھیں گے، انکار کرتے ہیں؟ انسان کا نفس گناہ کے وسیلہ سے تاریک، سیاہ اور گندہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ممکن ہے کہ وہ انسانی صورت سے حیوان کی صورت میں بدل جائے۔ پھر ہم کس طرح اس بات کے منتظر ہیں کہ اس اندھیرے اور گندے نفس کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور جنت میں اللہ کے اولیاء کے ساتھ بیٹھیں گے؟ گناہ کرنے کی وجہ سے صراطِ مستقیم اور اللہ کی طرف پیش قدمی کے راستے کو چھوڑ چکے ہیں اور جانوروں کی وادی میں پہنچ چکے ہیں۔ ہم خدا سے دور اور شیطان کے قریب ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد بھی ہم امید رکھتے ہیں کہ آخرت کی دنیا میں اچھے اور کامیاب لوگوں میں ہوں گے اور جنت میں اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں گے! کس قدر بیجا اور غلط توقع ہے؟

اسی وجہ سے، گناہگار آدمی کے لیے کہ جو اپنی سعادت کی فکر کرتا ہے، سوائے توبہ، استغفار اور خدا کی طرف پلٹنے کے کون سا چارہ باقی رہ جاتا ہے؟ یہ اللہ کا بہت بڑا لطف و کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے توبہ کے راستے کو کھول رکھا ہے۔ ایک زہر کھایا ہوا آدمی اپنی صحت کی فکر کرتا ہے، کبھی بھی علاج اور جسم سے زہر نکالنے کی تردید اور تاخیر کو پسند نہیں کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر دیر

۱۔ سورۂ انعام، ۵۴۔

کی تو ہلاک ہو جائے گا۔ جبکہ گناہ نفس کے ہلاک کرنے والے ہرز ہر سے زیادہ مہلک ہے۔ اگر زہر، انسان کی چند روزہ دنیاوی زندگی کو خطرہ میں ڈالتا ہے تو گناہ، نفس کو ہمیشہ کے لیے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور انسان کی اخروی سعادت اور نیکی کو ختم کر دیتا ہے۔ اگر زہر انسان کو دنیا سے دور کرتا ہے تو گناہ انسان کو خدا سے دور کرتا ہے اور انسان خدا کے قریب ہونے اور اس سے ملنے کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہمارے لیے توبہ واستغفار ہر چیز سے زیادہ ضروری اور فوری عمل والی چیز ہے۔ کیونکہ ہماری معنوی سعادت اور زندگی اسی سے وابستہ ہے۔

خدائے متعال قرآن میں فرماتا ہے: ''اے مؤمنین! تم سب کے سب خدا سے توبہ کرو شاید کہ کامیاب ہو جاؤ۔''(۱)

ایک دوسری جگہ فرماتا ہے: ''اے مومنین! خدا سے توبہ کرو، پاک نیّت کے ساتھ توبہ، شاید کہ خدا تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے کہ جن درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔''(۲)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''ہر درد کے لیے ایک دوا ہے اور گناہوں کی دوا توبہ واستغفار ہے۔''(۳)

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''ہر بندے کے دل میں ایک سفید نقطہ ہوتا ہے، پس جب کبھی وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ سفید نقطہ ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لیتا ہے تو سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر گناہ کو ہمیشہ انجام دیتا ہے تو سیاہ نقطہ بھی دھیرے دھیرے زیادہ سیاہ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سفید نقطہ کو پوری طرح سے چھپا لیتا ہے۔ اس وقت وہ شخص کبھی بھی نیکی کی طرف نہیں پلٹتا ہے۔ یہی ہے خدائے عالی کا قول کہ اس نے فرمایا: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ''پوری طرح سے بلکہ ان کا قلب ان کی طرف نہیں پلٹتا۔''(۴)

۱۔ سورۂ نور، ۳۱۔ ۲۔ سورۂ تحریم، ۸۔

۳۔ وسائل، ج/۱۱۔ ص/۳۵۴ ۴۔ بحار، ج/۷۳، ص/۳۳۲

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''توبہ کرنے میں دیر کرنا ایک قسم کا غرور اور دھوکا ہے اور ہمیشہ دیر کرنا، پریشانی اور حیرت کی بات ہے۔ خدا کے سامنے عذر کرنا ہلاکت ہے اور گناہ پر اصرار کرنا، اللہ کے عذاب کی امید کا احساس دلاتا ہے جبکہ نقصان اٹھانے والے شخص کے علاوہ کوئی بھی اللہ کے عذاب کی امید کا احساس نہیں کرتا ہے۔''(۱)

بہتر ہوگا کہ تھوڑی دیر ہم اپنی فکر کریں، اپنے پچھلے گناہوں کو یاد کریں اور اپنے انجام کے بارے میں خوب غور و فکر کریں، اپنے حساب و کتاب کے موقع، اعمال کے ترازو، خدائے قہار کے سامنے شرمندگی، فرشتوں اور خدا کی مخلوق کے سامنے رسوائی، قیامت کی سختی اور اس کے انجام میں دوزخ کے عذاب اور اللہ سے ملاقات کی محرومی کو اپنی نگاہوں کے سامنے مجسم کریں اور اپنی ایک گردش اور اندورنی انقلاب کے ذریعہ خدا کی طرف پلٹ آئیں۔ اپنے پچھلے گناہوں کو زندگی بخشنے والے توبہ کے پانی سے دھوئیں۔ نفس کی گندگی اور کثافت کو دور کریں اور قطعی طور پر یہ ارادہ کرلیں کہ ہم گناہوں سے بچتے رہیں گے اور آخرت کے سفر اور اللہ کے راستہ پر چلنے اور اٹھنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

لیکن کیا شیطان اتنی آسانی سے ہم سے دست بردار ہو جائے گا؟ کیا وہ توبہ اور اللہ کی طرف پلٹنے کی اجازت ہم کو دے دے گا؟ وہی شیطان کہ جو ہم کو گناہ کرنے کے لیے ابھارتا ہے، توبہ سے منع کرے گا، گناہوں کو چھوٹا، معمولی اور بے اہمیت کر کے دکھائے گا۔ وہ ان کو اس طرح سے ہمارے ذہن سے نکال دے گا کہ ہم سب بھول جائیں گے۔ موت، حساب و کتاب اور عذاب کی فکر ہمارے دماغ سے نکل جائے گی اور اس طرح سے ہم کو دنیا میں مشغول کر دے گا کہ کبھی بھی توبہ اور استغفار کی فکر نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ موت آجائے گی اور ہم گناہ سے آلودہ نفس کے ساتھ دنیا سے چلے جائیں گے۔

افسوس ہم پر اور ہماری غفلت اور بدبختی پر....!!

توبہ کی قبولیت

اگر توبہ صحیح طور پر کی گئی ہے تو بارگاہ خداوندی میں ضرور قبول ہوگی اور یہ پروردگار کے لطف

۱۔ بحار، ج ۷۳، ص ۳۶۵

11

وکرم میں سے ایک ہے کہ خدا نے ہم کو دوزخ کے عذاب کے لیے نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ نیکی اور جنت کے لیے پیدا کیا ہے۔ پیغمبروںؑ کو بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو نیکی کی ہدایت کریں اور گناہگاروں کو توبہ اور خدا کی طرف پلٹنے کی دعوت دیں۔ ہر ایک کے لیے توبہ اور استغفار کا دروازہ کھول رکھا ہے اور اس کے لیے اپنی طرف دعوت دی ہے۔ اللہ کے پیغمبرؐ اور اولیاء لوگوں کو توبہ کی طرف بلاتے ہیں۔ مہربان خدا نے بہت سی آیتوں کے ذریعہ گناہگاروں کو اپنی طرف دعوت دی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ ان کی توبہ کو قبول کرے گا اور خدا کے وعدے جھوٹے نہیں ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ نے بھی سیکڑوں حدیثوں کے ذریعہ لوگوں کو توبہ اور اللہ کی طرف پلٹنے کی دعوت دی ہے اور امید رکھی ہے۔ نمونہ کے طور پر خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''وہ، وہ خدا ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو بخشتا ہے اور جو کچھ بھی تم انجام دیتے ہو، اس سے آگاہ ہے۔''(۱)

اور فرماتا ہے: ''یقیناً میں بہت زیادہ بخشنے والا ہوں، اس شخص کو کہ جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام انجام دے اور ہدایت پائے۔''(۲)

اور فرماتا ہے: ''جو لوگ کبھی برے کام انجام دیتے ہیں یا اپنے نفس پر ظلم وستم کرتے ہیں پھر خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں تو سوائے خدا کون ہے کہ جو ان کے گناہوں کو بخش دے اور وہ لوگ جو برے کاموں کو انجام دینے میں اصرار نہیں کرتے اور گناہوں کی برائی سے آگاہ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال کا انجام کامیابی اور وہ باغ ہیں کہ جن کے درختوں کے نیچے پانی کی نہریں جاری ہیں اور وہ اسی جگہ ہمیشہ کے لیے زندگی بسر کریں گے۔ عمل کرنے والوں کے لیے کتنی اچھی جزا ہے۔''(۳)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے اصلاً گناہ ہی نہ کیا ہو اور جو شخص ہمیشہ اسی طرح سے گناہ کرتا رہتا ہے اور زبان پر استغفار کا کلمہ جاری کرتا ہے وہ مذاق کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔''(۴)

۱۔ سورۂ شوریٰ، ۲۵۔ ۲۔ سورۂ طٰہٰ ۸۲۔
۳۔ سورۂ آل عمران، ۱۳۵۔ ۴۔ کافی ج۲، ص ۴۳۵

اسی طرح کی بہت سی آیتیں اور روایتیں موجود ہیں لہٰذا توبہ کے قبول ہونے میں کسی طرح کا انکار نہیں ہونا چاہئے بلکہ مہربان خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''یقیناً خدا توبہ کرنے والوں اور اپنے کو پاک رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''(۱)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''خدا کی خوشنودی اس کے بندہ کی توبہ سے ہے جو اس انسان کی خوشی سے زیادہ ہے کہ جس نے تاریک رات میں اپنی سواری، زادراہ اور اپنے توشہ کو کھو دیا ہو اور پھر بعد میں پالے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جس وقت بندہ خلوص دل سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرتا ہے تو خدا اس کو دوست رکھتا ہے اور اس کے گناہوں کو چھپا لیتا ہے۔

راوی نے عرض کیا: ''یابن رسول اللہؐ اس کے گناہوں کو کس طرح چھپا لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: دو فرشتے جو کہ اس کے اعمال کے لکھنے والے ہیں، اس بندہ کے گناہوں کو بھول جاتے ہیں۔ اس کے اعضاء و جوارح اور زمین کہ جہاں پر اس نے گناہ کیا ہے حکم دیتے ہیں کہ توبہ کرنے والے بندہ کے گناہوں کو چھپا دیں۔ پس وہ خدا سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ کوئی شخص اور کوئی چیز اس کے گناہوں کی گواہ نہیں ہوگی۔''(۳)

توبہ کیا ہے؟

توبہ نام ہے واقعی اور سچے دل سے گذشتہ گناہوں پر نادم و پشیمان ہونے کا اور جو شخص اپنے گناہوں پر نادم و پشیمان ہوتا ہے اسے تائب کہتے ہیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''ندامت اور پشیمانی توبہ ہے۔''(۴)

سچ ہے کہ خدا توبہ کو قبول کرتا ہے اور گناہوں کو بخش دیتا ہے لیکن صرف 'اَستَغفِرُ اللّٰہ' کہنا یا پشیمانی و شرمندگی کا اظہار، یہاں تک کہ رونا واقعی اور حقیقی دلیل و علامت توبہ نہیں ہے بلکہ تین علامتوں

۱۔ سورۂ بقرہ، ۲۲۲.
۲۔ کافی / ج ۲ / ص ۴۳۶
۳۔ کافی / ج ۲ / ص ۴۳۶
۴۔ حقائق / ص ۲۸۶

کے وجود سے واقعی اور حقیقی توبہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اول: خلوص دل سے پچھلے گناہوں سے بیزاری ونفرت پیدا کرنا اور اس پر پشیمان اور شرمندہ ہونا۔

دوم: آئندہ گناہ نہ کرنے کا حتمی ارادہ ہو۔

سوم: اگر گناہ کے اثر میں کوئی کام ایسا انجام دیا ہے کہ جو بدلہ اور تلافی کے قابل ہے تو مکمل ارادہ کرے کہ اس کا بدلہ اور تلافی کرے گا۔ مثلاً کسی انسان کا حق اس کے ذمہ ہے۔ یا کسی کا مال غصب کیا ہے یا چوری کیا ہے یا مٹا دیا ہے تو پکا ارادہ کرے کہ وہ پہلی فرصت میں اسے اس کے مالک کو لوٹا دے گا اور اگر اس کو لوٹانے میں عاجز ہے تو ہر ممکن طریقہ سے اس کے مالک کو راضی کرے۔ اگر غیبت اور برا بھلا کہا ہے تو اس سے معافی طلب کرے۔ اگر کسی پر ظلم وجور وتعدی کی ہے تو مظلوم کو راضی کرے اور اگر اپنے مال سے واجبی حقوق کو ادا نہیں کیا ہے تو ادا کر دے اور اگر نماز وروزہ، اس سے چھوٹ گئے ہیں تو ادا کرے۔[۲]

ایسا شخص جو واقعی اپنے پچھلے گناہوں پر پشیمان ہو تب اس کی توبہ قبول ہوگی لیکن اگر کوئی شخص زبان پر استغفار کا کلمہ جاری کرتا ہے لیکن دل سے اپنے گناہوں پر پشیمان نہیں ہے اور اس کے مقابلہ میں آئندہ گناہ چھوڑنے کا مکمل ارادہ نہیں رکھتا اور معافی والے گناہوں کی تلافی نہیں کرتا، یہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے توبہ کی ہی نہیں اور بیجا قبولیت توبہ کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ اگر چہ دعا کی مجلس میں شرکت کی ہے اور خدا کی مہربانی کے اثر کی بنیاد پر آنسو بھی بہائے ہیں اور چیخ وپکار بھی کی ہے۔

ایک شخص نے امیر المومنینؑ کے سامنے اپنی زبان پر استغفار کا کلمہ جاری کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے، کیا تم جانتے ہو کہ استغفار کیا ہے؟ استغفار بہت بلند لوگوں کا درجہ ہے، استغفار ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کا استعمال چھ معنی میں ہوتا ہے۔

(۱) پچھلے گناہوں سے پشیمانی۔

(۲) ہمیشہ کے لیے گناہ کو چھوڑ دینے کا پکا ارادہ۔

(۳) اس طرح لوگوں کے حقوق کو ادا کرنا کہ جس وقت خدا سے ملاقات کرے تو کسی کا حق اس کے ذمہ نہ ہو۔

(۴) پوری طرح سے توجہ کرے کہ واجب اس نے چھوڑا ہے، قضا کرے۔

(۵) گناہوں پر اس قدر رنجیدہ ہو کہ جو گوشت حرام غذا سے، اس کے بدن پر پیدا ہو گیا ہے، پانی ہو جائے اور بدن کی کھال ہڈیوں سے چپک جائے اور نیا گوشت نکل آئے گا۔

(۶) اپنے بدن کو اللہ کی اطاعت میں درد اور سختی کا مزہ چکھائے، جس طرح پہلے گناہ کی شیرینی کو چکھایا ہے، اس کے بعد یہ کہے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔ [1]

شیطان اتنا زیادہ مکار اور دھوکا دینے والا ہے کہ وہ کبھی کبھی انسان کو توبہ کرنے میں بھی دھوکا دے دیتا ہے ممکن ہے کہ گناہگار انسان دعا کی مجلس میں شرکت کرے اور اس کے اثر کو اس قدر قبول کرے کہ آنسو بہائے اور نالہ و فریاد کرے۔ شیطان کہتا ہے! بہت خوب بہت خوب کیسی حالت بنالی ہے؟ تم نے دوبارہ توبہ کر لی اور گناہوں سے پاک ہو گئے۔ ایسی حالت میں کہ نہ اس کا دل گناہ پر پشیمان ہوا، نہ اس نے پکا ارادہ کیا کہ آئندہ گناہ کا مرتکب نہیں ہو گا، نہ ہی پکا ارادہ کیا کہ لوگوں اور خدا کے حقوق کو ادا کرے گا۔ اس طرح کا عمل واقعی توبہ نہیں ہے اور نہ ہی نفس کے پاک ہونے اور آخرت کی نیکی حاصل کرنے کا سبب ہوتی ہے۔ اس طرح کے لوگ گناہ کے راستے سے نہیں پلٹتے ہیں اور نہ ہی خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

وہ چیزیں جن سے توبہ کرنی چاہئے

گناہ کیا ہے اور ہمیں کن گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کے راستہ پر چلنے، بڑھنے اور قریب ہونے میں رکاوٹ ڈالے، انسان کا دنیا سے لگاؤ پیدا کرے اور خدا سے توبہ کرنے کے لیے روکے رکھے گناہ میں شمار کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان سے بچتے رہنا چاہئے اور نفس کو اس سے پاک رکھے۔ گناہوں کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں! اخلاقی گناہ اور عملی گناہ۔

الف ـــ اخلاقی گناہ:

برے اخلاق اور برے صفات نفس کو گندہ اور آلودہ کرتے ہیں اور انسان کو صراط مستقیم پر

۱۔ وسائل رج ر۱۱، ص ر۳۶۱

چلنے اور اللہ کے قریب ہونے سے روکے رکھتے ہیں۔ اگر برے صفات نفس میں پیدا ہوجاتے ہیں تو وہ حکومت کا جزء ہوجاتے ہیں اور نفس پر حکومت کرنے لگتے ہیں اور ذات کے باطن کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ انسان کیسا ہونا چاہئے تھا، اس پر اثر ڈالتے ہیں۔ ہمیں نہیں چاہئے کہ اخلاقی گناہوں کو اخلاقی بہانہ قرار دے کر اسے چھوٹا اور معمولی شمار کریں اور اپنے نفس کو توبہ کے ذریعہ پاک کرنے سے غافل رہیں بلکہ اس گناہ سے نفس کو پاک کرنے کو ایک ضروری اور زندگی کی واجبی چیز شمار کریں۔

برے اخلاق یعنی دکھاوا، نفاق، غصہ، تکبر، خود بینی، تندخوئی، ظلم، مکروفریب، غیبت، بہتان، چغلخوری، عیب جوئی، بات بنانا، وعدہ خلافی، جھوٹ، حب دنیا، لالچ، کنجوسی، والدین کی نافرمانی، رشتہ داروں سے قطع تعلق، کفران نعمت واحسان فراموشی، فضول خرچی، حسد، بدزبانی وبدکلامی اور اسی طرح کے دوسرے برے صفات ہیں۔

ان صفات کی مذمت میں اور ان سے بچنے کے راستے، علاج، آثار علامتیں اور ان سے دنیا اور آخرت کی خرابیوں سے متعلق سیکڑوں آیتیں اور روایتیں وارد ہوئی ہیں اور اخلاقی کتابوں میں بحث اور تشریح کا موضوع قرار پائی ہیں کہ اس جگہ پر جسے بیان نہیں کرسکتے۔ آپ اخلاقی کتابوں اور حدیثوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

ب:۔ عملی گناہ:

تمام عملی گناہ میں سے چوری، قتل، زنا، لواط، سحق، سود دینا لینا، دوسروں کا مال غصب کرنا، معاملہ کرکے رک جانا، میدان جہاد سے بھاگنا، امانت میں خیانت کرنا، شراب اور تمام نشے والی چیزوں کا کھانا پینا، مردار، سور اور تمام حرام گوشت جانوروں کا گوشت کھانا، جوا کھیلنا یا شرط لگانا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، بے گناہ پر زنا کا الزام لگانا، واجب نمازوں کا ترک کرنا، واجب روزوں کا ترک کرنا، حج نہ کرنا، واجبات کو ترک کرنا اور حرام کاموں کی دعوت دینا، نجس غذا کھانا وغیرہ حرام ہے۔ یہ گناہ بھی حدیث اور فقہی کتابوں میں بحث کا موضوع قرار پائے ہیں کہ جن کی اس جگہ پر وضاحت اور تشریح ممکن نہیں ہے۔ آپ اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

یہ مشہور و معروف گناہ ہیں کہ جن سے انسان کو بچتے رہنا چاہئے اور اس میں مبتلا ہونے کی صورت میں توبہ کرے اور خدا کی طرف پلٹ جائے۔

اس کے علاوہ دوسرے گناہ بھی ہیں جو مشہور نہیں ہیں۔ جن کو گناہ کے عنوان سے نہیں پہچنوایا گیا ہے لیکن اللہ کے منتخب اور اولیائے خدا کے لیے وہ گناہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً! مستحبات کو چھوڑنا، مکروہات کو انجام دینا، یہاں تک کہ گناہ کا تصور، خدا کے علاوہ کسی دوسری طرف توجہ، نفسانی خواہشات، شیطانی وسوسے جو انسان کو خدا کی یاد سے غافل کر دیتے ہیں۔ یہ سب کے سب خدا کے اولیاء کے لیے گناہ میں شمار ہوتے ہیں اور وہ ان سے توبہ کرتے ہیں۔ ان سے زیادہ بڑھ کر، خدا کی صفات اور افعال کو پوری طرح سے نہ جاننے کی غلطی کو بھی جو کہ ہر انسان کے وجود میں ممکن ہے ان کے مقابلہ میں اللہ کے چنے ہوئے اور ممتاز لوگ اسے نقص اور گناہ میں شمار کرتے ہیں، اس طرح کے نقص کا احساس ان کے بدن میں کپکپاہٹ ڈال دیتا ہے اور وہ روتے بلکتے ہوئے خدا کی طرف پلٹ جاتے ہیں اور توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ پیغمبروںؑ اور ائمہ معصومینؑ کا توبہ واستغفار اسی طرح کا ہوگا۔

امام جعفر صادقؑ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''رسولؐ خدا ہر روز گناہ نہ کرنے کے باوجود ستر مرتبہ توبہ کرتے تھے۔''(۱)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''کبھی کبھی اندھیرا ہمارے دل میں داخل ہو جاتا ہے اسی وجہ سے ہم دن ورات میں ستر مرتبہ استغفار کرتے ہیں۔''(۲)

۱۔ کافی / ج ۲ / ص / ۴۵۰ ۲۔ محجۃ البیضاء / ج / ۷، ص / ۱۷

دوسرا باب:

تحلیہ یا نفس کی پرورش اور تکمیل

تحلیہ یعنی نفس کی پرورش اور تکمیل

نفس کے پاک وصاف کرنے کے بعد نفس کی تربیت اور تکمیل کی نوبت آتی ہے کہ جسے اصطلاح میں ''تحلیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ عقلی علوم میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کا نفس کچھ بننے اور قبول کرنے کی حالت سے جڑا ہوا ہے۔ اس کا عمل اس کی قوت اور صلاحیت سے جڑا ہوا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اپنی صلاحیتوں کو عمل میں تبدیل کرتا ہے۔ ابتدا سے ہی وہ نامکمل ہوتا ہے۔ کامل نہیں ہے بلکہ رفتہ رفتہ خود کو بناتا ہے اور اپنے ذاتی جوہر کی پرورش کرتا ہے۔ اگر صراط مستقیم پر حرکت کرتا ہے تو رفتہ رفتہ کامل اور کامل تر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کمال کی آخری حد تک پہنچ جاتا ہے اور اگر اس سے منحرف ہو گیا اور گمراہی کے راستے پر قدم رکھ دیا تو رفتہ رفتہ انسان کے انتہائی کمال سے دور ہو جاتا ہے اور جانوروں کی ہولناک وادی میں داخل ہو جاتا ہے۔

خدا کے قریب ہونا

جاننا چاہئے کہ انسان کی حرکت ایک واقعی حرکت ہے، فرضی نہیں ہے۔ یہ حرکت صرف اس کی روح سے جڑی ہوئی ہے، جسم وتن سے نہیں اور اسی طرح سے یہ حرکت ذاتی ہے، عارضی نہیں۔ اس حرکت میں، انسان کا ذاتی جوہر حرکت کرتا ہے اور یہ حرکت اور ہی طرح کی ہے۔ اسی وجہ سے انسان کی حرکت کا راستہ ایک واقعی راستہ ہے اعتباری اور مجازی نہیں لیکن متحرک ذات سے حرکت کا راستہ جدا نہیں ہے بلکہ متحرک ذات کے باطن میں حرکت کرتا ہے اور راستہ خود بناتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر حرکت غرض و غایت رکھتی ہے، انسان کی ذاتی حرکت کی

غرض وغایت کیا ہے؟ اس دنیا میں لوگ کس غرض وغایت کی طرف حرکت کرتے ہیں اور آخر میں ان کی قسمت کا لکھا انہیں کہاں گھسیٹ کے لے جاتا ہے؟

آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، انسانوں کی حرکت کے لیے جو غرض وغایت لکھی گئی ہے، وہ خدا کے قریب ہونا ہے لیکن تمام انسان صراط مستقیم پر حرکت نہیں کرتے ہیں اور قرب الٰہی کے مرتبہ پر نہیں پہنچ پاتے۔

قرآن انسانوں کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے: اصحاب میمنہ یعنی داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والے لوگ، اصحاب مشأمۃ یعنی بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والے لوگ اور سابقون یعنی پہلے سے بلند مقام پر پہنچے ہوئے لوگ اور تیسرے قسم کے لوگوں کی یعنی خدا کے قریب ہونے والے لوگوں کی مقربین کے عنوان سے تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''تم لوگ تین حصوں میں ہو! داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والے اور تم کیا جانو کہ داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والے اور بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والے لوگ کون تھے؟ اور تم کیا جانو کہ وہ لوگ کون ہیں؟ اور عمل میں آگے بڑھ جانے والے لوگ، جنت میں اور پروردگار کی رحمت حاصل کرنے کے لیے بھی سبقت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے قریب ہوں گے اور نعمت والی جنت میں رہیں گے۔''(۱)

اصحاب میمنہ یعنی سعادت مند لوگ، اصحاب مشأمہ یعنی بد بخت لوگ اور سابقین یعنی آگے بڑھنے والے لوگ وہ ہوں گے جو صراط مستقیم کو طے کرنے والے لوگوں میں دوسروں سے سبقت لے گئے اور اللہ کے قریب ہونے کے مقام تک پہنچ گئے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کی حرکت کی غرض و غایت، قرب الٰہی ہے۔

ایک دوسری آیت میں خدا فرماتا ہے: ''اگر اللہ کے قریب ترین لوگوں میں ہوگا تو قیامت میں آسایش وآرام، جنت کی نعمتوں اور آرام دہ جنت سے فائدہ اٹھائے گا جو کہ خدا کا عطیہ ہے اور اگر دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والے لوگوں میں ہوگا تو داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال رکھنے والے

ا۔ سورۂ واقعہ، ۱۲۔

لوگوں کی طرف سے تم پر خصوصی طور پر سلام ہوگا اور اگر منکر اور گمراہ لوگوں میں سے ہوگا تو دوزخ کا گرم پانی ان پر ڈالا جائے گا اور ان کے رہنے کی جگہ جہنم ہوگی۔"(۱)

ایک دوسری آیت میں بھی فرمایا: "ایسا نہیں ہے جو کافروں نے سمجھ لیا ہے بیشک نیک لوگوں کی جگہ علیین میں ہوگی۔ تم کیا جانو کہ علیین کیا چیز ہے؟ ایک ایسا نوشتہ ہے جو خدا کی جانب سے پختگی اور یقین کے لئے بھیجا گیا ہے اور اللہ کے قریب ترین لوگ اس مقام کا مشاہدہ کریں گے۔"(۲)

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا انتہائی کمال اور حرکت کی غرض و غایت اللہ کے قریب ہونا ہے۔ اللہ کے چنے ہوئے لوگوں نے، جنہوں نے انسانیت کے سیدھے راستہ پر حرکت کی وہ اس مقام تک پہنچے۔ اسی وجہ سے مقربین کا گروہ نیک لوگوں میں ممتاز گروہ ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: "جس وقت ملائکہ نے کہا! اے مریمؑ! خدا نے تم کو ایک کلمہ یعنی عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی بشارت دی ہے کہ جو دنیا آخرت میں خدا کے نزدیک عزت والا ہے اور جو خدا کے قریب ترین لوگوں میں سے ہوگا۔"(۳)

آیتوں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے بلند پایہ اور شائستہ بندے کہ جنہوں نے ایمان، یقین اور نیک اعمال میں دوسروں سے سبقت حاصل کی۔ وہ قیامت میں بہت بلند مقام پر ہوں گے جو قرب کا مقام ہوگا اور کچھ آیتوں کے حساب سے عِندَ مَلِیکٍ مُقتَدِرٍ یعنی اقتدار والی ملکیت کا مقام بتایا گیا ہے، شہداء بھی اسی مقام پر فائز ہوں گے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: "جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کردیئے گئے ہیں ان کے بارے میں گمان نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے روزی پاتے ہیں۔"(۴)

اسی وجہ سے انسان کا انتہائی کمال اور راستہ طے کرنے والے لوگوں کی آخری منزل خدا کا قرب ہے۔

۱۔ سورۂ واقعہ، ۸۸۔۹۴۔
۲۔ سورۂ مطففین، ۲۱۔
۳۔ سورۂ آل عمران، ۴۵۔
۴۔ سورۂ آل عمران، ۱۶۹۔

خدا کے قریب ہونے کے معنی

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ خدا کے قریب ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور کس طرح کی فکر پیدا کرے کہ انسان خدا کے نزدیک ہوگا؟ قرب کے معنی نزدیک ہونا ہے اور یہ تین طرح سے استعمال ہوگا:

قرب مکانی:

جب دو موجود چیزیں جگہ کے اعتبار سے قریب ہوں گی تو کہا جائے گا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

قرب زمانی:

جب دو چیزیں وقت یعنی زمانے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہوں گی تو کہا جائے گا! یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ بندوں کا خدا سے قریب ہونا مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہے اس لئے کہ خدا زمان اور مکان میں واقع نہیں ہوتا کہ کسی چیز کی اس کی طرف نسبت زمان اور مکان کے قرب کے حساب سے دی جائے بلکہ خدا زمان ومکان کا خالق ہے اور ان پر محیط ہے۔

قرب مجازی:

کبھی یوں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں شخص کے قریب اور نزدیک ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کا احترام اور لگاؤ اسی شخص سے ہوتا ہے اور اس کی خواہشوں کو وہ پورا کرتا ہے۔ یہ نزدیکی مجازی، اعتباری اور تشریفاتی ہے نہ کہ حقیقی۔

کیا بندوں کا اللہ کے قریب ہونا اس قسم کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مگر یہ صحیح ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں سے لگاؤ رکھتا ہے اور ان کی آرزؤں کو پورا کرتا ہے لیکن بندوں کا خدا کے قریب ہونا، اس قسم کا نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ پہلے ہی اشارہ کیا گیا ہے! عقلی علوم سے یہ ثابت ہو چکا ہے اور آیتیں اور حدیثیں بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان کی ذاتی حرکت اور صراط مستقیم اس کی ایک واقعی اور حقیقی بات ہے نہ کہ اعتباری اور تشریفاتی۔ خدا کی طرف رجوع کرنا جس کے لیے یہ سبھی آیتیں اور حدیثیں

آئی ہیں حقیقت اور واقعیت رکھتی ہیں اور یہ اعتباری نہیں ہوسکتیں۔ نمونہ کے طور پر:

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''اے مطمئن نفس! اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ اس حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔''(۱)

اور فرماتا ہے: ''جو شخص بھی نیک عمل انجام دے، اس کا فائدہ خود اس کو پہنچے گا اور جو شخص برے عمل کا مرتکب ہوگا، اس کے عمل کا نقصان خود اس کو پہنچے گا، اس وقت تم سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آؤ گے۔''(۲)

اور فرماتا ہے: ''وہ لوگ جو مصیبت کے موقع پر کہتے ہیں: ہم خدا کے لئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کے جانے والے ہیں۔''(۳)

بہر حال اللہ کی طرف رجوع، صراط مستقیم اور نفس کا کمال، واقعی باتیں ہیں، اعتباری اور تشریفاتی یعنی عزت دینے والی نہیں۔ خدا کی طرف انسان کی حرکت، ایک جانی بوجھی اور اختیاری حرکت ہے کہ جس کا نتیجہ مرنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ وجود کے آغاز سے یہ حرکت شروع ہوتی ہے اور موت کے وقت تک باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے خدا کے قریب ہونا بھی ایک امر واقعی ہے اور اللہ کے نیک اور شائستہ بندے واقعی خدا کے نزدیک ہوتے ہیں اور اللہ کے گناہگار بندے واقعی خدا سے دور ہوجاتے ہیں لہٰذا دیکھنا چاہئے کہ خدا کے قریب ہونے کے معنی کیا ہیں؟

خدا کے قریب ہونا، جانا پہچانا قریب ہونا نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسری قسم ہے کہ اسے قرب کمالی اور درجہ وجودی کا نام دیا جاتا ہے، مطلب کو واضح کرنے کے لیے ہم ایک تمہید کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حکمت اور اسلامی فلسفہ کی کتابوں میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ وجود اور زندگی بے شک حقیقی ہے جو مختلف مرتبے اور درجے رکھتی ہے۔ وجود، نور کی طرح ہے کہ جس کے مضبوط اور کمزور درجے ہوتے ہیں۔ نور کا سب سے نچلا مرتبہ مثلاً ایک وولٹ ہے یہاں تک کہ بلند ترین نور کا مرتبہ کہ وہ بھی سوائے نور کے کچھ نہیں ہے۔ بلند ترین اور نچلے ترین مرتبوں کے بیچ میں نور کے مرتبوں کا وجود

۱۔ سورۂ فجر ۲۸ ۲۔ سورۂ جاثیہ، ۱۵۔ ۳۔ سورۂ بقرہ، ۱۵۶

ہے کہ جو سب کے سب نور ہیں۔ جن میں فرق زیادہ اور کم سے ہے۔ وجود کے بھی اسی طرح سے مختلف مرتبے ہوتے ہیں کہ جن میں فرق، زیادہ اور کم سے ہوتا ہے۔ وجود کا سب سے نچلا مرتبہ، طبیعت اور مادہ کا وجود ہے اور بلند ترین مرتبہ، خدائے عالی کی مقدس ذات ہے کہ جو وجودی کمال کی حیثیت سے لامتناہی ہے، ان دو مرتبوں کے بیچ، ہم وجود کے درجات رکھتے ہیں کہ جن میں فرق بھی شدت اور ضعف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوگیا کہ جس قدر وجود مضبوط تر ہوگا، اس کا درجہ اسی قدر بلند تر اور کامل تر ہوگا۔ اسی مناسبت سے وہ خدا کی ذات مقدس اور ختم نہ ہونے والے خدائے بلند و عالی کے نزدیک تر ہوگا اور اس کے برخلاف جس قدر کمزور تر ہوگا اسی مناسبت سے واجب الوجود یعنی خدا کی ذات سے دور تر ہو جائے گا۔

اب ذکر کیے ہوئے مقدمہ کے تناظر میں قرب خدا اور تعبد الٰہی کے معنی کا تصور کر سکتے ہیں۔ انسان روح کے لحاظ سے ایک اکیلی و مجرد حقیقت ہے کہ جو کام کی وجہ سے مادہ سے تعلق رکھتی ہے اور اسی لحاظ سے حرکت کرتی ہے اور کامل اور کامل تر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کے آخری مرتبہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حرکت کے آغاز سے مقصد تک پہنچنے میں وہ ایک شخص اور ایک حقیقت سے زیادہ نہیں ہے لیکن کمال حاصل کرنے میں وہ جتنی زیادہ کوشش کرتا ہے، اتنا ہی وہ اپنے وجود کے مرتبہ پر آگے چلتا اور اٹھتا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے وجود کے سرچشمہ یعنی غیر متناہی ذات اور مقدس خدائے عالی کے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔ انسان ایمان اور نیک اعمال کے واسطے سے اپنے وجود کو کامل اور کامل تر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے، زندگی کے کمال اور جمال کے سرچشمہ سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے اور خود بھی بہت سارے آبشار کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

اس وضاحت سے یہ ظاہر ہوگیا کہ انسان کی حرکت اور اوپر اٹھنا ایک ختم نہ ہونے والے مقصد کی طرف ہوتی ہے اور ہر شخص اپنی کوشش و تلاش کے حساب سے اللہ کے قریب ہونے کے مرتبہ کو حاصل کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، قریب ہونے کا مقام ایک نقطہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جو متعدد درجے اور مرتبے رکھتی ہے۔ قریب ہونا ایک نسبتی اور اضافی بات ہے۔ انسان جتنی کوشش کرے گا وہ اتنا ہی بلند مقام حاصل کرے گا اور بہت سارے فائدوں اور برکتوں سے بہرہ مند ہوگا۔

نفسانی کمالات کی بنیاد ایمان ہے

نفسانی کمالات اور اللہ کے قریب ہونے کے لیے حرکت کی بنیاد ایمان اور معرفت ہے۔ راستہ طے کرنے والے کو چاہیئے کہ حرکت سے پہلے، اپنی حرکت کے مقصد اور غرض و غایت کو خوب اچھی طرح سمجھ لے اور ذہن نشین کرے کہ کہاں جانا ہے اور کس راستہ سے جانا ہے۔ ورنہ وہ مقصد تک نہیں پہنچ پائے گا۔ خدا پر ایمان، انسان کی حرکت اور جستجو کو بتاتا ہے اور اس کے مقصد کو واضح کرتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ صراط مستقیم طے کرنے سے عاجز ہوں گے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''وہ لوگ جو خدا اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہوں گے۔''(۱)

اور فرماتا ہے: ''بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور گمراہی میں کافی عرصہ سے گرفتار ہوں گے۔''(۲)

کافر انسان جو خدا کے وجود اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا وہ کمال کے عالم سے الگ ہو چکا ہے اور وہ پوری طرح سے مادہ، مادیات اور حیوانی خواہشات کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی حرکت کا مقصد اور غرض و غایت سوائے دنیاوی چیزوں کے کچھ اور نہیں ہوتا۔ وہ کمال کے راستہ پر نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ خدا کے قریب ہونے کا کوئی امکان پیدا ہو سکے۔ اس کی حرکت کی سمت دنیا ہے اور انسانیت صراط مستقیم سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کافر کوئی نیک کام انجام دے تو یہ اس کے نفسانی کمال اور خدا سے قریب ہونے کا وسیلہ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس نے وہ کام خدا کے لیے اور اس کے قریب ہونے کے ارادہ سے انجام نہیں دیا ہے کہ جو اس کے لئے مفید ہو بلکہ دنیا کے ارادہ سے انجام دیا ہے اور وہ اس کا نتیجہ بھی اسی دنیا میں ظاہر ہوگا اور قیامت میں اس کے لیے کوئی اثر نہیں ہوگا۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''ان لوگوں کی مثال جو اپنے پروردگار کے منکر ہیں، ان کے اعمال راکھ کے مثل ہیں کہ جو تیز آندھی سے ادھر ادھر بکھر جاتی ہے اور جو کچھ بھی انہوں نے حاصل کیا

۱۔ سورۂ مومنون، ۷۴۔ ۲۔ سورۂ سبا، ۸۔

ہے اس کی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے، یہ بھی وہی گمراہی اور نجات کے راستے سے دوری ہے۔"(۱)

بہر حال اعمال کی بنیاد ایمان ہے جو اس کے لئے مفید ہے۔ اگر مومن کی جان، ایمان اور توحید کے کلمہ سے ملی ہوئی ہو تو وہ نورانی ہوگی اور خدا کی طرف بڑھے گی اور نیک عمل بھی اس کی مدد کرے گا۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: "جو شخص عزت چاہتا ہے تو اسے جاننا چاہئے کہ تمام عزتیں خدا کے پاس ہیں۔ توحید کا نیک اور اچھا کلمہ اور نیک عمل اس کو بلند کر دیتا ہے۔"(۲)

نیک عمل انسان کی روح کو بلند کرتا ہے اور اللہ کے قرب تک پہنچاتا ہے اور اس کے لیے پاک و پاکیزہ اور اچھی زندگی فراہم کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایمان رکھتا ہو۔ روح بغیر ایمان ظلمت و تاریکی ہے اور ایسی روح تقرب الٰہی اور پاک و پاکیزہ زندگی حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: "جو شخص بھی نیک اعمال انجام دے، چاہے مرد ہو یا عورت، ایسی حالت میں کہ وہ مومن ہو، ہم اسے پاک و پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔"(۳)

لہٰذا راستہ طے کرنے والے انسان کو چاہئے کہ وہ شروع میں اپنے ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے جد و جہد کرے جتنا زیادہ اس کا ایمان قوی اور مضبوط ہوگا اتنا ہی زیادہ کمالات کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوگا۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: "خدا تم لوگوں میں سے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں بلند کرتا ہے اور جو لوگ علم رکھتے ہیں ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ خدا ان تمام باتوں سے جو تم انجام دیتے ہو واقف ہے۔"(۴)

۱۔ سورۂ ابراہیم، ۱۸۔ ۲۔ سورۂ فاطر، ۱۰۔
۳۔ سورۂ نحل، ۹۷۔ ۴۔ سورۂ مجادلہ، ۱۱۔

کمال اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے اسباب

نفس کے کمال اور خدا کے قریب ہونے کے لیے چند وسیلوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ اہم ترین وسیلوں کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔ پہلے خدا کا ذکر، دوسرے فضائل اور اچھے اخلاق کی تربیت، تیسرے نیک عمل، چوتھے جہاد اور شہادت، پانچویں خدا کی مخلوق کی خدمت اور احسان، چھٹے دعا، ساتویں روزہ۔ ان تمام ذکر کئے ہوئے وسائل کو ہم اس پوری کتاب میں واضح کریں گے۔

☆☆☆

پہلا وسیلہ

ذکرِ خدا

پروردگار عالم سے قریب ہونے کے لیے ذکر خدا، باطنی حرکت، سیر وسلوک کا نقطۂ آغاز جانا جاسکتا ہے، راستہ طے کرنے والا انسان ذکر کے وسیلہ سے رفتہ رفتہ مادی دنیا سے بلند ہوجاتا ہے اور عالم نورانیت میں قدم رکھ دیتا ہے۔ نیز کامل سے کامل تر ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قریب ہوجاتا ہے۔ خدا کی یاد، عبادتوں کی روح اور شریعت کے اہم ترین غرض وغایت کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ ہر عبادت کی قدر وقیمت بندہ کی توجہ کے حساب سے ہوتی ہے۔ ذکرِ خدا سے متعلق آیات واحادیث میں بہت ساری سفارشیں کی گئی ہیں۔ نمونہ کے طور پر:

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''اے صاحبان ایمان خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو۔''(۱)

اور فرماتا ہے: ''عقلمند وہ لوگ ہیں کہ جو اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں اے پروردگار! تو نے اس عظیم خلقت کو بیہودہ اور بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک و پاکیزہ ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔''(۲)

اور فرماتا ہے: ''جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور اپنے پروردگار کو یاد کیا اور نماز پڑھی وہ کامیاب ہوگیا۔''(۳)

اور فرمایا: ''اپنے پروردگار کا نام صبح وشام لو۔''(۴)

۱۔ سورۂ احزاب، ۴۱۔
۲۔ سورۂ آل عمران، ۱۹۱۔
۳۔ سورۂ اعلیٰ، ۱۵۔
۴۔ سورۂ انسان، ۲۵۔

اور فرمایا: ''اپنے پروردگار کو بہت زیادہ یاد کرو، دن رات اس کی تسبیح کرو۔''(۱)
اور فرمایا: ''جس وقت تم اپنی نماز پڑھ چکو تو خدا کو اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے یاد کرو۔''(۲)
حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جو شخص بھی خدا کا ذکر زیادہ کرتا ہے خدا اس کو جنت میں اپنے لطف و کرم کے سایہ میں رکھے گا۔(۳)

امام جعفر صادقؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''جتنا ہو سکے خدا کا ذکر کرو، دن اور رات کی گھڑیوں میں سے ہر گھڑی، اس لیے کہ خدا نے تم کو بہت زیادہ ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ خدا اس مؤمن کو یاد کرتا ہے جو اس کو یاد کرتا ہے۔ جان لو کہ کوئی مومن بندہ، خدا کو یاد نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ خدا بھی اس کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتا ہے۔''(۴)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدائے عالی نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: رات دن میں میرا ذکر زیادہ کرو۔ ذکر کرنے کے وقت خضوع و خشوع، بلا و مصیبت کے وقت صبر اور مجھے یاد کرنے کے وقت آرام و سکون کے ساتھ میری عبادت کرو اور میرا کسی کو شریک مت قرار دو، تم سب کا پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اے موسیٰؑ! مجھے اپنا ذخیرہ قرار دو اور باقی رہنے والے نیک کاموں کا خزانہ میرے پاس چھوڑ دو۔''(۵)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''ہر چیز کے لیے ایک حد اور انتہا ہے، سوائے ذکر خدا کے کہ جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ خدا کے کچھ واجبات ہیں جو شخص اس کو انجام دیتا ہے، وہی اس کی حد ہے۔ ماہ رمضان کا روزہ بھی محدود ہے، حج بھی محدود ہے کہ جسے انجام دینے کے بعد وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف خدا کے ذکر کی کوئی حد نہیں ہے اور بزرگ و برتر خدا اس ذکر کی قلیل مقدار پر اکتفا نہیں کرتا ہے۔ اس کے بعد اس آیت کو پڑھا! ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْراً كَثِيراً وَّ سَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلاً ﴾ ''اے ایمان لانے والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی عبادت کرتے رہو۔'' خدائے بزرگ نے اس آیت میں ذکر کے لیے کسی حد کا تعین نہیں کیا ہے۔

۱۔ سورۂ آل عمران، ۴۱۔ ۲۔ سورۂ نساء، ۱۰۳۔ ۳۔ وسائل، ج ۴، ص ۱۱۸۲
۴۔ وسائل، ج ۴، ص ۱۱۸۳ ۵۔ وسائل، ج ۴، ص ۱۱۸۲

اس وقت آپؑ نے فرمایا: ''میرے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ بہت زیادہ ذکر کرنے والے تھے۔ میں ان کے ساتھ راستہ چلتا تھا اور وہ خدا کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا اور وہ ذکر کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جس وقت وہ لوگوں سے بات چیت کرتے تھے اس وقت بھی خدا کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی زبان ان کے منھ سے جڑی رہتی تھی اور لاالـہ الااللہ کہتے رہتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد ہم سب کو جمع کرتے اور حکم دیتے کہ سورج نکلنے کے وقت تک ہم ذکر کریں۔

یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: کیا ہم تمہیں بہترین عمل کی خبر نہ دیں کہ جو ہر عمل سے زیادہ تمہارے درجات کو بلند کرتا ہے؟ اور خدا کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ پاکیزہ اور مرغوب ترین چیز ہے؟ اور تمہارے لیے درہم و دینار سے زیادہ بہتر، یہاں تک کہ خدا کی راہ میں جہاد سے زیادہ افضل ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: خدا کا ذکر زیادہ کیا کرو۔

اس وقت امامؑ نے فرمایا: ''ایک مرد نے رسولؐ خدا کی خدمت میں عرض کیا! مسجد میں رہنے والوں میں بہترین شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو دوسروں سے زیادہ خدا کا ذکر کرے۔ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: جو شخص ذکر کرنے والی زبان رکھتا ہے اسے دنیا اور آخرت کی خیر و برکت عطا کی جا چکی ہے۔''(۱)

رسولؐ خدا نے جناب ابوذرؓ سے فرمایا: ''قرآن کی تلاوت کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو۔ اس لیے کہ تمہارے ذکر کا پھل آسمانوں میں ہوگا اور زمین میں تمہارے لیے نور ہوگا۔''(۲)

حضرت امام حسنؑ نے پیغمبرؐ اکرم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بہشت کے باغوں کی طرف سبقت کرو۔ اصحاب نے عرض کیا: بہشت کے باغات کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ذکر کی مجلسیں۔''(۳)

۱۔ وسائل، ج ۴، ص ۱۱۸۱ ۲۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۵۴

۳۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۵۶

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص غفلت کرنے والوں کے درمیان خدا کا ذکر کرنے والا ہو وہ جنگ سے بھاگنے والوں کے درمیان مجاہد کے مثل ہے اور مجاہد کے لیے بہشت واجب ہے۔''(۱)

رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''بہشت کے باغوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ بہشت کے باغ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: خدا کے ذکر کی مجلسیں، صبح و شام خدا کا ذکر کرتے رہو جو اپنی منزلت اور اپنا مقام دیکھنا چاہتا ہے وہ یہ دیکھے کہ اس کے نزدیک خدا کی منزلت کیسی ہے؟ کیونکہ خدا اپنے بندہ کو اس مقام تک پہنچاتا ہے جس مقام کو بندہ نے خدا کے لیے اختیار کر رکھا ہے۔ جان لو کہ تمہارے پروردگار کے نزدیک بہترین اعمال اور ان میں سب سے زیادہ پاکیزہ ترین جو ہر عمل سے بہتر ہو اور تمہارے درجات کو بلند کرے اور تمہارے لیے اس سے بہتر ہو کہ جس پر سورج چمک رہا ہو، خدا کا ذکر ہوگا۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے: میں اس کا ہم نشین ہوں کہ جو مجھے یاد کرے۔''(۲)

وہ آیتیں اور حدیثیں جو نمونہ کے طور پر ذکر ہوئی ہیں اس سے ذکر کی فضیلت اور اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ اب چاہئے کہ ہم دیکھیں کہ ذکر خدا کا مقصد کیا ہے؟

ذکر کا مقصد

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ خدا کا ذکر ایک بڑی عبادت، خود کو سنوارنے کا ذریعہ، نفس کو کامل کرنے اور اللہ تک پہونچنے کا راستہ ہے۔ اب چاہئے کہ ہم دیکھیں کہ ذکرِ خدا کا مقصد جو کہ آیتوں اور روایتوں میں آیا ہے کیا ہے؟ کیا اس سے مراد یہی لفظی ذکر جیسے **سبحان اللہ، الحمد للہ** اور **لا الہ الا اللہ** ہے یا اس کا کوئی دوسرا مقصد ہے؟ کیا یہ الفاظ بغیر باطنی توجہ کے اسی طرح کا اثر رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

لغت میں بھی ذکر کے معنی لفظی ذکر اور قلبی توجہ اور حضور باطنی دونوں معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔ حدیثوں میں بھی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے مناجات کے موقع پر عرض کیا: ''پروردگارا! جو تجھ کو

۱۔ بحار ر ج ر ۹۳، ص ر ۱۶۳ ۲۔ بحار ر ج ر ۹۳، ص ر ۱۶۳

زبان اور قلب سے یاد کرتا ہے اس کی جزا کیا ہے؟ جواب آیا: اے موسیٰؑ! ہم اس کو قیامت میں عرش کے سایہ اور اپنی پناہ میں قرار دیں گے۔"(۱)

جیسا کہ دیکھا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں ذکر، زبان کے وسیلہ سے ذکر کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور قلب کے وسیلہ سے ذکر کے معنی میں بھی۔ اس طرح کی بہت سی حدیثیں موجود ہیں کہ جن میں دونوں معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن غالباً قلبی توجہ اور باطنی حضور کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کامل اور حقیقی ذکر یہی ہے۔ ذکر خدا روحانی طور پر خدا کو پہچاننے کی حالت اور پوری دنیا کے خدا کی طرف باطنی توجہ سے عبارت ہے، اس طرح کہ خدا کو حاضر و ناظر اور اپنے کو پوری دنیا کے پروردگار کے سامنے حاضر جانے جو شخص اس طرح سے خدا کا ذکر کرتا ہے، وہ خدا کے اصولوں پر عمل کرتا ہے، واجبات کو انجام دیتا ہے اور محرمات کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح سے خدا کا ذکر آسان کام نہیں ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: مشکل ترین اعمال جو ہر شخص انجام نہیں دے سکتا، تین ہیں:

اوّل: لوگوں کے ساتھ انصاف کرنا، اس طرح کہ جو چیز اپنے لئے پسند نہ کرے وہ ان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

دوم: مال میں مومن بھائی کے ساتھ برابری اور مساوات کرنا۔

سوم: ہر حالت میں خدا کا ذکر کرنا، ذکر خدا سے مراد فقط **سبحان اللہ، الحمد للہ، لاالہ الا اللہ** اور **اللہ اکبر** نہیں ہے بلکہ ذکر خدا یہ ہے کہ جس وقت کوئی واجبی کام سامنے آئے اس کو انجام دے اور جس وقت حرام کام سامنے آئے اس کو ترک کر دے۔(۲)

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جو اس امت کی طاقت سے بڑھ کر ہیں۔

اوّل: مال میں مومن بھائی کے ساتھ برابری اور مساوات۔

دوم: اپنے نفس سے لوگوں کو انصاف دینا۔

۱۔ بحار رج ۹۳، ص ۱۵۶ ۲۔ بحار رج ۹۳، ص ۱۵۵

سوم: ہر حالت میں خدا کا ذکر کرنا۔ذکر سے مراد سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر نہیں ہے بلکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ جس وقت کوئی حرام کام سامنے آئے تو خدا سے ڈرے اور اس کو نہ کرے۔ (۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''خدائے سبحانہ تعالیٰ کا ذکر بھول چوک اور غفلت میں نہ کرو اور اس کو فراموش مت کرو۔خدا کا پوری طرح ذکر کرو۔اس طرح کہ تمہارا دل اور زبان ساتھ ساتھ ہو اور تمہارے باطن اور ظاہر میں مطابقت دکھائی دے۔تو خدا کا حقیقی ذکر سوائے اس حالت کے نہیں کر سکتا کہ تُو ذکر کی حالت میں اپنے نفس کو بھلا بیٹھے اور بالآخر تُو اپنے کو نہ پائے۔'' (۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص واقعی خدا کی یاد میں ہوگا، وہ اس کا مطیع اور فرمانبردار ہوگا اور جو شخص خدا سے غافل ہوگا، وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔خدا کی اطاعت، ہدایت کی علامت ہے اور گناہ کا مرتکب ہونا، گمراہی کی نشانی ہے۔خدا کا ذکر اور اس سے غفلت، اطاعت اور گمراہی کی بنیاد ہے لہٰذا اپنے دل کو قبلہ قرار دو اور زبان کو دل کے حکم، عقل کی موافقت اور ایمان کی رضا کے بغیر حرکت نہ دو، اس لیے کہ خدا تمہارے باطن و ظاہر سے آگاہ ہے۔تم اس شخص کی طرح ہو کہ جو روح قبض ہونے کی حالت میں ہے یا اعمال کے حساب و کتاب کے لیے خدا کے سامنے کھڑا ہے۔اپنے نفس کو سوائے الٰہی احکام انجام دینے کے جو تمہارے لیے اہم ہیں جیسے امر و نہی، وعدہ و وعید میں مشغول نہ رکھو۔حزن و ملال کے پانی سے اپنے قلب کو دھوؤ اور پاکیزہ کرو۔

جب خدا تم کو یاد کرتا ہے تو تم بھی اس کو یاد کرو۔کیونکہ وہ تم کو یاد کرتا ہے اس حالت میں کہ وہ تم سے بے نیاز ہے لہٰذا خدا کی یاد تمہارے لیے زیادہ قیمتی، لذیذ، کامل اور تمہارے ذکر کرنے سے بہت پہلے ہے۔خدا کے ذکر سے تمہاری واقفیت، تمہارے لیے خضوع و خشوع، حیا، تواضع اور انکساری کا سبب ہوگی اور اس کے نتیجہ میں اس کے مقابلہ میں خدا کا فضل و کرم موجود ہے۔ایسے حالات میں اگر تمہاری اطاعت زیادہ بھی ہوگی تو وہ خدا کی عطاؤں کے مقابلہ میں کم ہوگی لہٰذا اپنے اعمال کو صرف خدا کے لیے انجام دو اگر تم نے اپنے ذکر کو بڑا سمجھا تو یہ ریا، خود پسندی، جہالت، لوگوں کے ساتھ

۱۔بحار رج ۹۳ رص ر ۱۵۱ ۲۔غرر الحکم رص ر ۸۱۷

بداخلاقی، بدزبانی، عبادتوں میں اپنے کو بڑا سمجھنا اور اللہ کے فضل وکرم سے غفلت ہوگی۔ اس طرح کے ذکر کا پھل سوائے خدا سے دوری کے کچھ اور نہیں ہے اور دنوں کے گذرنے پر سوائے غم واندوہ اور وحشت کے کچھ اثر نہیں رکھے گا۔ خدا کا ذکر دو قسموں پر تقسیم ہوتا ہے: ایک خالص ذکر کہ جس میں قلب اس کے ساتھ اتباع کرتا ہے، دوسرا احادثاتی ذکر جو غیر خدا کی یاد کا انکار کرتا ہے۔ جیسا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے: ''میں تمہاری تعریف نہیں کرسکتا۔ تو ایسا ہے کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے لہٰذا رسولؐ خدا نے اپنے ذکر کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی۔ کیونکہ وہ اس مطلب کی طرف توجہ رکھتے ہیں کہ خدا کا ذکر، بندہ کے ذکر پر مقدم ہوتا ہے لہٰذا وہ لوگ جو رسولؐ خدا سے کمتر ہیں ان کے لیے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ذکر کو معمولی شمار کریں۔ اس لیے جو شخص چاہتا ہے کہ وہ ذکر خدا کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ یہ جان لے کہ اگر ہمیشہ خدا اپنے بندہ کو یاد نہ کرے اور توفیق نہ دے تو بندہ ذکر پر قدرت نہیں رکھتا ہے۔''(۱)

جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ ان احادیث میں قلبی توجہ اور باطنی حضور کے عنوان سے ذکر کا تعارف ہوا ہے اور وہ قلبی یاد اور بے اثر ذہنی تصور میں نہیں ہے بلکہ باطنی حضور کے اثر سے ہے کہ جو خدا کے اوامر ونواہی کی اطاعت کی علامتوں میں سے جانا جاتا ہے۔ لیکن اس بات کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ لفظی اور زبانی ذکر **لاالہ الا اللہ**، **سبحان اللہ** اور **الحمد للہ** جیسے حقیقی ذکر کے مصداق نہیں ہیں بلکہ خود یہ کلمات بھی خدا کے ذکر کا ایک درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لفظی ذکر بھی قلب سے ہی نکلتے ہیں۔ جو شخص ان ذکروں کو زبان پر جاری کرتا ہے، وہ خدا سے قلبی توجہ رکھتا ہے، چاہے تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ان الفاظ کو دوہراتا ہے۔ خود اسلام کی نگاہ میں ان کلمات اور ذکر کا پڑھنا اور دوہرانا بھی مطلوب اور ثواب رکھتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ قربت کا قصد وارادہ ہو۔ جس طرح سے ظاہری نماز بھی انہیں الفاظ اور حرکات میں ہوتی ہے کہ جسے ٹھیک اسی طرح سے انجام دینے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس لئے کہ قلب کا حضور اور باطن کی توجہ نماز کی روح ہے۔

۱۔ بحار، ج/۹۳، ص/۱۵۸

مراتب ذکر

ذکر کے کئی مرتبے ہیں کہ جس کا پہلا درجہ لفظی اور زبانی ذکر سے شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ کمال، شہود اور فنا کے مرتبہ پر پہنچ کر ختم ہوتا ہے۔

پہلے مرتبہ میں، ذکر کرنے والا چونکہ قلب سے خدا کی طرف توجہ کرتا ہے اور قربت کے ارادہ سے مخصوص ذکروں کو زبان پر جاری کرتا ہے۔ اس کے بغیر کہ وہ اس کے معانی کی طرف بھی توجہ رکھتا ہو۔

دوسرے مرتبہ میں، قربت کے قصد سے ذکر کرتا ہے اور حالتِ ذکر میں ان کے معانی کو ذہن میں بنائے رکھتا ہے۔

تیسرے مرتبہ میں، قلب کی زبان پیروی کرتی ہے اور ذکر کرتی ہے۔ اس صورت میں کہ جب قلب، خدا کی طرف توجہ کرتا ہے اور ذات کے باطن میں ذکر کے معانی اور مفاہیم پر ایمان رکھتا ہے اور زبان کو ذکر کا حکم دیتا ہے۔

چوتھے مرتبہ میں، خدا کی طرف توجہ کرنے والا انسان پورے جہان کے پروردگار کی نسبت باطنی حضور اور پوری طرح سے قلبی توجہ رکھتا ہے اور خدا کو حاضر و ناظر اور اپنے کو اس کے حضور میں دیکھتا ہے۔ اللہ کی طرف توجہ کرنے والے انسان اس مقام پر پہنچنے پر مختلف حالتوں سے دوچار ہوتا ہے ان میں کچھ کی حالت کامل اور کامل تر ہوتی ہیں۔ جس مقدار میں وہ غیر خدا سے قطع تعلق کرتے ہیں، اسی مقدار میں وہ خدا سے مانوس اور تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح سے غیر خدا سے جدا ہو کر فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔

اللہ کے راستہ پر چلنے والا انسان اس مقام پر جو بلند ترین مقامات میں سے ہے، دنیاوی پردوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور مجازی اور غیر حقیقی علاقے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ خیرات و کمالات کے مرکز سے جڑ جاتا ہے۔ تمام چیزوں سے یہاں تک کہ خود اپنے نفس کو بھی چھوڑ کر، وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ غیر خدا سے دور بھاگتا ہے اور اپنی محبت کو خدا سے مخصوص کر دیتا ہے۔ خدا کے علاوہ کوئی کمال نہیں دیکھتا ہے تا کہ اس سے اپنے دل کو باندھے اور کوئی ایسا مونس و غمخوار نہیں پاتا ہے کہ اس سے محبت کرے۔

ان اللہ کے خاص بندوں نے عظمت، جلال، کمال، خیر اور نور کی راہ کے خزانہ کو پالیا ہے اور اپنی باطنی نگاہوں سے اللہ کے جمال کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک لمحہ کے لیے بھی دنیا میں ظاہر ہونے والی مجازی چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ ہی اس سے دل لگاتے ہیں۔ چونکہ وہ کمالات کے سرچشمہ تک پہنچ چکے ہیں، ان کی نگاہوں کے سامنے مجازی اور عاریتی کمالات کوئی قیمت نہیں رکھتے۔ وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کے لیے عشق و محبت میں جلتے رہتے ہیں اور انس و محبت کی لذت کو دوسری چیزوں سے نہیں بدلتے اور اگر دنیا کی ظاہری چیزوں کی طرف دیکھتے ہیں تو اس میں بھی خدا کے جمال کا نور اور اس کے کامل وجود کی نشانی اور علامت پاتے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ سے لوگوں نے پوچھا: ''کیا خدا کو دیکھا ہے جو اس کی عبادت کرتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ''تمہارے اوپر افسوس، میں نے اگر خدا کو نہ دیکھا ہوتا تو عبادت کیوں کرتا۔ انہوں نے کہا: خدا کو کس طرح دیکھا؟ آپ نے فرمایا: تمہارے اوپر افسوس، خدا ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دکھے گا بلکہ دل، ایمان کی حقیقت سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔''(۱)

امام حسینؑ نے فرمایا: ''تمہارے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کس طرح چیزوں سے دلیل دی جائے گی۔ جب کہ چیزیں خود تمہاری محتاج ہیں؟ کیا تمہارے غیر کے لیے کوئی ظاہری چیز ہے جو تمہارے پاس نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے اندر ظاہر کی گئی ہو؟ تو کب غائب تھا کہ جس کے لیے دلیل کا محتاج ہوتا؟ کب دور تھا کہ آثار اور علامتیں تجھ کو پانے کا سبب بنتیں؟ اندھی ہے وہ آنکھ کہ جو تم کو اپنا نگہبان نہیں دیکھتی ہے اور کتنا نقصان اٹھانے والا ہے وہ بندہ کہ جس نے اپنی محبت سے کچھ حصہ اس کو نہیں دیا۔''(۲)

امیر المومنینؑ نے مناجات شعبانیہ میں ارشاد فرمایا: ''اے خدا! اپنی طرف سے مجھے خود اپنے میں پوری طرح محو ہو جانا عطا کر اور میرے دل کی آنکھوں کو اپنے جمال کے نور کو دیکھنے کے لیے روشن و منور فرما تاکہ دل کی آنکھیں، نور کے پردوں کو چیر کے تیری عظمت تک پہنچ جائیں اور میری روحیں تیرے مقدس مقام سے جاملیں۔''(۳)

۱۔ حقائق فیض رص ر۱۷۹ ۲۔ اقبال الاعمال ردعائے عرفہ ۳۔ اقبال الاعمال رمناجات شعبانیہ

امام زین العابدینؑ نے اللہ کے خاص بندوں کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

''پروردگارا! یہ زبانیں تیرے جلال کے لائق، ثنا وتعریف سے قاصر ہیں اور عقلیں تیرے جمال کو سمجھنے میں عاجز ہیں اور آنکھیں تیرے جمال کے انوار کو نہیں دیکھ سکتیں۔ تیرے بندوں کے لیے معرفت کے مقام تک پہنچنے کے لیے سوائے عاجزی کے کوئی راستہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔ خدایا ہم کو ان بندوں میں قرار دے کہ جن کے دلوں میں تجھ سے ملاقات کے شوق کا پودا اگا ہوا ہو اور ان کے دلوں کو محبت کی آگ نے پوری طرح سے گھیر رکھا ہو لہٰذا وہ بلند فکروں کے آشیانہ کی طرف نازل ہوتے ہیں اور اپنے پروردگار کے قرب وشہود کے باغوں سے نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ محبت کے سرچشمہ سے مہربانی کا جام پیتے ہیں اور دوستی ومحبت کی نہروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کی باطنی نگاہ سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور شک کا اندھیرا، عقائد اور ان کے ضمیر سے دور ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دلوں سے شک کی چبھن دور ہو جاتی ہے۔ تحقیق کی معرفت سے ان کے دلوں میں وسعت ہوتی ہے اور زہد کے امتحان میں ان کی ہمت بلند ہوتی ہے اور خدا کے معاملہ میں ہر بات کو پسند کرتے ہیں اور خدا سے محبت کی محفل میں باطن کو پاکیزہ رکھتے ہیں اور خوف کے مقامات میں امن وسلامتی کے راستہ سے خوش ہوتے ہیں اور پروردگار کی طرف رجوع میں نفس کو مطمئن رکھتے ہیں اور سعادت اور کامیابی کے راستہ میں یقین کے مرتبہ تک پہنچتے ہیں اور محبوب کو دیکھنے کے خیال سے ہی ان کی آنکھیں اس قدر روشن ہو جاتی ہیں اور اس کی طرف میلان کے واسطہ سے وہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں، اپنے باطنی آرام سے خوش ہوتے ہیں اور دنیا کے معاملہ میں آخرت کے لیے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

خدایا! تیرے ذکر سے الہامی کیفیت کس قدر دلوں کو لذت بخشتی ہے! اور تیری طرف آگے بڑھنے میں غیب کے راستہ میں فکر کے وسیلہ سے کس قدر شیریں ہے اور تیری محبت کا کھانا کس قدر خوش ذائقہ ہے! اور تیرے قریب رہنے کے پانی کو پینا کس قدر لذیذ اور گوارا ہے۔

لہٰذا مجھ کو ٹھکرانے اور دوری سے پناہ دے اور مجھ کو مخصوص ترین عارفوں، صالح ترین بندوں، صادق ترین اطاعت کرنے والوں اور خالص ترین عبادت کرنے والوں میں قرار دے۔ اے عظیم وجلیل خدا اور اے کریم اور احسان کرنے والے خدا تجھے تیری رحمت اور عطاو بخشش کی قسم۔ یاارحم الراحمین۔ (۱)

ان تمام چیزوں کے ساتھ چوتھا مقام ایک ایسا مقام ہے جو عالی اور بلند ہے جس کے کئی

۱۔ بحار رج ۹۴، ص ر ۱۵۰، مناجات العارفین

مقامات اور درجے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری مقام واجب الوجود کی مقدس ذات، اس کے کمال اور جمال کے نہ ختم ہونے والے مقام تک پہنچتا ہے۔ یعنی نہ ختم ہونے والے مقام تک باقی رہتا ہے اور اللہ کے لوگوں کی اصطلاح میں، ان کا مقام ذکر، انس، محبت، شوق، رضا، خوف، شہود، عین الیقین، حق الیقین یہاں تک کہ فنا اور اللہ کے ساتھ باقی رہنے کے مقام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تعبیرات غالباً آیات واحادیث سے لی گئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا کوئی سبب ہے۔ مثلاً...

جس وقت سالک، اللہ کی راہ پر چلنے والا ذات واجب الوجود کی لامتناہی عظمت، جمال اور کمال کی طرف توجہ کرتا ہے اور اس کی محبت، عظمتوں اور عطا و بخشش کو نگاہ میں رکھتا ہے اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں اور اس کے بلند مقام تک پہنچنے کے لیے راستے کی دوری کی طرف توجہ کرتا ہے تو اسے عشق وشوق اور سوز و گداز حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام کو مقامِ شوق کہتے ہیں۔

جب وہ حاصل شدہ مقامات، درجات اور کمالات کو دیکھتا ہے تو ان سے مانوس ہوجاتا ہے اور اسے فرحت وخوشی حاصل ہوتی ہے اسی لئے اسے مقامِ انس کہتے ہیں۔

جب وہ خدائے سبحان کی لامتناہی عظمت، جمال اور کمال کی طرف توجہ کرتا ہے اور اس مقام کی طرف میلان کے لیے اپنی کمزوری، انکساری اور غلطی سے واقف ہوتا ہے تو اس کا دل لرز جاتا اور غمزدہ ہوجاتا ہے، اس کے وجود میں سر سے پیر تک خوف اور خشیت چھا جاتی ہے اور وہ گریہ کرنے لگتا ہے۔ اس مقام کو مقام خوف کہتے ہیں اور اسی طرح دیگر تمام مقامات جو ان پر فائز حضرات کو مبارک ہو۔

بہتر ہے کہ یہ نفسانی خواہشات کا اسیر، مادیات کے اندھیرے میں گرفتار اور معنوی مقامات کی طرف میلان سے محروم بندہ، اس گہرے اور ناپیدا کنار دریا میں اپنا قدم نہ رکھے اور اس طرح کے عالی اور بلند مقامات کی تشریح و وضاحت کو اس کے اہل کے لیے چھوڑ دے۔ اس لیے کہ جس شخص نے اس سے محبت، انس اور ملاقات کے ذائقہ کو نہ چکھا ہو تو وہ اس کی تشریح سے عاجز و پریشان ہوگا: ''اُحِبُّ الصَّالِحِینَ وَ لَستُ مِنهُم، اَللّٰهُمَّ ارزُقنَا حَلاوَةَ ذِکرِکَ وَ اجعَلنَا مِن اَهلِه ''،''میں نیک اور صالح لوگوں کو دوست رکھتا ہوں جبکہ میں ان میں سے نہیں ہوں، خدایا ہمیں اپنے ذکر کی حلاوت عطا کر اور ہمیں اس کے اہل لوگوں میں سے قرار دے۔''

بہتر ہے کہ ہم اس بات کو اس کے اہل سے سنیں۔ بہت بڑے فلسفی اور عارف ربانی صدرالدین

شیرازی لکھتے ہیں:

اگر اللہ کی رحمت کے انوار کی ایک کرن بھی بندہ کے شامل حال ہو جائے تو وہ جہالت اور نادانی کے خواب سے بیدار ہو جائے گا اور وہ اس بات سے آگاہ ہو جائے گا کہ اس محسوس عالم کے علاوہ بھی ایک دوسرے عالم کا وجود ہے، حیوانی لذتوں سے بڑھ کر دوسری لذتیں بھی ہیں تو ایسے موقع پر وہ باطل اور بیہودہ کاموں میں مشغول رہنے سے خود کو الگ کر لے گا اور خدا کی بارگاہ میں گناہوں سے توبہ کرے گا۔ پھر وہ اللہ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا شروع کرے گا۔ خدا کے وعظ ونصیحتوں کو سنے گا اور پیغمبر اکرمؐ کی حدیثوں میں غور وفکر کرے گا اور شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے گا۔ آخرت کے کمالات کی طرف رغبت کی بنا پر دنیا کی فضول اور بیہودہ چیزوں جیسے جاہ وحشم، مال وثروت اور اس طرح کی دوسری چیزوں سے دست بردار ہو جائے گا اور اب اگر اللہ کی عنایات مزید اس کے شامل حال ہوئیں تو وہ پکا ارادہ کرے گا کہ غیر خدا سے چشم پوشی کرے اور خدا کی جانب سفر کرے، نفس اور خواہشات نفس سے نکل کر خدا کی جانب سیر کرے۔ اس وقت اس کی سامنے انوار ملکوتی کی نورانیت آشکار ہوتی ہے، غیب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ عالم قدس کے چند مناظر اس کے سامنے ہویدا ہوتے ہیں۔ پس وہ غیبی امور کو مثال کی صورت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ جب وہ غیبی امور کی لذت چکھ لیتا ہے تو گوشہ نشین ہو کر ذکر خدا سے انس ومحبت پیدا کر لیتا ہے۔ اس کا دل مادی اور ظاہری مشغولیات سے فارغ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت آہستہ آہستہ اسے علم لدنی عطا کیا جاتا ہے، وقتاً فوقتاً انوار معنوی اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں یہاں تک کہ پوری طرح مستقر ہو جائیں اور تصنع اور رنگارنگی ختم ہو جائے اور اس پر سکون و اطمینان نازل ہو۔ ایسی حالت میں وہ عالم جبروت میں داخل ہو جاتا ہے اور عقول مفارقہ (درست فیصلہ کرنے والی عقلوں) کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کے انوار کی بدولت وجود پاتا ہے اور نورانی ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے خدا کی قدرت وطاقت اور عظمت وکبریائی کا نور آشکار ہوتا ہے اور اس کی انانیت کو خاک کی طرح اڑا دیتا ہے اور وحدہٗ لاشریک کی قدرت، عظمت اور جلال کے سامنے سربسجود ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو ''مقام توحید'' کہتے ہیں کہ اب سالک وعارف کی نظر غیر خدا کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی اور لِمَنِ الْمُلکُ الْیَومَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ کی صدا سنتا ہے۔[1]

۱۔ مفاتیح الغیب، ص ۵۴۲

عارف ربانی فیض کاشانی مرحوم لکھتے ہیں: محبت خدا کے حصول اور لقائے پروردگار کی تیاری کے لئے اسے مستحکم بنانے کا راستہ معرفت حاصل کرنا اور اسے مستحکم بنانا ہے اور حصول معرفت کا راستہ، دل کو دنیا کی مشغولیت اور محبتوں سے پاک و پاکیزہ بنانا، ذکر وفکر کے ذریعہ مکمل طور سے خدا کی طرف متوجہ ہونا اور دل سے غیر خدا کی محبت کو باہر نکالنا ہے۔ اس لئے کہ دل ایک ظرف کے مانند ہے کہ اگر وہ پانی سے بھرا ہو کہ اس میں سرکہ رکھنے کی کوئی گنجائش نہ ہو تو پہلے اس کے پانی کو نکالا جائے تاکہ اس میں سرکہ رکھا جائے۔ خدا نے کسی کے لئے بھی دو دل خلق نہیں کیا ہے۔ کمال محبت یہ ہے کہ دل سے خدا سے محبت کرے جب تک وہ غیر خدا کی طرف متوجہ رہے گا اس کے دل کا ایک گوشہ غیر خدا سے بھرا رہے گا۔ پس انسان جسقدر غیر خدا کی محبت میں مشغول رہے گا اتنی ہی مقدار میں خدا کی محبت کم ہو جائے گی مگر یہ کہ غیر خدا کی طرف اس کی توجہ اس اعتبار سے ہو کہ وہ فعل خدا، مخلوق پروردگار اور اسماء وصفات الٰہی کا ایک مظہر ہے۔

خدا نے قرآن میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے ''قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُم '' ''آپ کہئے اللہ اور انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیجئے'' یہ حالت شوق کے غلبہ کے اثر میں حاصل ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں انسان کو چاہئے کہ وہ کوشش کرے کہ جو چیز اس کے لیے ظاہر ہوگئی ہے وہ مزید آشکار ہو اور وہ چیزیں کہ جو ابھی حاصل نہیں ہوئی ہیں، ان کے لئے شوق پیدا کرے کیونکہ شوق ہمیشہ کسی چیز کا ہوتا ہے ایک اعتبار سے حاصل ہوتا ہے اور ایک لحاظ سے نہیں اور وہ ہمیشہ ان دونوں چیزوں کے درمیان رہے گا کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ ان کو جو واضح درجات، مراتب حاصل ہوتے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے خدا کے جمال و جلال میں جو کچھ باقی رہ جاتا ہے، اس کی زیادتی کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اصل وصال کے حاصل ہو جانے پر بھی لذت بخش شوق کا احساس کرتا ہے کہ جس میں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوتی ہے لہٰذا شوق کبھی بھی نہیں رکتا ہے، خاص طور سے بہت سے درجات کو پہلے سے ہی دیکھ لیتا ہے۔ ''يَسْعىٰ نُورُهُم بَينَ اَيدِيهِم وَ بِاَيمَانِهِم يَقُولُونَ رَبَّنَا اَتْمِم لَنَا نُورَنَا '' ''ان لوگوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی داہنی سمت تیزی سے چلتا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں: پرودگارا! ہمارے نور کو مکمل کردے۔''[۱]

۱۔ حقائق رص ر ۱۸۱۔

ذکر ولقاء اللہ کے آثار وعلامات

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ خدا کا ذکر، شہود اور ملاقات ایک باطنی مقام اور ایک واقعی معنوی اور روحانی کمال ہے۔ اللہ کی طرف بڑھنے والا انسان اس مقام پر یقیناً ایک ایسے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کے پہلے وہاں تک نہیں پہنچا تھا۔ اگر کہا جاتا ہے کہ مقام شہود واقعیت اور حقیقت رکھتا ہے۔ اسی طرح سے اگر یہ کہا جاتا ہے کہ مقامِ اُنس یا مقام رضا یا مقام محبت یا مقام شوق یا مقام وصل یا مقام لقاء تو یہ کوئی مجاز گوئی نہیں ہے بلکہ حقیقت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے مذکورہ مقام کا واقعی ایک درجہ اور مرتبہ ہوتا ہے جو طبعی طور پر چاہے اس کے نئے آثار اور علامتیں رکھتا ہو اور اس کمال کا وجود، آثار اور علامتوں کے وسیلہ سے پہچانا جاتا ہے۔

ہم یہاں پر ذکر خدا اور لقائے پروردگار کے بعض آثار وعلامات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ اطاعت خدا کی پابندی

جب کوئی شخص اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اپنے اندر جمال خدا کا مشاہدہ کرے اور اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں حاضر سمجھے تو بلاشک وشبہ اور سو فیصد اس کے احکام وفرامین کی پیروی کرے گا اور جس عمل کی انجام دہی کا حکم اسے دے گا، اسے انجام دے گا اور جس سے منع کرے گا اس سے رک جائے گا۔ اگر انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ اس مقام پر فائز ہوا یا نہیں تو اسے چاہئے کہ شریعت کے اوامر ونواہی کے متعلق اپنی پابندی کی مقدار کو دیکھے اور اس پابندی کی نسبت اس مقام پر فائز ہونے کی مقدار کو درک کرے اس لئے کہ ممکن نہیں ہے کہ انسان مقام شہود وانس پر فائز ہو جائے اور خداوند عالم

کے اوامر ونواہی اور فرامین کا مکمل طور سے پابند نہ ہو۔

امام جعفر صادقؑ نے ذکر کی تعریف میں فرمایا:

ذکر کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان کسی ایسی چیز سے روبرو ہو کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے تو اس کو انجام دو اور اگر منع کیا ہے تو اس سے پرہیز کرو۔ (۱)

امام حسینؑ نے بھی دعائے عرفہ میں فرمایا: اے وہ خدا کہ جس نے اپنی محبت کی شیرینی اپنے دوستوں کے منھ میں ڈالی ہے تا کہ عبادت کے لئے وہ تیرے سامنے آ کھڑے ہوں اور خضوع وخشوع اور تیری حمد وثنا اور تعریف وتمجید کریں۔ اے وہ ذات جس نے ہیبت کا لباس اپنے اولیاء کو پہنایا تا کہ وہ تیرے سامنے کھڑے ہوں اور استغفار کریں۔ (۲)

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ خدا سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔ (۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جو شخص واقعاً ذاکرِ خدا ہوگا وہ اس کا مطیع وفرمانبردار بھی ہوگا اور جو اس سے غافل ہوگا وہ گنہگار ہوگا۔'' (۴)

۲۔ خضوع وخشوع، فروتنی، عاجزی وانکساری:

جو شخص خدا کی قدرت اور عظمت کا مشاہدہ کرلے گا تو وہ یقیناً اس کے سامنے خضوع و خشوع میں ہوگا اور ہمیشہ اپنی کمزوری اور غلطی کی وجہ سے شرمندہ اور سرخمیدہ ہوگا۔

امام جعفر صادقؑ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''تمہارا اس بات کا علم کہ خدا نے تم پر نظر کرم کی ہے تمہارے خضوع وخشوع اور حیا وشرمندگی کا باعث ہوگا۔'' (۵)

۱۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۵۵
۲۔ اقبال الاعمال، دعاء عرفہ
۳۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۵۸
۴۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۵۸
۵۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۵۸

۳۔عبادت سے عشق:

مقام شہود پر فائز ہونے کے آثار میں سے ایک اثر عبادت سے بہت زیادہ لگاؤ اور اس سے لذت اٹھانا ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی شخص نے پروردگار عالم کی عظمت اور قدرت کو درک کرلیا اور خود کو پروردگار عالم کے حضور اور اس کی عظمت اور کمال کے سر چشمہ کا مشاہدہ کرلیا تو وہ مناجات، محبت، راز و نیاز کی لذت کو ہر دوسری لذت پر ترجیح دے گا۔ جو لوگ معنوی لذتوں کے مزہ سے محروم ہیں، وہ مجازی لذتوں کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں جو حقیقت میں رنج والم کے علاوہ کچھ اور نہیں ہیں۔ پھر بھی اس سے دل لگاتے ہیں لیکن جو لوگ حقیقی لذتوں کے مزہ، عبادت اور پروردگار سے مناجات کے مزہ کو چکھ لیتے ہیں، وہ اپنے اچھے حالات و اوقات کا کسی دوسری لذت سے سودا نہیں کرتے ہیں۔ یہی اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں جو خدا کی اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ وہ لائق عبادت ہے نہ کہ ثواب کی امید اور عذاب کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں پیغمبر اکرمؐ، حضرت علیؑ، امام سجادؑ اور دیگر ائمہؑ کے سوز و گداز اور عبادتوں کو سن چکے ہیں۔

۴۔آرام اور اطمینان:

دنیا زحمات و مشکلات اور رنج و غم کی جگہ ہے۔ دنیا کی مشکلات کو مجموعی طور پر تین حصے میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلی قسم: اس قسم کی مصیبتوں میں مثلاً اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی بیماریاں، اپنی یا اپنے متعلقین کی موت۔ دوسروں کی طرف سے ظلم وستم اور حق کو چھیننا، لڑائی اور جھگڑے۔

دوسری قسم: دنیاوی چیزوں کے ضائع ہو جانے کے سبب سے بے چینی، حسرت اور افسوس کہ جو دسترس میں نہیں ہیں (یعنی جنہیں حاصل نہیں کر سکتے)

تیسری قسم: اس بات کا خوف کہ وہ جو چیز رکھتا ہے وہ ہاتھ سے نکل نہ جائے، ڈرتا ہے کہ اس کا مال چوری اور تباہ نہ ہو جائے یا حادثات کی وجہ سے اپنی اولاد کو ہاتھ سے کھو نہ دے یا اپنے بیمار

13

ہونے اور مرنے سے ڈرتا ہے۔ غالباً اس قسم کی باتیں انسان سے اس کے آرام وآسائش اور سکون کو چھین لیتی ہیں۔ ان تمام چیزوں کی جڑ دنیا سے لگاؤ اور ذکر خدا سے دوری ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''جو شخص بھی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا وہ اپنی زندگی کو سختی و پریشانی میں ڈالے گا۔''(۱)

لیکن خدا کے خاص بندے جو تمام کمالات اور خیرات کے سرچشموں تک پہنچ چکے ہیں، لافانی جمال اور کمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کے دل خدا کے ذکر اور اس سے انس ومحبت سے خوش ہیں اور وہ کسی قسم کا غم وغصہ نہیں رکھتے ہیں کیونکہ وہ جب خدا کو رکھتے ہیں تو ہر چیز رکھتے ہیں۔ وہ دنیاوی چیزوں سے دل نہیں لگائے کہ ان کے تلف ہو جانے سے ڈریں اور رنجیدہ ہوں۔ انہوں نے کمالات اور خیرات کے سرچشمہ سے دل لگا رکھا ہے کہ جن میں ہر کمال پایا جاتا ہے۔

امام حسینؑ نے دعائے عرفہ میں ارشاد فرمایا: ''خدایا! تو وہ ہستی ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کے دلوں سے بیگانوں کو باہر نکال دیا۔ یہاں تک کہ وہ تیرے سوا کسی کو دوست نہیں رکھتے اور تیرے علاوہ کسی سے پناہ نہیں مانگتے اور خطرناک حوادث کے ہجوم میں بھی تو ہی ان کا مونس وغمخوار ہوتا ہے۔ اگر انھیں معرفت اور شناخت حاصل ہوگئی تو یہ تیری ہدایت کی وجہ سے ہے۔ جو شخص تجھے نہیں پاتا تو وہ کس چیز کو پانا چاہتا ہے؟ اور جو شخص تجھے دوست رکھتا ہے، وہ کس چیز کو کھو دینا چاہتا ہے؟ وہ شخص کتنے نقصان میں ہے کہ جو تیرے بدلے کسی اور کو چن لے اور وہ شخص کتنا بدقسمت ہے کہ جو تیری طرف سے دوسری طرف پلٹ جائے؟ کس طرح انسان تیرے علاوہ کسی دوسرے سے امید رکھتا ہے، ایسی صورت میں کہ تیرا احسان اس سے الگ نہیں ہوا ہو؟ کس طرح وہ اپنی حاجتوں کو تیرے علاوہ کسی دوسرے سے چاہتا ہے، ایسی حالت میں کہ تو نے اپنے احسان کی عادت میں تبدیلی نہیں کی ہے۔''(۲)

بہرحال خدا کے ذکر، شہود اور انس ومحبت کے مقام کی طرف میلان کی علامتوں اور آثار میں سے ایک دل کا آرام وسکون ہے اور اصولاً سوائے ذکر خدا کے کوئی دوسری چیز زندگی کے تھپیڑے مارتی ہوئی دریائی موجوں میں، دل کی کشتی کو آرام وسکون دے سکتی ہے؟

۱۔ اقبال الاعمال/دعاء عرفہ ۲۔ وسائل/ج۴/ص/۱۱۸۵

خداقرآن حکیم میں فرماتا ہے:"جولوگ ایمان لے آئے ہیں اوران کے دل خدا کے ذکر سے آرام وسکون پا گئے ہیں، آگاہ ہو جاؤ کہ صرف خدا کے ذکر سے دلوں کو آرام واطمینان ملتا ہے۔"(۱)

جتنا انسان کا ایمان قوی تر ہوگا، وہ اتنا ہی زیادہ آرام واطمینان میں ہوگا۔

۵۔بندہ کی طرف خدا کی توجہ:

جب بندہ خدا کو یاد کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ بھی اس کے مقابلہ میں اپنے بندہ کی طرف عنایت اور توجہ قرار دیتا ہے۔ یہ مطلب آیات واحادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

خداقرآن حکیم میں فرماتا ہے:"مجھ کو یاد کرو تا کہ ہم تم کو یاد کریں۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:"خداوند عالم نے فرمایا، اے آدم کی اولاد! مجھے اپنے دل میں یاد کرتا کہ میں تجھے اپنے دل میں یاد کروں۔ اے آدم کی اولاد! تنہائی میں مجھے یاد کرتا کہ میں تنہائی میں تجھے یاد کروں۔ اے آدم کی اولاد! مجمع میں مجھے یاد کرتا کہ میں تمہارے مجمع سے بہتر مجمع میں تجھے یاد کروں اور فرمایا جو بندہ بھی خدا کو لوگوں کے درمیان یاد کرتا ہے تو خدا اس کو ملائکہ کے درمیان یاد کرتا ہے۔"(۳)

بندہ کی طرف خدا کی توجہ اور عنایت کوئی فرضی اور دکھاوٹی چیز نہیں ہے بلکہ واقعی اور حقیقی ہے۔ اس کی دو وجہوں میں سے ایک کی توجیہ کی جاسکتی ہے۔

پہلی وجہ: جب بندہ، خدا کو یاد کرتا ہے اور اس وسیلہ سے خدا کے فیض کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے تو خداوند تعالیٰ بھی اس کمال عطا کرتا ہے اور اس کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

دوسری وجہ: جس وقت اللہ کا ذکر کرنے والا بندہ، خدا کو یاد کرتا ہے اور اس کی طرف بڑھتا ہے تو وہ اللہ کی عنایت، لطف وکرم اور توجہ کا مرکز قرار پاتا ہے اور پروردگار عالم اس کو بلند درجات عطا فرماتا ہے اور اس کے دل کو کنٹرول کرنا، اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:"جب میں اپنے بندہ کو اپنی طرف مشغول اور

۱۔سورۂ رعد، ۲۷　　۲۔سورۂ بقرہ، ۱۵۲　　۳۔وسائل، ج۴، ص ۱۱۸۵

متوجہ پاتا ہوں اس کو سوال اور مناجات کرنے کا عادی بنا دیتا ہوں اور اگر کبھی اس پر غفلت طاری ہوجاتی ہے تو اس غفلت کے طاری ہونے میں رکاوٹ ڈال دیتا ہوں۔ یہی لوگ ہمارے حقیقی اولیاء ہیں اور شجاع و بہادر ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے وجود کی برکت سے اہل زمین ہلاکت اور عذاب سے امان میں ہیں۔"(۱)

بہر حال، خدا کی توجہ اور عنایت خدا کا ذکر کرنے والے بندہ کی طرف کی کوئی اعتباری اور فرضی شئے نہیں ہے بلکہ حقیقت رکھتی ہے اور ذکر کی گئی دو وجہوں میں سے ایک وجہ ہوتی ہے البتہ دونوں وجوہات جمع کے قابل بھی ہیں۔

۶۔ بندہ سے خدا کی محبت:

ذکر الٰہی اور تذکرہ الٰہی کا ایک ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ خدا بندہ سے محبت کرتا ہے۔ آیات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت بندہ خدا کی یاد میں ہو اور اس کے احکام اور اس کے رسول کی پیروی کرتا ہو تو خداوند تعالیٰ بھی اس کے عوض اس کو دوست رکھتا ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: "اے رسولؐ لوگوں سے کہو اگر تم واقعی خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کروتا کہ خدا بھی تم کو دوست رکھے۔"(۲)

امام جعفر صادقؑ نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص خدا کا بہت زیادہ ذکر کرے تو وہ خدا کی محبت کا سبب قرار پائے گا اور جو شخص خدا کی بہت زیادہ یاد میں رہے گا تو اس کے لیے دو نوشتے، برائت کے لکھے جائیں گے۔ ایک دوزخ کی آگ سے دوری اور دوسرے نفاق سے دوری۔"(۳)

خدا کی محبت بندہ سے کوئی فرضی اور تشریفاتی شئے نہیں ہے اور نہ اس معنی میں ہے کہ اس کا اطلاق انسان کی محبت پر ہو۔ انسان کی محبت ان معنی میں ہوتی ہے کہ وہ کسی ایسی چیز سے قلبی اور دلی لگاؤ رکھتا ہے کہ جس کی وہ ضرورت رکھتا ہے لیکن خدا کی محبت ان معنی میں صحیح نہیں ہے۔

۱۔ بحار ر ج ۹۳، ص ر ۱۶۹
۲۔ سورۂ آل عمران، ۳۱.
۳۔ بحار ر ج ۹۳، ص ر ۱۶۹

خدا کی محبت کی اس طرح تفسیر کرنا چاہئے! وہ اپنے بندہ پر لطف وعنایت کرتا ہے اور اسے عبادت، توجہ اور خلوص واخلاص کے لیے زیادہ توفیق فراہم کرتا ہے اور اس ذریعہ سے اس کو قربت اور کمال کے درجوں تک پہنچاتا ہے۔ چونکہ وہ اپنے بندہ کو دوست رکھتا ہے اور اس کی راز و نیاز کی باتیں سنتا ہے۔اس لیے اس کو دعا، نماز، ذکر اور مناجات کی توفیق عطا کرتا ہے چونکہ وہ اس کی قربت کو دوست رکھتا ہے۔اس لیے اس کے لیے کمال کا وسیلہ فراہم کرتا ہے چونکہ وہ اس کو دوست رکھتا ہے اس لیے اس کے دل کی حکومت کو اختیار میں رکھتا ہے اور اس کو توفیق عطا کرتا ہے تا کہ وہ بہتر طریقہ سے اور بہت تیزی کے ساتھ اللہ کی قربت کے مقام کی طرف بڑھے۔

۷۔اہم ترین آثار:

اس مقام میں، اس پر فائز ہونے والے کو بہت زیادہ فائدے حاصل ہوتے ہیں جس کو قلم تحریر اور زبان بیان نہیں کرسکتی اور سوائے عرفاء کے کوئی دوسرا اس سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔

عارف تزکیۂ نفس، عبادت، ریاضت، غور وفکر اور ذکر کے ذریعہ اس منزل تک پہنچتا ہے کہ وہ اپنی باطنی آنکھ اور کان کے ذریعہ حقائق کو دیکھتا اور سنتا ہے جو کہ ظاہری آنکھ اور کان سے دیکھے اور سنے جا سکتے۔کبھی کبھی وہ موجودات کی تسبیح وتقدیس بلکہ فرشتوں کی تسبیح وتقدیس کو سنتا ہے اور ان کے ساتھ ہم آواز ہوجاتا ہے۔درحالیکہ وہ اسی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اور انھیں لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے مگر باطن میں بلند مرتبے پر فائز ہوتا ہے اور دوسری دنیا میں زندگی گزارتا ہے۔ایسے لوگ اس دنیا میں نہیں ہوتے وہ دوسرے عالم یعنی عالم آخرت اور جنت وجہنم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ملائکہ اور صالحین سے محبت کرتے ہیں۔ عالم آخرت سے مانوس ہوتے ہیں اور دوسری نعمتیں حاصل کرتے ہیں اور اس بات کو کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ایسے افراد غالباً راز کو چھپانے والے ہوتے ہیں اور شہرت سے پوری طرح پرہیز نہیں کرتے ہیں۔

عارف کے قلب پر علوم اور حقائق اور راز و نیاز منکشف ہوتے ہیں اور ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں جن سے غیر عارف واقف نہیں ہوتا۔ سالک الی اللہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ تمام چیزوں یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی غافل ہوجاتا ہے اور سوائے ذات الٰہی کے کسی اور کی طرف

توجہ نہیں کرتا۔ وہ ذات واجب الوجود کو ہر جگہ حاضر وناظر جانتا ہے کہ جس نے فرمایا ہے کہ: هُوَ الاَوَّلُ وَ الآخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ .وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔ عارف یا سالک دنیا کو اللہ کے صفات کا مظہر اور ہر جمال وکمال کو منجانب اللہ سمجھتا ہے۔ وہ دنیا کی ہر شے میں ذاتی طور پر فقر و نیاز دیکھتا ہے اور صرف واجب الوجود کو ہی غنی مطلق جانتا اور مانتا ہے اور صرف خدائے وحدۂ لاشریک کے جمال وکمال کو دیکھنے میں محو رہتا ہے۔

قابل ذکر ہے کہ مقام فنا کے مختلف درجات اور مراتب ہیں کہ بہتر ہے کہ یہ محروم بندہ ان مقامات کے بارے میں بحث کرنے سے پرہیز کرے۔ هَنِيًّا لِاَهلِهَا یعنی جو اس کے اہل ہیں ان کو یہ مبارک ہو۔

لقائے الٰہی کے ذرائع

ایمان کو مکمل کرنے اور مقام ذکر ولقا و شہود تک رسائی کے لئے مندرجہ ذیل عوامل و اسباب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے:

ا۔ تفکر اور برہان:

وہ دلائل و براہین جو خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت کو ثابت کرنے کے لئے قائم کئے جاتے ہیں وہ اس سلسلہ میں بھی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ دلیلیں جو علم فلسفہ، علم کلام اور عرفان کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی ساری مخلوقات محتاج اور ضرورت مند ہیں بلکہ وہ خود عین فقر و احتیاج ہیں لٰہذا وہ اپنے وجود، و بقا اور تمام افعال و حرکات میں ایک بے نیاز سے وابستہ ہیں بلکہ خود تعلق اور وابستگی ہے۔ سب کے سب محدود اور محتاج ہیں۔ وجود کے اس پورے دائرہ میں صرف ایک ہی ذات غنی بالذات اور لامحدود کمال اور وہ واجب الوجود کی ذات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی نقص اور نیاز و احتیاج نہیں پایا جاتا ہے۔ اس میں سارے کمالات موجود ہیں۔ اس کے علم، قدرت، حیات اور دیگر کمالات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہر مخلوق کے نزدیک ہے، یہاں تک کہ وہ انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ آیات و روایات میں بھی خدا کی اسی طرح تعریف کی گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر:

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''اور اللہ کے لئے مشرق بھی ہے اور مغرب بھی لٰہذا تم جس

جگہ بھی قبلہ کا رخ کرلو گے سمجھو وہیں خدا موجود ہے۔"(1)

اورفرمایا:"تم چاہے جہاں بھی رہو خدا تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہارے ہر کاموں کو دیکھنے والا ہے۔"(2)

اورفرمایا:"ہم انسان کی رگ گردن سے زیادہ نزدیک ہیں۔"(3)

اورفرمایا:"خدا ہر چیز پر حاضر وناظر ہے۔"(4)

خداشناسی کی دلیلوں میں غور وفکر کرنا، انسان کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی سرحد میں داخل کردیتا ہے اور اس کے سامنے تکامل کا راستہ کھول دیتا ہے اور اس کو عمل کی طرف دعوت دیتا ہے جو کہ ایمان کا لازمہ ہے۔

۲۔اللہ کی نشانیوں میں غور وفکر

قرآن کائنات کی ہر مخلوق کو خالق کائنات کے وجود کی دلیل اور علامت سمجھتا اور جانتا ہے۔ متعدد آیات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ خدا کی نشانیوں میں غور وفکر کرو تا کہ ان کی خوبیوں، عجائبات اور ان پر حکم فرما نظم وضبط کے ذریعہ خدائے عالم، قادر مطلق اور حکیم پروردگار کے وجود کو سمجھ سکو۔ اس نے انسان سے چاہا کہ اپنی خلقت اور اپنے وجود میں پوشیدہ راز اور زبان، رنگ، شکل، صورت کے اختلاف اور ہمسر کے وجود کو اچھی طرح سے سمجھیں۔ نیز اس سے چاہا گیا کہ وہ سورج اور ستاروں کی خلقت، ان کی منظّم حرکت وگردش اور دلکشی میں غور وفکر کرے اور یہ بھی چاہا گیا کہ وہ زمین، پہاڑوں، ان کی بلندیوں، درختوں، نباتات اور مختلف قسم کے دریائی اور خشکی کے جانوروں کے بارے میں غور وفکر کرے۔

سچ ہے کہ دنیا خوبیوں اور عجائبات سے بھری ہوئی ہے۔ ہم جس مخلوق کو بھی دیکھتے ہیں اس میں پوشیدہ سیکڑوں حیرت انگیز چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ سورج، ستاروں، کہکشاؤں اور بادلوں سے لے کر ایٹم کی حیرت انگیز دنیا تک زمین، پہاڑوں اور معدنیات سے لے کر بحر اعظم دریاؤں، سمندروں اور نہروں تک، بڑے بڑے جنگلوں سے لیکر طرح طرح کے چھوٹے بڑے درختوں اور

۱۔سورۂ بقرہ،۱۱۵۔ ۲۔سورۂ حدید،۴۔

۳۔سورۂ ق۔۱۶۔ ۴۔سورۂ حج،۱۷۔

پودوں تک، ہاتھی اوراونٹ جیسے عظیم الجثہ جانوروں سے لے کر چیونٹی اور مچھر تک بلکہ وہ حشرات ارض جوخوردبین سے دیکھے جا سکتے ہیں جیسے وائرس اور جرثومہ وغیرہ۔ انسان مخلوقات کی خوبصورتیوں، ظرافت کاریوں اور تعجب خیز چیزوں اوران پر حکم فرما، نظم وضبط کو دیکھ کران کے خالق کی بے انتہا عظمت وقدرت، علم وحکمت کودرک کرتا ہےاورمحوحیرت رہ جاتا ہےاوردل کی گہرائیوں سے کہتا ہے: اے میرے پالنے والے! تونے ان تمام چیزوں کو بے کار نہیں پیدا کیا ہے۔ستاروں سے بھرے آسمان پرایک نظرڈالواوراس میں اچھی طرح غوروفکرکرو۔جنگل میں بیٹھواورخدا کی عظمت وقدرت کا مشاہدہ کرو۔واہ دنیا کتنی خوبصورت ہے!!

۳۔عبادت:

ایمان اورمغفرت کوحاصل کرنے کے بعدانسان کو چاہئے کہ عمل صالح اورفریضہ کی انجام دہی میں بھرپورکوشش کرے اس لئے کہ عمل صالح کے ذریعہ ایمان ومغفرت کی تکمیل ہوتی ہے اور تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔یہ بات صحیح ہے کہ ایمان،معرفت اورکلمۂ توحیداوپر جاتے ہیں لیکن عمل صالح ان کی مددکرتا ہے۔

پروردگارعالم فرماتا ہے: جوبھی عزت چاہتا ہےاسے چاہئے کہ یہ بات اچھی طرح سے جان لے کہ ساری عزتیں خدا کے لئے ہیں۔کلمہ طیب توحیدخدا کی جانب اوپرجاتا ہےاورعمل صالح اسے اوپرلے جاتا ہے۔(۱)

عمل صالح ایمان اورمعرفت کے لئے ویسے ہی ہے جیسے ہوائی جہاز کے لئے پٹرول۔جب تک جہاز میں پٹرول ہوتا ہے وہ اوپر جاسکتا ہےاوراپنے سفرکوجاری رکھ سکتا ہےلیکن جب پٹرول ختم ہوجاتا ہےتووہ گرپڑتا ہے۔ایمان ومعرفت بھی جب تک اس کے ساتھ عمل صالح ہوگا انسان کوبلندو بالامقامات تک لے جاتا رہے گالیکن جب عمل صالح اس کی مددنہ کرے گاتووہ گرپڑے گا۔

خداوندعالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

۱۔سورۂ فاطر،۱۰۔

اپنے پروردگار کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمہیں مقام یقین حاصل ہوجائے۔ (۱)

نفس کو پروان چڑھانے اور اسے منزل کمال اور مقام یقین تک پہنچانے کا واحد راستہ اپنے فریضہ کی ادائیگی اور عبادت و بندگی خدا میں مکمل سعی وکوشش ہے۔ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ راہ عبادت کے علاوہ کسی دوسرے راستے سے ان عالی مقامات کو حاصل کرسکتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ انشاء اللہ ہم آئندہ بھی عمل صالح کے بارے میں بحث کریں گے۔

۴۔ اذکار وادعیہ

اسلام ذکر پڑھنے اور اس کی پابندی پر خاص توجہ دیتا ہے۔ رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی جانب سے بہت سے اذکار، اوراد اور دعائیں نقل ہوئی ہیں اور ان حضرات نے ان کے پڑھنے کے ثواب کو بھی معین ومقرر فرمائے ہیں۔ ذکر درحقیقت ایک طرح کی عبادت ہے جو نفس کے کمال اور تقرب الٰہی کا باعث ہے۔ نمونہ کے طور پر:

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

پانچ چیزیں بندے کے میزان عمل کو وزنی بناتی ہیں: **سُبحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمدُ لِلّٰہِ وَ لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکبَرُ.** اور نیک اولاد کی موت پر صبر۔ (۲)

نیز ارشاد فرمایا: جب مجھے معراج پر لے جایا گیا اور میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ایسے ملائکہ کو دیکھا جو سونے چاندی کا ایک محل تعمیر کررہے تھے لیکن وہ کبھی کبھی ہاتھ روک لیتے تھے۔ میں نے ان فرشتوں سے کہا: کیوں کبھی کام میں مشغول ہوجاتے ہو اور کبھی ہاتھ روک لیتے ہو۔ ان فرشتوں نے عرض کیا: جب مصالح ہوتے ہیں تو ہم کام کرتے ہیں لیکن جب مصالح ختم ہوجاتے ہیں تو ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

میں نے کہا: تمہارے کام کے مصالح کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: **سُبحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمدُ لِلّٰہِ وَ لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکبَر.** جب دنیا میں مومن ان اذکار میں مشغول رہتا ہے تو مصالح ہمارے

۱۔ سورۂ حجر، ۹۹.

۲۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۶۹

پاس آتے ہیں اور جب ان سے غافل ہو جاتا ہے تو ہم کام سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ [1]

رسول خداؐ نے فرمایا: جوشخص بھی سبحان اللّٰہ کہے گا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا اور جو الحمد اللّٰہ کہے گا خداوند عالم جنت میں اس کے لئے ایک درخت لگائے گا اور جو لا الٰہ الا اللّٰہ کہے گا خداوند عالم جنت میں اس کے لئے ایک درخت لگائے گا اور جوشخص اللّٰہ اکبر کہے گا پروردگار جنت میں اس کے لئے ایک درخت لگائے گا۔ اسی وقت ایک قرشی آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر تو جنت میں ہمارے بہت سے درخت ہوں گے؟ آنحضرت نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے لیکن خیال رکھنا کہ کہیں کوئی آگ نہ بھیجنا کہ ان درختوں کو جلا دے اس لئے کہ پروردگار عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع و برباد نہ کرو۔ [2]

ہر وہ کلمہ جو انسان کو خدا کی یاد دلائے اور اس کا مطلب اللہ کی تعریف وتحمید اور تسبیح وتقدیس ہو اسے ذکر کہتے ہیں۔ البتہ احادیث میں کچھ خاص اذکار کا تذکرہ آیا ہے اور ان کے پڑھنے کے اثرات وثواب مقرر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین اذکار یہ ہیں:

لا اِلٰهَ اِلَّااللّٰه، سُبحَانَ اللّٰه، اَلْحَمدُ للّٰه، اللّٰهُ اَكْبَر، لا حَولَ وَ لا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه، حَسبُنَا اللّٰه وَ نِعمَ الْوَكِيلُ، لااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبحَانَكَ اِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ، يَا مَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اُفَوِّضُ اَمرِي اِلَىٰ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ، لا حَولَ وَ لا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، يَا اللّٰهُ، يَا رَبِّ، يَا رَحمٰنُ، يَا اَرحَمَ الرَّاحِمِينَ، يَا ذَالْجَلالِ وَ الْاِكرَامِ، يَا غَنِيُّ يَا مُغْنِي.

نیز تمام اسمائے حسنیٰ الٰہی جو دعاؤں اور حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں۔ یہ سب کے سب ذکر ہیں اور انسان کو خدا کی یاد دلاتے ہیں اور ان اذکار کے ذریعہ اللہ سے قریب ہوا جا سکتا ہے۔ عارف انسان ان اذکار میں سے کسی بھی ذکر کو منتخب کر سکتا ہے اور اس کا ورد کر سکتا ہے البتہ اہل معرفت نے بعض اذکار کو بعض دیگر اذکار پر ترجیح دی ہے۔ بعض حضرات نے ذکرِ لا الٰہ الا اللّٰہ کی زیادہ

۱۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۶۸ ۲۔ بحار، ج ۹۳، ص ۱۶۸

تاکید کی ہے تو بعض نے سُبحَانَ اللّٰہ و اَلْحَمدُ للّٰہ و لا اِلٰہَ اِلّاَ اللّٰہ و اللّٰہُ اَکْبَر. کو منتخب کیا ہے اور بعض نے دیگر اذکار کو۔لیکن بعض حدیثوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ تمام اذکار سے برتر و بالاتر ہے۔ (۱)

رسول خداؐ نے فرمایا: بہترین عبادت لا الٰہ الا اللّٰہ کہنا ہے نیز فرمایا: اذکار کا سید و سردار ذکر لا الٰہ الا اللّٰہ ہے۔ (۲)

نبی اکرمؐ نے جبرئیل سے نقل کیا ہے کہ پروردگار عالم نے فرمایا: کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ میرا مضبوط قلعہ ہے جو شخص اس قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے امان پا گیا۔ (۳)

لیکن چونکہ ذکر کا مقصد خدا کی طرف توجہ ہے لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ: ہر وہ ذکر و کلام جو انسان کو زیادہ سے زیادہ خدا کی طرف متوجہ کر سکے وہی زیادہ مناسب ہوگا۔

افراد، حالات اور مقامات میں فرق ہوتا ہے ممکن ہے ذکر ''یا اللّٰہ'' کچھ لوگوں کے لئے یا بعض حالات میں با اثر اور مناسب ہو جب کہ ذکر ''یَا مُجِیبَ دَعوَۃَ الْمُضطَرِّینَ'' دوسرے افراد کے لئے اس سے زیادہ مناسب اور زود اثر ہو۔بعض لوگوں کے لئے ذکر لا الٰہ الا اللّٰہ اور بعض کے لئے یَا غَفَّارُ یَا سَتَّارُ زیادہ مناسب ہو، اسی طرح دیگر اذکار۔یہی وجہ ہے کہ اگر سالک الی اللّٰہ استاد اور مربی تک رسائی رکھتا ہو تو بہتر ہے کہ اس راہ میں اس سے مدد حاصل کرے اور اگر اس تک رسائی ممکن نہ ہو تو دعا اور حدیث کی کتابوں سے نبی اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی بتائی ہوئی دعاؤں سے استفادہ کرے۔تمام اذکار و عبادات اچھی اور بہتر ہیں اور جب انہیں صحیح طریقے سے انجام دیا جائے تو وہ انسان کو خدا سے قریب کرسکتی ہیں اور اسے بلند مقامات تک پہنچا سکتی ہیں۔عارف و سالک سارے اذکار یا بعض اذکار سے استفادہ کرسکتا ہے لیکن اساتذہ سالک الی اللّٰہ کو اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ ایک مخصوص ذکر کو انتخاب کرے اور مخصوص کیفیت اور مخصوص عدد کے ساتھ اسے پابندی سے پڑھے تاکہ وہ مقصد تک پہنچ جائے۔

لیکن ہمیں اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ وہ ادعیہ و اذکار جو شرع مقدس میں وارد

۱۔ بحار،ج ۹۳، ص ۱۹۵/ ۲۔ بحار،ج ۹۳، ص ۲۰۴/ ۳۔ بحار،ج ۹۳، ص ۱۹۲/

ہوئے ہیں اگر چہ وہ سب کے سب عبادت ہیں اور اجمالی طور پر بندہ کو خدا سے قریب کرنے والے ہیں ان کا اصل مقصد غیر خدا سے مکمل طور پر رابطہ منقطع کر لینا اور اپنے دل کو پوری طرح سے خدا کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ لہٰذا یہاں صرف الفاظ کی تکرار پر اکتفا نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ان الفاظ کے معانی و مفاہیم کی طرف بھی متوجہ رہنا چاہیئے تا کہ اس کے بلند و بالا مقصد سے غافل نہ ہو سکیں کیونکہ اذکار کی تکرار اور اسے مسلسل پڑھتے رہنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور صرف یہی عمل انسان کو مقصد تک نہیں پہنچا سکتا بلکہ اس راہ میں جو چیز مفید ہے وہ یہ ہے کہ اپنی فکر اور دل کا مرکز ذات خدا کو قرار دیں اور دوسرے افکار و خیالات کو دل سے نکال دیں اور یہ ایک مشکل کام ہے اس لئے کہ دوران ذکر انسان کے ذہن میں طرح طرح کے افکار و خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اسے یاد خدا سے روک دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہ جب تک نفس بے جا تصورات و خیالات سے خالی نہ ہو اس وقت تک نفس کے اندر فیض و نور خدا کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ وہ دل نور الٰہی کی پرتو کا مرکز قرار پا سکتا ہے جو اغیار سے خالی ہو۔ افکار و خیالات کو دور کرنا اور فکر خدا پر جما دینا عزم محکم، پکے ارادے، جد و جہد مراقبت و نگہداری اور ثبات و استقامت کا محتاج ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یکا یک اور بغیر کسی مشق و تمرین کے حاصل ہو جائے نفس کے ساتھ نرمی کرنا چاہیئے اور آہستہ آہستہ اسے اس عمل کا عادی بنانا چاہیئے۔

طریقۂ عمل

بعض اہل معرفت حضرات نے اس راستے کو طے کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل باتوں کی تاکیدو ہدایت کی ہے:

۱) مرید کو تمام چیزوں سے پہلے چاہئے کہ توبہ کے ذریعہ اپنے نفس کو گناہوں اور برے اخلاق سے پاک کرے۔ پہلے توبہ کے قصد وارادہ سے غسل کرے اور غسل کرتے وقت اپنے گناہوں اور باطنی گندگیوں کو نگاہ میں رکھے اور خدائے مہربان سے عرض کرے: پروردگارا! میں نے گناہوں سے توبہ کی اور میں تیری طرف لوٹ آیا ہوں۔ میں پکا ارادہ رکھتا ہوں کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ میں اپنے بدن کو پانی سے پاک کر رہا ہوں، اس طرح اپنے دل کو بھی گناہ اور برے اخلاق سے پاک کر رہا ہوں۔

۲) خود کو خدا کی بارگاہ میں حاضر جانو، کوشش کرو کہ ہر حالت میں خدا کی یاد کرتے رہو اور اگر غفلت طاری ہو جائے تو فوراً پلٹ آؤ۔

۳) اپنے نفس پر پوری طرح کنٹرول کرو تا کہ وہ گناہ سے آلودہ نہ ہو۔ دن اور رات میں ایک گھڑی، اپنے روزانہ کے اعمال کا پورے غور وفکر کے ساتھ حساب وکتاب کرو اور کوشش کرو کہ مقام حساب میں سختی سے اس کا مواخذہ کرو۔

۴) خاموشی کو اپنا شعار بنالو اور بغیر ضرورت کے گفتگو نہ کرو۔

۵) ضرورت بھر کھاؤ اور شکم سیری سے پرہیز کرو۔

۶) ہمیشہ باوضو رہو۔ جب بھی وضو ٹوٹ جائے فوراً تجدید وضو کرو۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے: جوشخص بھی وضوٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضونہ کرے، اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور جس شخص نے وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز نہیں پڑھی، اس نے ظلم کیا ہے اور جس شخص نے نماز پڑھ لی اور دنیا اور آخرت کے سلسلہ میں دعا کی اور میں نے اس کی دعا کو قبول نہیں کیا تو میں نے اس پر زیادتی کی لیکن میں ظلم و زیادتی کرنے والا نہیں ہوں۔"(۱)

۷) دن اور رات میں ایک گھڑی، توجہ اور حضورِ قلب کے لیے مخصوص کر دو اور اگر یہ رات میں ہو اور بالخصوص سحر کے وقت ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ تنہائی میں بیٹھ جاؤ، سر کو اپنے زانو پر رکھو اور اپنے تمام حواس کو ایک جگہ پر جمع کرو اور تمام برے قسم کے خیالات اور فکر کو اپنے سے پوری طرح دور رکھو اور ایک مدت تک اس عمل کو انجام دو۔ ایسا کرنے سے شاید تمہیں منزل کشف و شہود حاصل ہو جائے۔

۸) ذکر "یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ یَا مَن لااِلٰهَ اِلَّا اَنت" کا ورد اپنی زبان پر جاری رکھو اور حضورِ قلب کے ساتھ ہمیشہ اس کی تکرار کرتے رہو۔

۹) دن اور رات میں ایک طولانی سجدہ کرو اور اپنی طاقت بھر حضورِ قلب کے ساتھ اس ذکر کی تکرار کرے: "لااِلٰـهَ اِلَّا اَنـتَ سُبـحَـانَـکَ اِنّـی کُنتُ مِنَ الظّالِمِین" اس طولانی سجدہ کی پابندی بہت مجرب ہے اور اچھے اثرات کا حامل ہے۔ بعض عرفاء سے نقل ہوا ہے کہ وہ سجدہ میں، اس ذکر کی چار ہزار مرتبہ تکرار کرتے تھے۔

۱۰) دن اور رات میں ایک وقت معین کرے اور حضورِ قلب سے "یَـا غَـنِـیُّ یَـا مُغنِـی" کی تکرار کرے۔

۱۱) ہر روز حضورِ قلب کے ساتھ تھوڑا سا قرآن پڑھے اور آیات کے معنی میں غور و فکر کرے اور اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو زیادہ بہتر ہے۔

۱۲) سحر کے وقت نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ وضو کرو اور تنہائی میں حضورِ قلب کے ساتھ نماز شب پڑھو۔ نماز وتر کے قنوت کو طولانی کرے اور اپنے اور مؤمنین کے لیے بخشش طلب کرو۔

۱۔ وسائل رج را، ص ر ۲۶۸

نمازِ شب کے بعد ''آیت سخرہ'' کو حضورِ قلب کے ساتھ ستر مرتبہ پڑھو کہ جو یقین حاصل کرنے اور خیالات فاسدہ کو دور کرنے کے لیے مفید اور مجرب ہے۔ آیت سخرہ یہ ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ☆ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ☆ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَةَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ.[۱]

مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ چالیس دن رات تک مذکورہ طریقہ پر عمل کرے ممکن ہے خدائے سبحانہ کی توجہ کا مرکز قرار پاجائے اور اسے مقام کشف وشہود حاصل ہوجائے لیکن اگر پہلے چالیس دنوں میں اسے یہ توفیق نصیب نہ ہو تو مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ دوسرے چالیس دنوں میں مزید جدوجہد کرنی چاہئے تا کہ مقصد حاصل ہوجائے۔ چنانچہ اگر پھر بھی مقصد کے حصول کی توفیق نہ ہو تو تیسرے اور چوتھے چالیس دنوں تک اس عمل کو انجام دے تا کہ مقصد کو حاصل ہوجائے اور کبھی بھی عمل اور کوشش عمل سے دست بردار نہ ہو۔ جب بھی استعداد اور قابلیت پیدا ہوجائے گی اللہ کے فیض وکرم کا مرکز بن جائے گا۔ جب سالک الی اللہ شروع میں اتنے سارے اعمال کی توانائی نہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ شروع میں اس عمل کی تعداد کم کرے اور آہستہ آہستہ مقدار عمل میں اضافہ کرتا جائے لیکن ان اعمال میں سب سے اہم عمل غور وفکر، نفس کی بیداری، حضور قلب اور خدا کی طرف توجہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ سالک تمام باطل خیالات اور فاسد افکار کو اپنے نفس سے دور رکھے اور پوری طرح خدا کی طرف متوجہ ہو۔ البتہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ باطل خیالات وافکار کو آہستہ آہستہ تین مرحلے میں دور کیا جاسکتا ہے:

پہلا مرحلہ: اس مرحلہ میں اس بات کی کوشش کرے کہ ذکر کے دوران اپنی پوری توجہ اسی ذکر پر رکھے اور افکار وخیالات کو اپنے ذہن سے نکال دے۔

۱۔ سورۂ اعراف، ۵۴۔ ۵۶؛ اصول کافی، ج۱، ص۳۴۴۔

دوسرا مرحلہ: اس مرحلے میں پہلے مرحلہ کی طرح اپنے ذہن کو ذکر میں مشغول رکھے اس فرق کے ساتھ کہ اس بات کی کوشش کرے کہ ذکر کے معانی ومفاہیم پر پوری توجہ رکھے اور ان کو اپنے ذہن میں جگہ دے اور دیگر خیالات وافکار کے ہجوم سے بچتا رہے اس عمل کو اتنا انجام دے کہ دوران ذکر دوسرے خیالات اور افکار کو روکے رکھے، اسی حالت میں ذکر کے معانی اور مفاہیم کی طرف بھی پوری طرح سے توجہ رکھے۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں اس بات کی کوشش کرے کہ سب سے پہلے معانی کو اپنے دل میں بٹھالے اور جب دل ان معانی کو قبول کرلے اور اس پر ایمان لے آئے تو پھر ان اذکار کو اپنی زبان پر جاری کرے۔ تب زبان، واقعاً دل کی پیروی کرے گی۔

چوتھا مرحلہ: اس مرحلہ میں اس بات کی سعی کرے کہ تمام خیالات، مفاہیم اور معانی یہاں تک کہ ذکر کے تصوری مفاہیم کو بھی دل سے نکال دے اور اسے خدائے سبحان کے فیوض و برکات کے حصول کے لیے آمادہ کرلے اور پوری طرح حق تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور تمام دوسری چیزوں کو دل سے نکال دے اور دل کے دروازوں کو فیوض و برکات الٰہی کے لئے کھول دے۔ اس وقت یہ ممکن ہے کہ اللہ کے خاص لطف و کرم اس کے شامل حال ہو جائے اور اللہ کے فیوض وبرکات اور نور سے فائدہ اٹھا سکے اور اس کی کشش کے ذریعہ درجات کمالات کو طے کرے۔ اس مرحلہ مقام میں ممکن ہے کہ سالک اس طرح یاد اللہ میں ڈوب جائے کہ وہ خدا کے علاوہ کسی اور کو نہ دیکھے، اس طرح کہ وہ اپنے نفس اور اپنے افعال کو بھی نہ دیکھے اور صرف خدا سے ہی مانوس ہو۔ ''هنيئاً لاهله'' ''اس کے اہل کو یہ حالت مبارک ہو۔''

بہتر ہے کہ میں اپنی بات کو ان اولیائے خدا کے حوالہ کردوں کہ جنہوں نے ان منازل کو طے کیا ہے اور شوق، انس ومحبت اور لقاء کے مزہ کو چکھا ہے۔

امیر المومنینؑ کا دستور العمل

حضرت علیؑ کے ایک صحابی جناب نوف کہتے ہیں: میں نے امیر المومنینؑ کو دیکھا کہ وہ بہت تیزی سے چلے جارہے ہیں، میں نے عرض کیا: میرے مولاؑ آپ کہاں جارہے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

14

نوف مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو، اس لیے کہ میری آرزوئیں مجھ کو میرے محبوب کی طرف لے جا رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے مولاؑ آپ کی آرزوئیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "وہ شخص جو میری آرزوؤں کو جاننا چاہتا ہے، وہ میری آرزوؤں سے واقف ہے۔ مجھے ان آرزوؤں کو دوسروں سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ بندۂ خدا، خدا کی نعمتوں اور حاجتوں میں، اس کے علاوہ کسی دوسرے کو شریک نہ قرار دے۔" میں نے عرض کیا: "اے امیر المومنینؑ میں اپنے اوپر نفس کی ہوا و ہوس اور دنیاوی معاملات میں لالچ کے غلبہ سے ڈرتا ہوں؟" آپؑ نے فرمایا: "تم کیوں ڈرنے والوں کی نگہداری کرنے والے اور عارفین کو پناہ دینے والے سے غافل ہو؟" میں نے عرض کیا: "اس کا مجھے تعارف کرائیے۔" آپؑ نے فرمایا: "وہ خدائے بزرگ ہے کہ جس کے فضل و کرم سے تو اپنی آرزوؤں تک پہنچتا ہے۔ تم اپنی پوری طاقت و توانائی کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرو اور جو کچھ بھی تمہارے دل میں داخل ہو گیا ہے، اسے باہر نکال دو اور اگر یہ کام تم پر دشوار ہوا تو میں اس کا ضامن ہوں۔"

خدا کی طرف پلٹ آؤ اور اپنی تمام تر توجہ کو اس کی طرف پلٹا دو۔ خدائے سبحان فرماتا ہے:
"میری عزت و جلال کی قسم! اس شخص کی امید کو جو کہ میرے علاوہ کسی اور سے امید رکھے میں اس کی امید کو منقطع کر دیتا ہوں۔ میں اسے ذلت و رسوائی کا لباس پہناتا ہوں اور اپنی بارگاہ سے اسے دور کر دیتا ہوں، اس سے قطع تعلق کر لیتا ہوں اور اسے بھلا دیتا ہوں۔"

افسوس اس کے حال پر جو مشکلات میں میرے علاوہ کسی دوسرے کی پناہ میں جائے؟ جبکہ مشکلات کا حل میرے پاس ہے۔ کیا تو میرے علاوہ کسی اور سے امید رکھتا ہے؟ جبکہ میں زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہوں۔ کیا تو دشواریوں کے حل کے لیے بندوں کے گھر کے دروازہ پر جاتا ہے؟ جبکہ ان کے دروازے بند ہیں۔ کیا میرے دروازے کو چھوڑ رہا ہے؟ جبکہ میرا دروازہ کھلا ہوا ہے؟ کس شخص نے مجھ سے امید رکھی اور میں نے اس کی امید کو توڑ دیا؟

میں نے اپنے بندوں کی امید کو اپنے سے وابستہ کر رکھا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہوں۔ آسمان کو ہم نے ایسی مخلوقات سے بھر دیا ہے جو ہماری تسبیح اور عبادت سے تھکتی نہیں ہیں اور میں نے فرشتوں سے کہہ رکھا ہے کہ میرے اور میرے بندوں کے بیچ کبھی بھی دروازوں کو بند نہ کریں۔

کیا وہ شخص کہ جس کے سامنے کوئی مشکل آئے، نہیں جانتا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی بھی اس مشکل کو حل نہیں کر سکتا؟ بندہ اپنی آرزوؤں کے لیے میری طرف رجوع کیوں نہیں کرتا؟ جب کہ میں نے اسے وہ بھی عطا کیا جو اس نے مجھ سے نہیں مانگا۔ کیوں مجھ سے سوال نہیں کرتا اور میرے علاوہ دوسرے سے سوال کرتا ہے؟ کیا وہ یہ سوچتا ہے کہ میں شروع میں ہی اپنے بندہ کو عطا کرتا ہوں لیکن اگر وہ سوال کرے تو کیا میں اس کو محروم کرتا ہوں؟ کیا میں کنجوس ہوں کہ میرا بندہ مجھے کنجوس سمجھتا ہے؟ کیا دنیا و آخرت میرے اختیار میں نہیں ہے؟ کیا کرم اور سخاوت میری صفات میں سے نہیں ہے؟ کیا فضل اور رحمت میرے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے؟ کیا تمام آرزوؤں کی انتہا میری ذات نہیں ہے؟ کون ہے جو انہیں روک دے؟

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم کہ اگر میں زمین کے تمام لوگوں کی آرزوؤں کو جمع کرلوں اور ان میں سے ہر ایک کو، ان کی چاہت کی مقدار بھر عطا کروں تب بھی میری ملکیت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی۔ جو کچھ میری طرف سے عطا ہوگا اس میں کمی کیسے واقع ہو سکتی ہے؟ کتنا مجبور اور محتاج ہے وہ شخص جو میری رحمت سے مایوس ہو جائے؟ کتنا بیچارہ ہے وہ شخص جو میری نافرمانی کرے، حرام کاموں کا مرتکب ہو اور میرے حدود کا پاس ولحاظ نہ رکھے اور سرکشی کرے؟ امیر المومنینؑ نے ان باتوں کے بعد فرمایا: اے نوف اس دعا کو پڑھو:

اِلٰهِیْ اِنْ حَمَدْتُکَ فَبِمَوَاهِبِکَ،وَاِنْ مَجَّدْتُکَ فَبِمُرَادِکَ،وَاِنْ قَدَّسْتُکَ فَبِقُوَّتِکَ وَاِنْ هَلَّلْتُکَ فَبِقُدْرَتِکَ،وَاِنْ نَظَرْتُ فَاِلٰی رَحْمَتِکَ،وَاِنْ عَضَضْتُ فَعَلٰی نِعْمَتِکَ،اِلٰهِیْ اِنَّهُ مَنْ لَّمْ یَشْغَلْهُ الْوَلُوْعُ بِذِکْرِکَ،وَلَمْ یَزْوِهِ السَّفَرُ بِقُرْبِکَ، کَانَتْ حَیَاتُهُ عَلَیْهِ مَیْتَةً وَمَیْتَتُهُ عَلَیْهِ حَسْرَةً،اِلٰهِیْ تَنَاهَتْ اَبْصَارُ النَّاظِرِیْنَ اِلَیْکَ بِسَرَائِرِ الْقُلُوْبِ،وَطَالَعَتْ اَصْغَی السَّامِعِیْنَ لَکَ نَجِیَّاتُ الصُّدُوْرِ،فَلَمْ یَلْقَ اَبْصَارَهُمْ رَدٌّ دُوْنَ مَایُرِیْدُوْنَ، هَتَکْتَ بَیْنَکَ وَبَیْنَهُمْ حُجُبَ الْغَفْلَةِ،فَسَکَنُوْا فِیْ نُوْرِکَ،وَتَنَفَّسُوْا بِرَوْحِکَ، فَصَارَتْ قُلُوْبُهُمْ مَغَارِساً لِهَیْبَتِکَ وَاَبْصَارُهُمْ مَعَاکِفاً لِقُدْرَتِکَ وَقَرَّبْتَ اَرْوَاحَهُمْ مِنْ قُدْسِکَ،فَجَالَسُوْا اِسْمَکَ بِوَقَارِ الْمُجَالَسَةِ،وَخُضُوْعِ الْمُخَاطَبَةِ، فَأَقْبَلْتَ اِلَیْهِمْ اِقْبَالَ الشَّفِیْقِ،وَاَنْصَتَّ لَهُمْ اِنْصا تَ

الرَّفِيْقِ،وَ اَحْبَبْتَهُمْ اِجَابَاتِ الْاَحِبَّاءِ وَنَاجَيْتَهُمْ مُنَاجَاةَ الْاَخِلَّاءِ،فَبَلِّغْ بِيْ الْمَحَلَّ الَّذِيْ اِلَيْهِ وَصَلُوْا،وَانْقُلْنِيْ مِنْ ذِكْرِيْ اِلٰى ذِكْرِكَ،وَلَا تَتْرُكْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَلَكُوْتِ عِزِّكَ بَاباً اِلَّا فَتَحْتَهُ،وَلَا حِجَاباً مِّنْ حُجُبِ الْغَفْلَةِ اِلَّا هَتَكْتَهُ،حَتّٰى تُقِيْمَ رُوْحِيْ بَيْنَ ضِيَاءِ عَرْشِكَ،وَتَجْعَلَ لَهَا مَقَاماً نَصْبَ نُوْرِكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اِلٰهِيْ مَااَوْحَشَ طَرِيْقاً لَا يَكُوْنُ رَفِيْقِيْ فِيْهِ اَمَلِيْ فِيْكَ،وَاَبْعَدَ سَفَراً لَّا يَكُوْنُ رَجَائِيْ مِنْهُ دَلِيْلِيْ مِنْكَ،خَابَ مَنِ اعْتَصَمَ بِحَبْلِ غَيْرِكَ،وَضَعُفَ رُكْنُ مَنْ اِسْتَنَدَ اِلٰى غَيْرِ رُكْنِكَ،فَيَا مُعَلِّمَ مُؤَمِّلِيْهِ الْاَمَلَ فَيَذْهَبُ عَنْهُمْ كَآبَةُ الْوَجَلِ، لَا تَحْرِمْنِيْ صَالِحَ الْعَمَلِ،وَاكْلَاْنِيْ كَلَاءَةَ مَنْ فَارَقَتْهُ الْحِيَلُ،فَكَيْفَ يَلْحَقُ مُؤَمِّلِيْكَ ذُلُّ الْفَقْرِ وَاَنْتَ الْغَنِيُّ عَنْ مَضَارِّ الْمُذْنِبِيْنَ،اِلٰهِيْ وَاِنَّ كُلَّ حَلَاوَةٍ مُنْقَطِعَةٌ،وَحَلَاوَةُ الْاِيْمَانِ تَزْدَادُ حَلَاوَتُهَا اِتِّصَالاً بِكَ،اِلٰهِيْ وَاِنَّ قَلْبِيْ قَدْ بَسَطَ اَمَلَهُ فِيْكَ،فَأَذِقْهُ مِنْ حَلَاوَةِ بَسْطِكَ اِيَّاهُ الْبُلُوْغَ لِمَا أَمَّلَ،اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اِلٰهِيْ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ مَنْ يَعْرِفُكَ كُنْهَ مَعْرِفَتِكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ يَنْبَغِيْ لِلْمُوْمِنِ اَنْ يَّسْلُكَهُ،وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّوَّ فِتْنَةٍ اَعَذْتَ بِهَا اَحِبَّائَكَ مِنْ خَلْقِكَ،اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اِلٰهِيْ اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ الَّذِيْ قَدْ تَحَيَّرَ فِيْ رَجَاهُ،فَلَا يَجِدُ مَلْجَاً وَّلَا مُسْنَداً يَصِلُ بِهِ اِلَيْكَ،وَلَا يَسْتَدِلُّ بِهِ عَلَيْكَ اِلَّا بِكَ وَبِاَرْكَانِكَ وَمَقَامَاتِكَ الَّتِيْ لَا تَعْطِيْلَ لَهَا مِنْكَ،فَاَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِيْ ظَهَرْتَ بِهِ لِخَاصَّةِ اَوْلِيَائِكَ، فَوَحَّدُوْكَ وَعَرَفُوْكَ فَعَبَدُوْكَ بِحَقِيْقَتِكَ اَنْ تُعَرِّفَنِيْ نَفْسَكَ لِاَقِرَّلَكَ بِرُبُوْبِيَّتِكَ عَلٰى حَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ بِكَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ يَا اِلٰهِيْ مِمَّنْ يَعْبُدُ الْاِسْمَ دُوْنَ الْمَعْنٰى وَالْحَظْنِيْ بِلَحْظَةٍ مِّنْ لَحَظَاتِكَ تُنَوِّرُبِهَا قَلْبِيْ بِمَعْرِفَتِكَ خَاصَّةً وَّ مَعْرِفَةِ اَوْلِيَائِكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ(۱)

۱۔ بحار ر ج ۹۴، ص ۹۴

امام جعفر صادقؑ کا دستورالعمل

عنوان بصری، چورانوے کے سن رسیدہ کہتے ہیں: میں علم حاصل کرنے کے لیے مالک بن انس کے پاس آتا جاتا تھا۔ جب جعفر بن محمد علیہ السلام ہمارے شہر میں تشریف لائے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کیونکہ میں اس بات کو پسند کرتا تھا کہ ان بزرگوار کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر علم حاصل کروں۔ انہوں نے ایک روز مجھ سے فرمایا: ''میں ایک ایسا مرد ہوں جو لوگوں اور خدا کی توجہ اور نظر کرم کا مرکز قرار پا چکا ہوں اب بھی میں ہر لحہ دن رات دعاؤں اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا ہوں، تم مجھ کو ذکر خدا اور دعاؤں سے دور مت کرو اور حصول علم کے لیے حسب سابق مالک بن انس کے پاس جاؤ۔''

میں اس بات سے غمگین اور افسردہ ہوا اور آپ کے پاس سے چلا گیا۔ میں نے سوچا! اگر امامؑ مجھ میں کوئی بھلائی پاتے تو مجھ کو اپنے دیدار سے محروم نہ کرتے۔ اس کے بعد میں مسجد نبوی میں گیا اور میں نے آنجنابؐ کو سلام کیا۔ دوسرے دن بھی رسولؐ خدا کے روضہ پر گیا، دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھوں کو اٹھایا اور کہا! ''یَا اللّٰہُ یَا اللّٰہُ اَن تَعطِفَ عَلَیَّ قَلبَ جَعفَرٍ وَ تَرزُقَنِی مِن عِلمِہٖ مَا اَھتَدِی بِہٖ اِلٰی صِرَاطِکَ المُستَقِیم'' ''اے اللہ! اے اللہ! امام جعفرؑ کے دل کو نرم کر دے اور ان سے مجھے وہ علم عطا کر، جس کی وجہ سے میں صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا جاؤں۔''

اس کے بعد میں رنجیدہ اپنے گھر واپس آ گیا اور مالک بن انس کے پاس بھی نہیں گیا۔ کیونکہ جعفرؑ بن محمدؑ کی محبت نے میرے دل میں جگہ بنا لی تھی۔ ایک مدت تک صرف واجب نماز کی ادائیگی کے علاوہ گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا یہاں تک کہ پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔

اور میں ایک دن حضرتؑ کے دروازہ پر پہنچا اور میں نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ ایک خادم باہر آیا اور کہا: کیا کام ہے؟ میں نے کہا: میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں تا کہ شرف سلام حاصل کروں۔ اس نے جواب دیا: امامؑ محراب عبادت میں ہیں۔ اس کے بعد وہ اندر چلا گیا اور میں دروازہ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم واپس آیا اور کہا: تشریف لائیے۔ میں گھر میں داخل ہوا اور میں نے حضرتؑ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: بیٹھو خدا تمہاری مغفرت کرے۔ میں حضرت کی خدمت میں بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنے سر کو نیچے کیا اور ایک لمبے

سکوت کے بعد سر کو اٹھایا اور فرمایا: تمہاری کنیت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ابوعبداللہ۔ آپؑ نے فرمایا: خدا تم کو اس کنیت پر باقی رکھے اور توفیق عطا کرے۔ تمہاری خواہش کیا ہے؟ میں نے اپنے دل میں کہا: اگر اس ملاقات میں اس دعا کے علاوہ کوئی دوسرا فائدہ نہ بھی ہو تب بھی صرف اتنا ہی میرے لیے بہت قیمتی ہے۔ پھر میں نے عرض کیا: میں خدا سے چاہتا ہوں کہ آپ کے دل کو میرے اوپر مہربان کردے اور میں آپ کے علم سے فیضیاب ہوں مجھے امید ہے کہ خدا نے میری دعا قبول کرلی ہوگی۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے اباعبداللہ! علم حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ علم ایک نور ہے جو اس شخص کے دل میں چمکتا ہے کہ جس کی خدا ہدایت کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر تو علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دل میں بندگی کی حقیقت کو پیدا کر اور علم کو عمل کے ذریعہ حاصل کر و اور خدا سے درک وفہم طلب کر کہ وہ تجھے سمجھائے۔

میں نے عرض کیا: اے سید و سردار! آپؑ نے فرمایا: کہو: اباعبداللہ! میں نے کہا اے اباعبداللہ! بندگی (عبودیت) کی حقیقت کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: بندگی کی حقیقت تین چیزوں میں ہے: پہلے یہ کہ بندہ، خود کو ان چیزوں کا مالک قرار نہ دے جو خدا نے اسے عطا کی ہیں، کیونکہ لوگ کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے بلکہ وہ مال کو خدا کا مال جانے اور اس راستہ پر کہ جس کا حکم اسے دیا گیا ہے، خرچ کرے۔ دوسرے یہ کہ اپنے کو، کاموں کی تدبیر میں ناتواں اور کمزور سمجھے۔ تیسرے یہ کہ اپنے کو، خدا کے اوامر ونواہی کے انجام دینے میں مشغول رکھے لہٰذا اگر بندہ اپنے کو مال کا مالک نہیں جانتا ہے تو اس کے لیے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا، آسان ہو جاتا ہے۔ اگر اپنے کاموں کی تدبیر کو خدائے مدبر کے سپرد کردے تو اس کے لیے دنیا کے مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر وہ خدا کے اوامر ونواہی کو انجام دینے میں مشغول رہے گا تو وہ اپنے قیمتی وقت کو فخر ومباہات اور ریاکاری میں ضائع نہیں کرے گا اور اگر خدا کسی بندہ کو ان تین گرانقدر چیزوں سے نواز دے تو اس کے لیے دنیا، شیطان اور مخلوق، آسان ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں وہ مال کی زیادتی اور فخر ومباہات کے لیے مال کو طلب نہیں کرے گا جو کہ لوگوں میں عزت اور برتری کا ذریعہ شمار کیا جاتا ہے، اسے کبھی طلب نہیں کرے گا اور اپنے قیمتی وقت کو بیکاری اور سستی میں نہیں گذارے گا۔ یہی تقویٰ کا پہلا درجہ ہے کہ خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ الدَّارُ الآخِرَةُ نَجعَلُهَا لِلَّذِينَ لا يُرِيدُونَ

عُلُوّاً فِي الْاَرضِ وَ لَا فَسَاداً وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِين ﴾ ''وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو قرار دیں گے جو زمین پر تکبر اور فساد نہیں کریں گے اور عاقبت تو متقین کے لیے ہے۔''

میں نے عرض کیا: یا اباعبداللہ! مجھے کوئی دستور العمل عطا کیجئے۔ آپؑ نے فرمایا: تم کو میں نو چیزوں کی تاکید کرتا ہوں۔ یہ میری ہدایت، ان تمام لوگوں کے لیے ہے جو حق کے راستہ کو طے کرنا چاہتے ہیں اور میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اس پر عمل کی توفیق عطا کرے: تین دستور العمل نفس کی ریاضت کے لیے، تین دستور العمل حلم اور بردباری کے لیے اور تین دستور العمل عمل کے لیے ہیں۔ تم انہیں یاد کرلو اور خبردار اس سلسلہ میں سستی اور کاہلی نہ کر۔

عنوان بصری نے عرض کیا: میری تمام توجہ حضرت کی باتوں کی طرف تھی۔ پھر حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ تین باتیں جو کہ ہم نے تمہیں نفس کی ریاضت کے لیے وصیت کیں، یہ ہیں!

۱۔ خیال رکھو جس چیز کی خواہش نہ ہو، اسے مت کھاؤ، کیونکہ یہ حماقت اور نادانی کا باعث بنتی ہے۔

۲۔ بھوک کے علاوہ کھانا نہ کھاؤ۔

۳۔ جس وقت کھانا کھاؤ، حلال کھانا کھاؤ اور کھانے سے پہلے بسم اللہ کہو۔ اس وقت رسولؐ خدا کی حدیث کو نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: آدمی کبھی بھی برتن کو پورا نہیں بھرتا مگر یہ کہ شکم کا بھرنا، اس سے بدتر ہوتا ہے۔ اگر کھانے کی خواہش ہو تو ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے، ایک تہائی حصہ پانی کے لیے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لیے چھوڑ دے۔

جو تین باتیں حلم اور بردباری سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں!

۱۔ جو شخص تم سے کہے کہ اگر تم نے ایک کلمہ بھی مجھ سے کہا تو میں اس کے جواب میں دس کلمہ کہوں گا تو تم اس کے جواب میں کہو! اگر تم نے دس کلمے بھی مجھ سے کہے تو اس کے جواب میں مجھ سے ایک کلمہ بھی نہیں سنے گا۔

۲۔ جو شخص بھی تجھے برا بھلا کہے، اس کے جواب میں کہو! اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا ہمیں معاف کر دے اور اگر تم جھوٹ کہتے ہو تو خدا تم کو بخش دے۔

۳۔ جو شخص بھی تجھ کو گالی دے تو تم اس کو نصیحت کرو اور دعا کا وعدہ کرو۔

جو تین باتیں علم کے بارے میں ہیں، وہ یہ ہیں!

۱۔ جو کچھ تم نہیں جانتے اس کو علماء سے پوچھو، لیکن خیال رکھو کہ تمہارا سوال ان کے امتحان و آزمائش

اور تکلیف کا باعث نہ ہو۔

۲۔ اپنی رائے پر عمل کرنے سے پوری طرح پرہیز کرو اور جتنا ہو سکے احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

۳۔ (شرعی دلیل کے بغیر) اپنی رائے سے فتویٰ دینے سے بچتے رہو۔ ٹھیک اسی طرح سے جس طرح شیر سے بچتے اور بھاگتے ہو، اپنی گردن کو دوسرے لوگوں کے لیے پل قرار مت دو۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اے ابا عبداللہ! میرے پاس سے اٹھو میں نے بہت زیادہ تم کو وصیت کی اور میرے ذکرِ خداوندی اور دعا میں رخنہ نہ ڈالو کیونکہ میں اپنے نفس کی قیمت جانتا ہوں۔ ''وَالسَّلامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰیٰ'' ''سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''(۱)

علامہ مجلسیؒ کا دستور العمل

عارفوں میں سے ایک بہت بڑے عارف ربانی ملا محمد تقی مجلسیؒ ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

اِس بندہ نے جو کچھ بھی ریاضت اور خودسازی کے دوران حاصل کیا ہے، ان سب کا تعلق اس زمانے سے ہے جس زمانے میں تفسیر کے مطالعہ میں مشغول تھا۔ ایک رات غنودگی کے عالم میں، میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، میں نے اپنے آپ سے کہا، مناسب ہے کہ آنحضرتؐ کے کمالات اور اخلاق میں خوب غور و فکر کروں۔ میں نے جتنا زیادہ اس میں غور و فکر کیا تو آنجنابؐ کی عظمت اور نورانیت کو اس سے زیادہ پایا۔ اس طرح سے کہ آپ کا نور ہر جگہ پھیلا ہوا تھا۔ اسی دوران بیدار ہوا میرے اوپر الہام ہوا اور خدا کی طرف سے دل میں بات آئی کہ رسولؐ خدا کا اخلاق قرآن کے مطابق ہوگا لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم قرآن میں غور و فکر کریں لہٰذا ہم نے جتنا زیادہ آیۂ قرآنی میں غور و فکر کیا، اتنے ہی زیادہ حقائق ہمارے نصیب میں آتے رہے، یہاں تک کہ ایک دفعہ میرے دل میں بہت سارے حقائق اور معارف آ گئے۔ پھر جس آیت پر بھی میں نے غور و فکر کیا تو مجھ پر بہت زیادہ بخشش اور عطا ہوئی۔ البتہ اس مطلب کی تصدیق، اس شخص کے لیے کہ جس کو اس طرح کی توفیق نہیں ہے، بہت دشوار اور مشکل ہے بلکہ عادتاً غیر ممکن ہے لیکن ہمارا مقصد اللہ کی راہ پر چلنے والے بھائیوں کے لیے راہنمائی کرنا ہے۔

ریاضت اور خودسازی کا طریقہ یہ ہے کہ: اپنے کو بے فائدہ باتوں بلکہ خدا کے ذکر کے

۱۔ کشکول شیخ بہائی رج ۲، ص ۱۸۴، چاپ فراہانی، بحار الانوار رج ۱، ص ۲۲۴

علاوہ دوسری باتوں سے بچائے رکھے۔

اپنے کولذت بخشنے والے کھانے، پینے، لباس، نکاح، خوبصورت اور آرام وسکون بخشنے والے مکان کے استعمال سے روکے رکھے اور صرف بقدر ضرورت استعمال کرنے پر اکتفا کرے۔

اولیاءخدا کی ہمنشینی کے علاوہ دوسروں سے دوری اختیار کرے۔

زیادہ سونے سے پرہیز کرے اور خدا کے ذکر کو پوری طرح اور پابندی سے ادا کرتا رہے۔

اولیاءخدا نے ہمیشہ ذکر ''یَاحَیُّ یَاقَیُّومُ، یَا مَن لا اِلٰهَ اِلَّا اَنت'' کا تجربہ کیا ہے اور نتیجہ حاصل کیا ہے۔ میں نے بھی اسی ذکر کا تجربہ کیا ہے لیکن میرا ذکر غالباً ''یااللہ'' ہے، جو کہ غیر خدا کو دل سے نکالنے اور پوری طرح سے خدائے متعال کی جانب توجہ کے لیے ہوتا ہے۔

البتہ سب سے اہم یہ ہے کہ خدا کا ذکر پوری توجہ اور پابندی کے ساتھ ہو اور تمام باتیں اللہ کے ذکر کے برابر نہیں ہوتیں۔ اگر یہ عمل چالیس دن رات تک برابر کریں تو سالک پر حکمت، معرفت اور محبت کے نورانی دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت وہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقام تک پہونچ جاتا ہے۔ (۱)

آخوند ملاحسین قلی ہمدانی کا خط:

عالم ربانی اور عارف زاہد آخوند ملاحسین قلی ہمدانی قدس سرہ، اپنے ایک خط میں، تبریز کے عالموں میں سے ایک عالم کو لکھتے ہیں:

''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّد وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَلَعْنَةُ اللهِ عَلٰى اَعْدَائِهِمْ اَجْمَعِيْنَ''

دینی بھائیوں پر یہ بات چھپی نہ رہے کہ اللہ کے قریب ہونے کے لیے سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ انسان تمام حرکات، سکنات، بات اور لمحوں وغیرہ میں شریعت کا پابند رہے اس لئے کہ ان راستوں کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اللہ کی قربت حاصل کرنے کا نہیں ہے اور بیہودہ خرافات کا شوق، اگرچہ اس مقام کے علاوہ یہ شوق اچھا ہے، سے بچنا چاہئے ''**كَمَا دَابُ الْجُهَّالِ**

۱۔ روضۃ المتقین رج ر۱۳، ص ر۱۲۸

وَ الصُّوفِيَّةِ خَذَلَهُمُ اللهُ ''جس طرح جاہل اور صوفیا اللہ سے دور ہو جاتے ہیں'' کیونکہ یہ اللہ سے دور ہو جانے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پینے کے قریب ہو اور گوشت نہ کھاتا ہو۔ اگر ائمہ اطہارؑ کی عصمت پر ایمان رکھتا ہو تو سمجھ جانا چاہئے کہ وہ خداوند کریم سے دور ہو گیا ہے اور اسی طرح اس ذکر کی کیفیت میں بھی، جو کہ سادات المعصومینؑ سے وارد نہیں ہوئی ہیں، عمل کرتا ہے (تو خرافات اور بیہودہ ہے) اس بنیاد پر ہمیشہ شریعت کو مقدم رکھے اور اہتمام کرے کہ جو کچھ بھی شریعت میں آیا ہے، اس پر کاربند رہے۔ اس طرح کہ اس عقل اور نقل کے ضعیف و کمزور انسان نے جیسا سمجھا ویسا عمل کیا۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے سب سے اہم چیز گناہ و معصیت کو چھوڑ دینے کی کوشش اور سعی کرنا ہے۔ جب تک اس کام کو انجام نہیں دے گا، اس وقت تک تمہارا ذکر اور تمہاری فکر، تمہارے دل کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے۔ جیسا کہ کسی شخص کی بادشاہ کے سامنے پیش کش اور خدمت، گناہ اور انکار کے ساتھ ہو تو وہ بے فائدہ ہوا کرتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کون بادشاہ، اُس عظیم الشان بادشاہ سے زیادہ بڑا ہے اور کون سی دشمنی اس کی دشمنی سے زیادہ بری ہے؟!

لہٰذا جو کچھ بھی ہم نے ذکر کیا ہے، اسے خوب سمجھو اور غور و فکر کرو اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار ایسی حالت میں کرنا، جب کہ تو گناہ و معصیت کو بجالائے، بیکار اور فاسد کام ہے۔ یہ بات تم پر کیسے چھپی ہوئی ہے کہ اللہ کی معصیت اس کی نفرت کا سبب ہوا کرتی ہے؟ اور اللہ کی نفرت، محبت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی؟ اور جب تمہارے نزدیک یہ بات ثابت ہو گئی تو گناہ کو ترک کرنا ہی دین کی ابتداء و انتہاء ہے، ظاہر و باطن ہے۔ تو پھر کوشش کرنے کی طرف جلدی کرو اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد تمام اوقات میں اسی طرح کی کوشش میں مشغول رہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے آداب بجالانے کی پابندی کرو اور یہ جان لو کہ تو اپنے تمام وجود کے ذرہ ذرہ میں اس کی قدرت کا قیدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور کا احترام کرو اور اس کی یوں عبادت کرو کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ ذات تجھے دیکھ رہی ہے اور ہمیشہ اس کی عظمت کی طرف متوجہ رہو، اپنے کو حقیر و ذلیل اور اس کو بلند اپنے کو پست اور اس کو باعزت، اس کو غنی اور اپنے کو محتاج جانو۔ اس کی ذات سے غفلت نہ برتو، جب کہ وہ بزرگ و برتر ذات ہمیشہ تمہاری طرف متوجہ رہتی ہے۔ اس کے سامنے ایک ذلیل اور کمزور بندے کی طرح کھڑے رہو اور اپنے قدموں کو اس کے سامنے یوں جھکاؤ کہ جیسے ایک کمزور کتا

اپنے قدم زمین پر رگڑتا ہے۔ کیا تیرے لیے یہ شرف اور فخر کافی نہیں ہے کہ اس نے اپنا عظیم نام (اسم اعظم) سننے اور تمہاری گندی اور نجس زبان سے اپنا ذکر کرنے کی (تمہیں) اجازت دے رکھی ہے۔

لہٰذا اے عزیز! جب اس کریم ورحیم نے زبان کو وہ نور کا خزانہ یعنی اپنے ذکر شریف کے لیے قرار دیا ہے تو کتنی بے حیائی ہے کہ ہم بادشاہ کے خزانے کو نجاست، غیبت، جھوٹ، گالی، اذیت اور گناہ کی دوسری قسموں سے گندہ کرلیں۔ بادشاہ کے خزانے کو عطر اور گلاب سے پُر کریں نہ کہ گندگیوں سے نجس کردیں اور بے شک جب تک غور وفکر کے ساتھ تم اس سے نہیں بچو گے تو تم نہیں جان پاؤ گے کہ تمہارے اعضاء سبعہ یعنی کان، زبان، آنکھ، ہاتھ، پیر، پیٹ اور شرمگاہ نے کون سا گناہ کرلیا اور کون سی آگ کو روشن کرلیا؟! اور کون سے فساد کو اپنے دین میں برپا کرلیا؟ اپنی زبان کی تلوار اور نیزے سے اپنے دل پر کیسا زخم لگا رہا ہے؟ اگر تو ان سے نہ مارا گیا ہو تو بہت اچھا ہے۔ اگر میں چاہوں کہ ان فساد پیدا کرنے والی چیزوں کو تفصیل سے بیان کروں تو کئی کتابیں جمع ہو جائیں گی۔ اسے میں ایک ورق میں کیسے بیان کرسکتا ہوں؟ تو نے ابھی تک اپنے اعضاء وجوارح کو گناہوں سے پاک نہیں کیا تو پھر تم کس طرح سے اس بات کے منتظر ہو کہ میں اپنے دل کے تفصیلی حالات تمہارے لیے کیسے لکھ دوں؟ لہٰذا سچی توبہ کرنے کی طرف جلدی کرو پھر اس سے بچتے رہنے کے لیے جلدی کرو، جلدی کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچتے رہنے کی کوشش کے بعد، اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے جاگو اور صبح کے وقت اللہ کے سامنے کھڑے ہونے یعنی عبادت کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور نماز شب کو پورے آداب اور حضور قلب کے ساتھ بجالاؤ۔ اگر تمہارے پاس وقت زیادہ ہو تو اپنے کو ذکر الٰہی یا مناجات میں مشغول رکھو لیکن رات کے ایک خاص وقت پورے حضور قلب کے ساتھ ذکر خداوندی میں مشغول رہو اور جب تک ذکر کرتے رہو رنجیدہ رہو۔ اگر یہ نہ ہو تو اسے اس کے اسباب سے حاصل کرو اور فارغ ہونے کے بعد تسبیح جناب سیدہؑ اور بارہ مرتبہ سورۂ توحید اور دس مرتبہ لا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحدَهُ لا شَرِیکَ لَه، لَـهُ الْمُلْکُ ..... الی آخر، اور سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور ستر مرتبہ استغفار پڑھے اور تھوڑا سا قرآن مجید کی تلاوت کرے اور مشہور ومعروف دعائے صباح: یعنی یَـامَنْ دَلَـعَ لِسَـانَ الصَّبَـاحِ الی آخر ضرور پڑھے اور ہمیشہ باوضو رہے اور اگر ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھے تو بہت بہتر ہے۔ بہت زیادہ (اللہ کی طرف) توجہ کرے اور کسی وجہ سے بھی اس کی اذیت

دوسرے کو نہ پہنچے۔ تمام مسلمانوں کی حاجتوں کے پورا ہونے، خاص طور سے علماء، متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے بہت زیادہ کوشش کرے اور ہر اس مجلس سے پوری طرح اجتناب کرے، جہاں گناہ واقع ہونے کا گمان ہو بلکہ غافل لوگوں کی نشست میں بیٹھنا بغیر کسی ضرورت کے نقصان دہ ہے۔ اگر چہ وہ گناہ سے خالی ہو۔ مباح چیزوں میں مشغول رہنا، بہت زیادہ ہنسی مذاق کرنا، لغو اور بیکار بات کہنا اور سننا، دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

اگر مراقبہ کے بغیر ذکر اور فکر میں مشغول ہو جائے تو بے فائدہ ہوگا۔ اگر چہ وہ حال بھی لے آئے کیونکہ وہ حال اور وجد ہمیشہ رہنے والا نہیں ہوگا۔ ایسے حال سے دھوکا مت کھاؤ جو ذکر سے پیدا ہوتا ہے لیکن مراقبہ کے بغیر ہوتا ہے اور مراقبہ میں زیادہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ میں تم لوگوں کے لیے بہت زیادہ دعا کرتا ہوں اور تم لوگوں سے بھی اپنے حق میں دعا چاہتا ہوں۔ اس حقیر، بہت زیادہ غلطی اور گناہ کرنے والے کو فراموش نہ کرنا اور شبِ جمعہ میں سو مرتبہ اور روزِ جمعہ میں عصر کے وقت سو مرتبہ سورۂ قدر کو پڑھتے رہنا۔[1]

مرزا جواد آقا تبریزی کا دستور العمل

عالم ربانی اور عارف کامل مرزا جواد آقا ملکی تبریزیؒ تحریر فرماتے ہیں:

پیغمبر اسلامؐ نے سجدہ کو طول دینے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور یہ کام بہت ہی اہم ہے۔ طولانی سجدہ بندگی کی قریب ترین شکل وصورت ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے واجب قرار دیئے گئے ہیں۔ ائمہ اطہارؑ اور ان کے شیعوں سے متعلق طولانی سجدہ کی اہم باتیں نقل کی گئی ہیں۔

امام سجادؑ کے ایک سجدے میں شمار کیا گیا کہ آپ نے ہزار مرتبہ فرمایا: **لا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ حَقًّا حَقًّا۔ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَعَبُّداً وَ رِقّاً لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِيمَانًا وَ صِدقًا۔**

امام کاظمؑ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ کبھی آپ کا سجدہ صبح سے ظہر تک طولانی ہوا کرتا تھا اور ائمہؑ کے اصحاب میں سے مثلاً ابن ابی عمیر، جمیل، خربوذ کے بارے میں بھی قریب قریب ایسا ہی نقل ہوا ہے۔

۱۔ تذکرۃ المتقین رص ر۲۰۷

نجف اشرف میں طالب علمی کے زمانہ میں میرے ایک استاد تھے کہ جو متقی طلاب کے لیے مرجع تھے۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے کس عمل کا تجربہ کیا ہے کہ جو سالک کے لیے مؤثر ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر دن اور رات میں ایک طولانی سجدہ بجالایا جائے اور سجدہ کی حالت میں کہا جائے ''لاالٰهَ اِلَّا اَنتَ سُبحانَکَ اِنِّی کُنتُ مِنَ الظَّالِمِین ''ذکر کی حالت میں اس طرح توجہ کرے کہ ہمارا پروردگار اس سے پاک و پاکیزہ ہے کہ وہ مجھ پر ظلم کرتا رہے بلکہ میں خود ہوں جو کہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہوں اور میں اس کو ہلاکت میں ڈالتا ہوں۔

میرے استاد اپنے عقیدتمندوں سے اس طرح کے سجدہ کی تاکید کرتے تھے اور جو شخص اس کو انجام دیتا، وہ اس کی تاثیر کو دیکھ لیتا تھا، خاص طور سے وہ لوگ جو کہ اس سجدہ کو زیادہ تر طول دیتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ مذکورہ ذکر کی ہزار مرتبہ سجدہ میں تکرار کرتے تھے اور بعض کچھ کم اور بعض کچھ زیادہ اور میں نے سنا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ اس ذکر کی تین ہزار مرتبہ سجدہ میں تکرار کرتے تھے۔ (۱)

شیخ نجم الدین کا دستور العمل

شیخ نجم الدین رازی لکھتے ہیں: کہ بغیر آداب و شرائط کے ذکر کرنا مفید نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے ترتیب اور آداب و شرائط کے ساتھ اسے عمل میں لایا جائے اور جب مرید صادق کے دل میں اللہ کے راستے پر چلنے کا درد پیدا ہو جائے جس کی علامت یہ ہے کہ وہ ذکر سے رغبت پیدا کرلے گا اور مخلوق سے وحشت۔ یہاں تک کہ ہر ایک سے منہ موڑ کر ذکر کی پناہ میں جا پہنچے گا کہ ''قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُم فِي خَوضِهِم يَلْعَبُون '' ''اللہ کا ذکر کرو اور تمام مخلوق کو چھوڑ دو تا کہ وہ اپنی لغویات میں کھیلتے رہیں۔'' اور جب ذکر کے لئے آمادہ ہو جائے تو ذکر کی بنیاد توبہ نصوح پر رکھے یعنی ذکر سے پہلے سارے گناہوں سے توبہ کرے، غسل کرے یا باوضو ہو اور پورے ذکر کو تمام کرے، کیونکہ اللہ کا ذکر کرنا، دشمن سے جنگ کرنا جیسا ہوتا ہے جو کہ بغیر اسلحہ کے دشوار ہوسکتا ہے جبکہ ''اَلْوُضُوءُ سَلاحُ الْمُؤمِن'' ''وضو مومن کا اسلحہ ہے۔''

۱۔ المراقبات/ص/۱۲۲

اس چیز کو نگاہ میں نہ لائے اور اپنا دل خدا کو دے دے مطلب یہ کہ اللہ کی طرف توجہ رکھے اور اسی سے لو لگائے رکھے۔ اور اس جوڑ کو 'لا الٰــــــــــہ' کے ذریعہ باطل کردے اور اس چیز کی محبت کو دل سے اکھاڑ ڈالے اور 'الا اللہ' کے استعمال کے ذریعہ سچی محبت کو اس محبت کا قائم مقام قرار دے۔

اسی ترتیب سے ہمیشہ ذکر کرتا رہے تا کہ دھیرے دھیرے دل کو تمام محبوب چیزوں اور جن چیزوں سے محبت کی جائے فارغ اور خالی کرلے تا کہ خدا کے ذکر میں جھومنا ہمیشہ بنا رہے اور جھومنا یہ ہے کہ ذکر کے غلبہ سے، ذکر کرنے والے بندہ کا وجود ذکر کے نور سے مضمحل اور مدھم اور نابود ہو جاتا ہے اور ذکر، ذاکر کو اکیلا کر دیتا ہے اور اس کے وجود سے جڑی ہوئی تمام چیزیں دور ہو جاتی ہیں اور اسے جسمانی دنیا سے اٹھا کر روحانی دنیا یعنی آخرت کے لیے تیار کر دیتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ''سِیرُوا فَقَد سَبَقَ الْمُفرِدُون ''''سیر کرو آگے بڑھو تا کہ اکیلے لوگوں میں آگے چلے جاؤ'' اور جان لو کہ دل اللہ کی خاص خلوت کی جگہ ہے کہ ''لا یَسَعُنِی اَرضِی وَ لا سَمَائِی وَ اِنَّمَا یَسَعُنِی قَلبُ عَبدِیَ الْمُؤمِن ''''میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا مگر یہ کہ ایک مومن بندہ کے قلب میں سما سکتا ہوں۔'' اور جب تک غیروں کا وجود دل میں رہے گا تب تک اس کی عظمت کی غیرت اس سے دور رہے گی لیکن جب لا الہ کی چابک دل سے دوسروں کو نکال کر خالی کر دے گی تب وہ الا اللہ کے بادشاہ کے نور کی چمک کا منتظر ہو جائے گا جیسا کہ ہے ﴿فَاِذَا فَرَغتَ فَانْصَب وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَب﴾ ''جب تو اپنے کاموں سے فارغ ہو جائے تو اپنے رب کی طرف رغبت اختیار کر۔''(۱)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ معلمین عرفان نے ایسی حالت میں ہمیشہ ذکر کو سیر و سلوک کے راستہ میں ایک بہترین طریقہ جانا ہے، اس راستہ کو طے کرنے کے لیے مختلف طریقے، تجربات اور ہدایتیں فرمائی ہیں۔ اس معاملہ کی وجہ یہ ہے کہ تمام ذکر جو شریعت سے ہم تک پہنچے ہیں، ان سب کا اصل مقصد، غیرِ خدا سے الگ ہونا اور خدائے سبحانہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ کے ساتھ رجوع کرنا ہے لیکن یہ کام افراد، حالات اور مقامات کے لحاظ سے الگ الگ ہیں۔ یہاں تک کہ سالک کس حال میں اور کس مقام میں ہوگا اور کون سا ذکر اس کے لیے زیادہ مناسب اور زیادہ کشش کا باعث ہوگا، یہ

۱۔ مرصاد العباد ص/۱۵۰

وہ جگہ ہے کہ جہاں استاد اور مربی، اہم نقشوں کی طرف راہنمائی کرسکتا ہے۔

حدیث اور دعا کی کتابوں میں بہت زیادہ ذکر اور دعائیں نقل ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیت و ثواب کو بیان کیا گیا ہے۔ تمام دعائیں اور ذکر دو طرح کے ہیں! مطلق اور مقید (یعنی خالص بہ معنی صرف اور قید و بند کے ساتھ اور بعض بغیر قید و بند کے ساتھ)

بعض ذکر کے لیے مخصوص وقت یا خاص کیفیت یا معین عدد کا تعین کیا گیا ہے۔ ایسے موقعوں پر سالک کو چاہئے کہ جس طریقہ سے ائمہؑ کی طرف سے ہم تک پہنچی، اسی طرح عمل کرے تاکہ اس کا ثواب اور مخصوص اثر حاصل کیا جاسکے لیکن بعض ذکر مطلق ہیں، ایسے موقعوں پر سالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حالات اور شرائط کے حساب سے خود مناسب زمانہ کا انتخاب کرے اور ذکر کو ہمیشہ انجام دیتا رہے یا اپنے استاد اور راہنما سے اس میں راہنمائی حاصل کرے۔ آپ اس بارے میں احادیث اور دعاؤں کی کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

اس جگہ پر دو مطالب کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

اول: سالک اس بات کی طرف متوجہ رہے کہ اس کے ذکر کا اصل مقصد و ہدف، خدائے سبحان کی طرف حال اور حضورِ قلب کا حاصل کرنا ہے۔ اس لیے ذکر کی مقدار، زمان اور اس کی کیفیت کی طرف متوجہ رہے اور ہمیشہ انجام دے اور جب کبھی بھی تھک جائے یا رغبت نہ ہو تو اسے چھوڑ دے اور مناسب وقت میں دوبارہ شروع کرے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

دل کبھی حال کو قبول کرتا ہے اور کبھی حال سست اور بے میل ہوتا یعنی بے رغبت ہوتا ہے لہٰذا میلان، رجحان اور رغبت کے موقع پر عمل کرے کیونکہ جب کبھی دل کو مجبور کرکے عمل میں شریک کیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہوجاتا ہے۔"(۱)

البتہ اس بارے میں افراد، حالات، مقامات اور اوقات کا فرق ہوتا ہے۔

دوم: یہ کہ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ریاضت، مداومت ذکر اور تکمیل نفس کا اصلی مقصد اور ہدف تقرب الٰہی حاصل کرنا ہے اور تقرب الٰہی بغیر اس فریضہ کو انجام دیئے ممکن نہیں ہے۔ اگر

۱۔ بحار، ج ۷۰، ص ۶۱

انسان شرعی واجتماعی وظیفہ کی ذمہ داری کو نبھائے اور چاہے کہ اس کو انجام دے تو وہ اسی حالت میں یادِ خدا میں مشغول ہوسکتا ہے اور جتنا ہوسکے ذکر الٰہی بھی کرے۔ فارغ ہونے کی حالت میں بھی ذکر کو ہمیشہ بجالائے کیونکہ اگر کوئی انسان ریاضت اور مداومت ذکر کے بہانے سے اپنی شرعی ذمہ داریوں کو انجام نہ دے اور گوشہ نشینی اختیار کرلے تو اس کا یہ عمل اللہ کے قریب ہونے کا موجب نہیں ہوگا۔

رکاوٹیں

کمال کے راستے کو طے کرنا اور بلند و بالا مقامات تک پہونچنا سہل اور آسان کام نہیں ہے بلکہ بہت ہی اہم اور دشوار کام ہے اور اس راستے میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں موجود ہیں۔اس لئے وہ انسان جو کہ مرید ہے اس کو چاہیئے کہ وہ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے سعی و کوشش کرے ورنہ وہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ پائے گا۔

پہلی رکاوٹ ــــــ صلاحیت کا نہ ہونا:

اللہ کی طرف بڑھنے اور قربِ الٰہی کے مقام تک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ، مرید کے نفس میں قابلیت کا نہ ہونا ہے۔وہ دل جو گناہ کے ارتکاب کے اثر سے آلودہ اور تاریک ہو گیا ہو، وہ الٰہی انوار کی چمک کا مرکز نہیں ہو سکتا۔جس وقت انسان کا دل گناہ کے اثر سے شیطان کی جگہ اور اس کے حکم دینے کا مرکز بن جاتا ہے، اللہ کے مقرب فرشتے، اس کے اندر کس طرح پہنچ سکتے ہیں؟!

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جس وقت انسان گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔پھر اگر وہ گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر وہ اسی طرح ہمیشہ گناہ کرتا رہتا ہے تو سیاہ نقطہ بھی دھیرے دھیرے بڑا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ایسی صورت میں ہرگز ہرگز فلاح اور کامیابی تک نہیں پہنچ سکتا۔''(۱)

۱۔ بحار رج ر۷۳، ص ر۳۲۷

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''میرے والد نے فرمایا کہ: انسان کے قلب کے لیے گناہ سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ گناہ، قلب سے جنگ اور جھگڑا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے ایسی صورت میں وہ الٹا ہو جاتا ہے۔''[۱]

گناہگار کا قلب اوندھا ہے اور چلنے والے کے خلاف حرکت کرتا ہے۔ اس لیے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قرب کے مقام کی طرف حرکت کرے اور اللہ کے فیض اور اس کے نور کو قبول کرے؟! لہٰذا اللہ کا قرب چاہنے والے کے لیے واجب ہے کہ وہ شروع سے ہی اپنے نفس کو گناہوں سے پاک و صاف کرے اور پھر ریاضت اور ذکر میں داخل ہو۔ ورنہ ذکر اور عبادت میں اس کی سعی و کوشش، اس کو اللہ کے قریب نہیں کر سکتی۔

دوسری رکاوٹ ـــــ دنیاوی تعلقات:

اس راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ مادی تعلقات ہیں، جیسے مال اور دولت سے تعلق، اہل و عیال سے تعلق، گھر اور زندگی کے ساز و سامان سے تعلق، منصب و مقام و حکومت سے تعلق، ماں باپ اور بھائی بہن سے تعلق، یہاں تک کہ علم و دانش سے تعلق۔ اسی طرح دوسری چیزوں سے تعلق، انسان کو اس کی راہ میں آگے بڑھنے سے روکے رکھتی ہیں۔

وہ دل کہ جس نے محسوسات سے انس و محبت کر رکھی ہو، اس پر فریفتہ اور عاشق ہو اور اس کو دل دے بیٹھا ہو تو وہ کس طرح اس کو اپنے ہاتھ سے جانے دے گا اور عالم بالا کی سیر اور بلندی حاصل کرے گا؟ وہ دل کہ جو دنیاوی امور کا مرکز ہو، وہ کیسے انوار الٰہی کی چمک کا مرکز ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ بہت سی حدیثوں کے مطابق، دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور گناہگار انسان قربِ الٰہی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔''[۲]

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''سب سے پہلی چیز جس کے ذریعہ اللہ کی معصیت انجام پائی۔

۱۔ بحار رج ۷۳، ص ۳۱۲ / ۲۔ بحار رج ۷۳، ص ۹۰

وہ جگہ ہے کہ جہاں استاد اور مربی، اہم نقشوں کی طرف راہنمائی کرسکتا ہے۔

حدیث اور دعا کی کتابوں میں بہت زیادہ ذکر اور دعائیں نقل ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیت و ثواب کو بیان کیا گیا ہے۔ تمام دعائیں اور ذکر دو طرح کے ہیں! مطلق اور مقید (یعنی خالص بہ معنی صرف اور قید و بند کے ساتھ اور بعض بغیر قید و بند کے ساتھ)

بعض ذکر کے لیے مخصوص وقت یا خاص کیفیت یا معین عدد کا تعین کیا گیا ہے۔ ایسے موقعوں پر سالک کو چاہئے کہ جس طریقہ سے ائمہؑ کی طرف سے ہم تک پہنچی، اسی طرح عمل کرے تاکہ اس کا ثواب اور مخصوص اثر حاصل کیا جا سکے لیکن بعض ذکر مطلق ہیں، ایسے موقعوں پر سالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حالات اور شرائط کے حساب سے خود مناسب زمانہ کا انتخاب کرے اور ذکر کو ہمیشہ انجام دیتا رہے یا اپنے استاد اور راہنما سے اس میں راہنمائی حاصل کرے۔ آپ اس بارے میں احادیث اور دعاؤں کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

اس جگہ پر دو مطالب کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

اول: سالک اس بات کی طرف متوجہ رہے کہ اس کے ذکر کا اصل مقصد و ہدف، خدائے سبحان کی طرف حال اور حضورِ قلب کا حاصل کرنا ہے۔ اس لیے ذکر کی مقدار، زمان اور اس کی کیفیت کی طرف متوجہ رہے اور ہمیشہ انجام دے اور جب کبھی بھی تھک جائے یا رغبت نہ ہو تو اسے چھوڑ دے اور مناسب وقت میں دوبارہ شروع کرے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

دل کبھی حال کو قبول کرتا ہے اور کبھی حال سست اور بے میل ہوتا یعنی بے رغبت ہوتا ہے لہٰذا میلان، رجحان اور رغبت کے موقع پر عمل کرے کیونکہ جب کبھی دل کو مجبور کر کے عمل میں شریک کیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔"[1]

البتہ اس بارے میں افراد، حالات، مقامات اور اوقات کا فرق ہوتا ہے۔

دوم: یہ کہ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ریاضت، مداومت ذکر اور تکمیل نفس کا اصلی مقصد اور ہدف تقرب الٰہی حاصل کرنا ہے اور تقرب الٰہی بغیر اس فریضہ کو انجام دیئے ممکن نہیں ہے۔ اگر

۱۔ بحار رج ۷۰، ص ۶۱

انسان شرعی واجتماعی وظیفہ کی ذمہ داری کو نبھائے اور چاہے کہ اس کو انجام دے تو وہ اسی حالت میں یادِ خدا میں مشغول ہوسکتا ہے اور جتنا ہو سکے ذکر الٰہی بھی کرے۔ فارغ ہونے کی حالت میں بھی ذکر کو ہمیشہ بجالائے کیونکہ اگر کوئی انسان ریاضت اور مداومت ذکر کے بہانے سے اپنی شرعی ذمہ داریوں کو انجام نہ دے اور گوشہ نشینی اختیار کرلے تو اس کا یہ عمل اللہ کے قریب ہونے کا موجب نہیں ہوگا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''میرے والد نے فرمایا کہ: انسان کے قلب کے لیے گناہ سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ گناہ، قلب سے جنگ اور جھگڑا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے ایسی صورت میں وہ الٹا ہو جاتا ہے۔''(۱)

گناہگار کا قلب اوندھا ہے اور چلنے والے کے خلاف حرکت کرتا ہے۔ اس لیے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قرب کے مقام کی طرف حرکت کرے اور اللہ کے فیض اور اس کے نور کو قبول کرے؟! لہٰذا اللہ کا قرب چاہنے والے کے لیے واجب ہے کہ وہ شروع سے ہی اپنے نفس کو گناہوں سے پاک و صاف کرے اور پھر ریاضت اور ذکر میں داخل ہو۔ ورنہ ذکر اور عبادت میں اس کی سعی و کوشش، اس کو اللہ کے قریب نہیں کر سکتی۔

دوسری رکاوٹ ـــــ دنیاوی تعلقات:

اس راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ مادی تعلقات ہیں، جیسے مال اور دولت سے تعلق، اہل و عیال سے تعلق، گھر اور زندگی کے ساز و سامان سے تعلق، منصب و مقام و حکومت سے تعلق، ماں باپ اور بھائی بہن سے تعلق، یہاں تک کہ علم و دانش سے تعلق۔ اسی طرح دوسری چیزوں سے تعلق، انسان کو اس کی راہ میں آگے بڑھنے سے روکے رکھتی ہیں۔

وہ دل کہ جس نے محسوسات سے انس و محبت کر رکھی ہو، اس پر فریفتہ اور عاشق ہو اور اس کو دل دے بیٹھا ہو تو وہ کس طرح اس کو اپنے ہاتھ سے جانے دے گا اور عالم بالا کی سیر اور بلندی حاصل کرے گا؟ وہ دل کہ جو دنیاوی امور کا مرکز ہو، وہ کیسے انوار الٰہی کی چمک کا مرکز ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ بہت سی حدیثوں کے مطابق، دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور گناہگار انسان قربِ الٰہی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔''(۲)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''سب سے پہلی چیز جس کے ذریعہ اللہ کی معصیت انجام پائی۔

۱۔ بحار، ج ۷۳، ص ۳۱۲
۲۔ بحار، ج ۷۳، ص ۹۰

رکاوٹیں

کمال کے راستے کو طے کرنا اور بلند و بالا مقامات تک پہونچنا سہل اور آسان کام نہیں ہے بلکہ بہت ہی اہم اور دشوار کام ہے اور اس راستے میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں موجود ہیں۔اس لئے وہ انسان جو کہ مرید ہے اس کو چاہئے کہ وہ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے سعی و کوشش کرے ورنہ وہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ پائے گا۔

پہلی رکاوٹ ــــــ صلاحیت کا نہ ہونا:

اللہ کی طرف بڑھنے اور قربِ الٰہی کے مقام تک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ، مرید کے نفس میں قابلیت کا نہ ہونا ہے۔وہ دل جو گناہ کے ارتکاب کے اثر سے آلودہ اور تاریک ہوگیا ہو، وہ الٰہی انوار کی چمک کا مرکز نہیں ہوسکتا۔جس وقت انسان کا دل گناہ کے اثر سے شیطان کی جگہ اور اس کے حکم دینے کا مرکز بن جاتا ہے، اللہ کے مقرب فرشتے، اس کے اندر کس طرح پہنچ سکتے ہیں؟!

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:"جس وقت انسان گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے۔پھر اگر وہ گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور اگر وہ اسی طرح ہمیشہ گناہ کرتا رہتا ہے تو سیاہ نقطہ بھی دھیرے دھیرے بڑا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ایسی صورت میں ہرگز ہرگز فلاح اور کامیابی تک نہیں پہنچ سکتا۔"(۱)

۱۔ بحار ر ج ر۷۳، ص ر۳۲۷

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''میرے والد نے فرمایا کہ: انسان کے قلب کے لیے گناہ سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ گناہ، قلب سے جنگ اور جھگڑا کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے ایسی صورت میں وہ الٹا ہو جاتا ہے۔''(۱)

گناہگار کا قلب اوندھا ہے اور چلنے والے کے خلاف حرکت کرتا ہے۔ اس لیے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قرب کے مقام کی طرف حرکت کرے اور اللہ کے فیض اور اس کے نور کو قبول کرے؟! لہٰذا اللہ کا قرب چاہنے والے کے لیے واجب ہے کہ وہ شروع سے ہی اپنے نفس کو گناہوں سے پاک و صاف کرے اور پھر ریاضت اور ذکر میں داخل ہو۔ ورنہ ذکر اور عبادت میں اس کی سعی و کوشش، اس کو اللہ کے قریب نہیں کر سکتی۔

دوسری رکاوٹ ـــــ دنیاوی تعلقات:

اس راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ مادی تعلقات ہیں، جیسے مال اور دولت سے تعلق، اہل و عیال سے تعلق، گھر اور زندگی کے ساز و سامان سے تعلق، منصب و مقام و حکومت سے تعلق، ماں باپ اور بھائی بہن سے تعلق، یہاں تک کہ علم و دانش سے تعلق۔ اسی طرح دوسری چیزوں سے تعلق، انسان کو اس کی راہ میں آگے بڑھنے سے روکے رکھتی ہیں۔

وہ دل کہ جس نے محسوسات سے انس و محبت کر رکھی ہو، اس پر فریفتہ اور عاشق ہوا اور اس کو دل دے بیٹھا ہو تو وہ کس طرح اس کو اپنے ہاتھ سے جانے دے گا اور عالم بالا کی سیر اور بلندی حاصل کرے گا؟ وہ دل کہ جو دنیاوی امور کا مرکز ہو، وہ کیسے انوار الٰہی کی چمک کا مرکز ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ بہت سی حدیثوں کے مطابق، دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور گناہگار انسان قربِ الٰہی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔''(۲)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''سب سے پہلی چیز جس کے ذریعہ اللہ کی معصیت انجام پائی۔

۱۔ بحار، ج ۷۳، ص ۳۱۲ ۲۔ بحار، ج ۷۳، ص ۹۰

وہ چھ تھیں: دنیا سے محبت، حکومت سے محبت، عورت سے محبت، غذا سے محبت، نیند سے محبت اور راحت و آرام سے محبت۔"(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "بندہ خدا سے اس وقت بہت زیادہ دور ہو جاتا ہے جب اس کی غرض و غایت صرف پیٹ بھرنے اور شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔"(۲)

جابر فرماتے ہیں: "میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے جابر! میں افسردہ، محزون اور رنجیدہ ہوں۔

میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں، آپ کا حزن و ملال کی وجہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جس کے دل میں خالص دین اور خدا کی محبت داخل ہو جاتی ہے اس کا دل غیر خدا سے خالی ہو جاتا ہے۔ اے جابر! دنیا کیا ہے؟ اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ کیا صرف وہ لقمہ کہ جو وہ کھاتا ہے اور وہ لباس کہ جو وہ پہنتا ہے یا وہ عورت کہ جس سے وہ شادی کرتا ہے، اس کے علاوہ بھی ہے؟ اے جابر! ایسی حالت میں مؤمنین دنیا اور زندگی پر اعتماد نہیں کرتے اور آخرت میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے۔ اے جابر! آخرت ہمیشہ رہنے کی جگہ اور دنیا مرنے اور گذر جانے کا مقام ہے۔ لیکن اہل دنیا اس بات سے غافل ہیں۔ صرف مؤمنین ہیں کہ جو عقلمندی، غور و فکر اور عبرت حاصل کرنے والے ہیں۔ ان کے کانوں تک پہونچنے والی کوئی بھی آواز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی اور وہ دنیاوی زر و جواہرات انھیں ذکر خدا سے غافل نہیں کرتے لہٰذا وہ آخرت کے ثواب تک پہنچتے ہیں جیسا کہ انہوں نے پہلے سے آگاہی حاصل کر لی ہے۔"(۳)

رسولؐ خدا نے فرمایا: "انسان، ایمان کی مٹھاس کو نہیں چکھتا، سوائے اس وقت کے کہ جب وہ جو کچھ کھاتا ہے، اس سے بے توجہ ہو۔"(۴)

لہٰذا سالک الی اللہ پر لازم ہے کہ وہ ایسے لگاؤ کو اپنے دل سے نکال دے تاکہ بلند مقامات تک پہنچنے کے اسباب فراہم ہو جائیں دنیاوی امور کی فکر اور خیال کو اپنے دل سے نکال دے تاکہ

۱۔ بحار رج ر۷۳، ص ر۹۴ ۲۔ بحار رج ر۷۳، ص ر۱۸

۳۔ بحار رج ر۷۳، ص ر۳۶ ۴۔ بحار رج ر۷۳، ص ر۴۹

یاد خدا اس میں جگہ بنا سکے۔ یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ مذموم ہے وہ دنیاوی امور سے الفت اور لگاؤ ہے، سالک بھی دنیا کے تمام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے، غذا، لباس، مکان اور ہمسر کا ضرورت مند ہے اور ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کام کرنے پر مجبور ہے۔

نسل کو باقی رکھنے کیلئے وہ شادی کرے، اجتماعی زندگی گذارنے کے لئے اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول کرے۔ اسی لئے شریعت اسلامی میں ان میں سے کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کی مذمت کی گئی ہو بلکہ قصد قربت جس کی وجہ سے ہر کام عبادت شمار ہوتا ہے اور بندہ کو خدا سے قریب کرتا ہے یہ تمام چیزیں یاد خدا میں رکاوٹ نہیں ڈالتی ہیں۔

وہ چیزیں جو ذکر خدا میں رکاوٹ ڈالتی ہیں وہ دنیاوی امور سے الفت ولگاؤ ہے۔

اگر یہ چیزیں مقصد حیات بن جائیں اور انسان کی فکر کو مشغول کرلیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان خدا سے غافل ہو جائے گا، دولت پرستی، زن پرستی، منصب پرستی، علم پرستی، یہ سب قابل مذمت ہیں اس لئے کہ یہ انسان کو سلوک کی راہ سے روکتی ہیں نہ کہ خود دولت، عورت، مقام اور علم۔

کیا پیغمبر اسلامؐ، امیر المومنینؑ، امام سجادؑ اور دیگر تمام ائمہ معصومینؑ کام نہیں کرتے تھے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے؟ یہ اسلام کی بہت بڑی خصوصیت ہے کہ وہ دنیا و آخرت کے امور کے لئے کسی حد اور حد بندی کا قائل نہیں ہے۔

تیسری رکاوٹ ______ خواہشات نفسانی کی پیروی

تیسری رکاوٹ: ہوس اور نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ نفسانی رجحانات و میلانات سیاہ وگاڑھے دھوئیں جیسی ہوتی ہیں جو خانۂ دل کو تاریک اور سیاہ بنا دیتی ہیں اور اس طرح کا دل الٰہی نور کی چمک کو قبول کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا ہے۔ ہویٰ اور ہوس ہمیشہ دل کو اِس طرف اور اُس طرف گھسیٹتے رہتے ہیں اور اسے موقع نہیں دیتے ہیں کہ وہ خدا سے خلوت میں راز و نیاز کی باتیں اور انس و محبت کر سکے۔ وہ دن رات خواہشاتِ نفسانی کو پورا کرنے کی سعی و کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ایسا انسان دنیا کو کیسے چھوڑ سکتا ہے اور اللہ کی پاک و پاکیزہ بارگاہ میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو یہ تم کو خدا کے راستے سے ہٹادے گی، دور کردے گی۔''(۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''سب سے شجاع و بہادر وہ شخص ہے جو خواہشات نفسانی پر غلبہ حاصل کرلے۔''(۲)

چوتھی رکاوٹ ــــــ پُرخوری

خدا کے ذکر اور یاد میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزوں میں سے ایک چیز پرخوری اور شکم پرستی ہے۔ جو شخص دن رات لذیذ کھانے کی تلاش میں رہے اور پیٹ کو مختلف قسم کے کھانوں سے بھرلے، وہ شخص خلوت میں پروردگار عالم سے راز و نیاز کی باتیں کرسکتا ہے؟! شکم سیر انسان اپنے کو عبادت اور دعا کی حالت میں کیسے رکھ سکتا ہے؟ وہ شخص جو کھانے اور پینے کی لذت کو چکھ چکا ہے، وہ کس طرح سے مناجات کی لذت کو چکھ سکتا ہے؟ اسی وجہ سے اسلام نے شکم سیری اور پرخوری کی مذمت کی ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے ابوبصیر سے فرمایا: ''زیادہ کھانے کی وجہ سے پیٹ میں طغیانی اور بے چینی پیدا ہوجاتی ہے۔ بندہ، اللہ سے زیادہ نزدیک اس وقت ہوتا ہے جس وقت اس کا پیٹ خالی ہو اور سب سے خراب حالت اس وقت ہوتی ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہو۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدائے سبحانہ تعالیٰ شکم سیری کو مذموم جانتا ہے۔''(۴)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''شکم سیری سے پرہیز کرو کیونکہ یہ اللہ کی معرفت کے نور کو تمہارے دل سے ختم کردیتی ہے۔''(۵)

امام جعفر صادقؑ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''مومن کے دل کے لیے شکم سیری سے زیادہ نقصان دہ چیز کوئی نہیں ہے۔ پرخوری، سنگ دلی اور شہوت کی تحریک کا باعث ہوتی ہے، بھوک مومن کی خوراک، روح کی غذا، قلب کا کھانا اور بدن کی صحت ہوتی ہے۔''(۶)

۱۔ سورۂ ص، ۲۶۔ ۲۔ بحار رج ۷۰، ص ۷۶
۳۔ وسائل رج ۱۶، ص ۴۰۵ ۴۔ وسائل رج ۱۶، ص ۴۰۷
۵۔ مستدرک رج ۳، ص ۸۱ ۶۔ مستدرک رج ۳، ص ۸۰

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جس وقت اللہ اپنے بندہ کے لیے بہتری چاہتا ہے تو اس وقت اس کو کم بولنے، کم کھانے اور کم سونے کی توفیق عطا کرتا ہے۔''(۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''بھوک، نفس پر کنٹرول کرنے اور عادتوں کو ختم کرنے میں سب سے بہترین مددگار ہے۔''(۲)

امیر المومنینؑ نے روایت کی ہے کہ خدائے متعال نے شب معراج رسولؐ خدا سے فرمایا: ''اے احمدؐ! کاش تم بھوک، سکوت اور خدا سے راز و نیاز اور اس کے اثرات کی شیرینی کو چکھتے۔ رسولؐ خدا نے عرض کیا: پروردگارا! بھوک کا فائدہ کیا ہے؟ خدا نے فرمایا: حکمت و دانائی، دل کی حفاظت، مجھ سے قربت، ہمیشہ حزن و ملال، کم خرچی، سچ بولنا اور آسائش و آرام یا سختی میں بے باکی اور بے خوفی۔''(۳)

یہ سچ ہے کہ سالک بھی دوسرے لوگوں کی طرح زندہ رہنے اور عبادت کی طاقت رکھنے کے لیے غذا کا محتاج ہے لیکن چاہئے کہ وہ بدن کی حاجت کے حساب سے غذا کھائے اور پرخوری سے پوری طرح بچتا رہے۔ کیونکہ شکم سیری سستی، عبادت سے بے رغبتی، سنگ دلی اور یاد خدا سے غفلت کا سبب ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف کم کھانا اور بھوک۔ ہلکا پن، عبادت کے لیے آمادگی اور خدا کی طرف توجہ کا سبب ہوتی ہے اور یہ بات پوری طرح سے ثابت ہے۔ انسان بھوک کی حالت میں نورانی اور روح کی پاکیزگی کا حامل ہوگا۔ جبکہ شکم سیری میں ایسا نہیں ہوتا ہے لہٰذا سالک پر لازم ہے کہ بدن کی حاجت کے حساب سے غذا کھائے خاص طور سے ذکر، دعا اور عبادت کے موقع پر بھوکا رہے۔

پانچویں رکاوٹ ـــــ غیرضروری باتیں

ایک اور بات جو کہ سالک کو حرکت اور مقصد کی طرف بڑھنے سے روکے رکھتی ہے اور توجہ و حضور قلب میں رکاوٹ ڈالتی ہے، وہ بے فائدہ اور غیرضروری باتیں ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے انسان کو بات کرنے کی قوت دی تاکہ وہ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو اس کے ذریعہ سے پورا کرے۔ اگر وہ اپنی ضرورت کے حساب سے ہی بات کرے تو اس نے بڑی نعمت سے صحیح طرح سے فائدہ اٹھایا لیکن

۲۔ مستدرک رج ۳؍ص ۸۱ ۳۔ مستدرک رج ۳؍ص ۸۱ ۴۔ مستدرک رج ۳؍ص ۸۲

اگر بیہودہ اور غیر ضروری باتیں کرے تو اس نے اللہ کی اس بڑی نعمت کو ضایع و برباد کردیا۔ اس کے علاوہ زیادہ بولنے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کی وجہ سے، اس کی فکر منتشر اور پریشان ہو جاتی ہے اور وہ خدائے متعال کی طرف پوری توجہ اور حضور قلب پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے حدیثوں میں بہت زیادہ بولنے اور بے فائدہ گفتگو کرنے کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ نمونہ کے طور پر:

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''بہت زیادہ بولنے سے پرہیز کرو سوائے ذکر خدا کے کیونکہ بہت زیادہ بولنا سوائے ذکر خدا کے، قلب کو سخت بنا دیتا ہے اور خدا سے بہت زیادہ دور وہ شخص ہے کہ جس کا قلب تاریک ہے۔''(۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''اپنی زبان کی حفاظت کرو اور اپنی باتوں کو شمار کرو تا کہ تمہاری گفتگو اچھی بات کے علاوہ کم ہو جائے۔''(۲)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''گفتگو تین قسم کی ہوتی ہے: مفید، سالم (ٹھیک ٹھاک) اور شاحب (بیہودہ) مفید وہ کلام ہے جو فائدہ مند ہو جیسے ذکر خدا اور سالم وہ گفتگو ہے جو خدا کو پسند ہو اور شاحب وہ شخص ہے جو لوگوں کے بارے میں بیہودہ گفتگو کرتا ہے۔''(۳)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''اپنی زبان کی حفاظت کرو کیونکہ یہ نفس کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے۔ اس وقت فرمایا: انسان ایمان کی حقیقت تک اس وقت تک نہیں پہونچ سکتا جب تک وہ اپنی زبان کی حفاظت نہ کرے۔''(۴)

امام علی رضاؑ نے فرمایا: ''تین چیزیں عقل اور فہم کی علامتیں ہوتی ہیں: بردباری، علم اور سکوت۔ سکوت، حکمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، سکوت، محبت کا سبب ہوتا ہے اور ہر نیکی و اچھائی کی دلیل ہے۔''(۵)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جس وقت عقل مکمل ہو جاتی ہے تو بات کم ہو جاتی ہے۔''(۶)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''کوئی بھی عبادت سکوت اور پاپیادہ بیت اللہ کی طرف جانے

۱۔ بحار رج ۷۱، ص ۲۸۱ ۲۔ بحار رج ۷۱، ص ۲۸۱
۳۔ بحار رج ۷۱، ص ۲۸۹ ۴۔ بحار رج ۷۱، ص ۲۹۸
۵۔ بحار رج ۷۱، ص ۲۹۴ ۱۔ بحار رج ۷۱، ص ۲۹۰

سے بہتر نہیں ہے۔"(۱)

رسول خداؐ نے جناب ابوذرؓ سے فرمایا: "میں تم کو کثرتِ سکوت کی تاکید کرتا ہوں، کیونکہ اس سے شیطان تم سے دور ہوگا، سکوت دین کی حفاظت کے لیے ایک بہترین مددگار ہے۔"(۲)

بہرحال، سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان پر پوری طرح سے کنٹرول کرے اور سنجیدہ بات کہے۔ بیہودہ اور بیجا بات کرنے سے پوری طرح بچتا رہے۔ دنیاوی معاملات میں ضرورت کے مطابق باتیں کرے جو کہ اس کی زندگی کے لیے ضروری ہو اور اس کے بدلے میں اپنی زبان کو دعاؤں کے ورد، علمی مطالب اور اجتماعی فائدہ میں مشغول رکھے۔

استادِ بزرگ اور عارف ربانی علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے سکوت سے قیمتی اثرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ چالیس دن رات سکوت اختیار کرو اور سوائے لازمی وضروری باتوں کے بات نہ کرو اور اپنے کو فکر اور ذکر میں مشغول رکھو تا کہ تمہارے لیے پاکی وصافی اور نورانیت حاصل ہو۔

چھٹی رکاوٹ ـــــ اپنی ذات سے محبت:

جب سالک، تمام رکاوٹوں کو ہٹا دیتا ہے اور تمام مراحل کو سر کر لیتا ہے تو پھر ایک نئی بڑی رکاوٹ جو اس کے سامنے آتی ہے وہ اپنی ذات سے محبت ہے۔ وہ اب اس بات کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اس کے تمام اعمال، حرکات اور اس کی تمام عبادتیں، اس کی ذات کی محبت سے وجود میں آتی ہیں۔ اس کی عبادت، ریاضت، ذکر، دعا، نماز اور روزہ، نفس کے کمال اور آخرت کی جزا کے لیے ہے کہ اس کا فائدہ اسی کو ملے گا۔ اس طرح کی عبادتیں اگر چہ انسان کو بہشت اور آخرت کے ثواب کی طرف مائل کرتی ہیں لیکن یہ عبادتیں اسے شہود، ذکر اور لقائے پروردگار کی بلند منزلوں پر فائز نہیں کر سکتیں جب تک وہ خود پسندی اور حبِ نفس سے کوچ نہ کر جائے، اُس وقت تک وہ بے مثال خدا کے جمال کو نہیں دیکھتا ہے۔ جب تک کہ تمام پردے یہاں تک کہ نفس کے حجاب کو ہٹا نہ دے، اس وقت تک وہ نورالٰہی کی چمک کو قبول کرنے کی لیاقت پیدا نہیں کر سکتا۔

۲۔ بحار ج ۷۱، ص ۲۷۸ ۳۔ بحار ج ۷۱، ص ۲۷۹

لہٰذا سالک پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ ریاضت اور جہاد کے ذریعہ خود کو حبِ ذات کی حدوں سے باہر نہ نکال لے۔ حبِ ذات کو خدا کی محبت میں تبدیل کر لے اور اپنے تمام کاموں کو صرف خدا کی رضا کے لیے انجام دے۔ اگر کھانا کھائے تو اس کی غرض یہ ہو کہ اسے ہمارے زندہ رہنے کے لیے خدا نے چاہا ہے اور اگر عبادت کرے تو اس لحاظ سے ہو کہ وہ خدا کو لائق عبادت سمجھتا ہے۔ ایسا انسان نہ دنیا طلب کرتا ہے اور نہ آخرت بلکہ وہ خدا کا طالب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی قسم کے انکشاف اور کرامت کو بھی نہیں چاہتا۔ اس کا مطلب معبود حقیقی کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا اور اگر وہ اس دشوار مرحلہ سے گزر جائے، یہاں تک کہ اپنی شخصیت اور ہوئی و ہوس سے دست بردار ہو جائے تو گویا اس نے توحید کے مقام میں قدم رکھ دیا۔ اور شہود ولقاء کے بلند مرتبہ پر فائز ہو جائے گا اور "فِی مَقعَدِ صِدقٍ عِندَ مَلِیکٍ مُقتَدِر" کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔"

ساتویں رکاوٹ ــــــ ارادہ کی کمزوری

اس راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ، ارادہ کی کمزوری اور پکا ارادہ کرنے کی قدرت نہ ہونا ہے۔ شاید یہ رکاوٹ سب سے اہم ہو۔ یہ رکاوٹ انسان کو عمل کی شروعات سے روک دیتی ہے۔ شیطان اور نفس امارہ شروع میں کوشش کرتا ہے کہ ریاضت، سیر اور سلوک کو چھوٹا اور غیر ضروری بتائیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ انسان کو ظاہری وظائف کو بغیر توجہ اور حضور قلب کے انجام دینے پر قانع کر دیں۔ وہ کہتے ہیں: تو ان عبادتوں کو انجام دینے کے علاوہ کوئی دوسرا فریضہ نہیں ہے لہٰذا تجھے حضورِ قلب، توجہ اور ذکر سے کیا کام؟ اور اگر اس بیچ کوئی فکر لاحق ہو جاتی ہے تو اس کو سیکڑوں حیلوں اور بہانوں سے، اس کے ارادہ سے دور کر دیتے ہیں اور کبھی موضوع کو اس کے لیے، اس قدر دشوار و مشکل بنا کر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے۔

لیکن اللہ کا قرب حاصل کرنے والے انسان کو چاہیئے کہ شیطان اور نفس امارہ کے وسوسوں کو روکے رکھے اور آیتوں، حدیثوں اور معرفت و اخلاق کی کتابوں کی طرف رجوع کر کے سیر و سلوک اور حضورِ قلب، ذکر اور شہود کے حصول کی اہمیت اور ضرورت سے واقف ہو جائے گا۔ جب وہ اس کی اہمیت کو جان جائے گا اور اس میں دائمی سعادت و خوشبختی محسوس کرے گا تو وہ سنجیدگی سے عمل کرے گا،

مایوسی اور ناامیدی کو اپنے سے دور رکھے گا اور اپنے نفس سے کہے گا، اگر چہ یہ دشوار و مشکل ہے لیکن چونکہ ہماری آئندہ کی سعادت اور بہبودی اس سے وابستہ ہے، لہٰذا ہمیں عمل کرنا چاہئے، اس لیے کہ خدائے سبحان نے فرمایا: ''جن لوگوں نے ہمارے راستہ میں کوشش کی ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت ضرور کر دیتے ہیں۔''(۱)

یہ گفتگو تکامل اور تقرب کے پہلے وسیلہ کے سلسلہ میں طولانی ہوگئی لہٰذا میں قارئین سے معذرت خواہ ہوں۔

☆☆☆

۱۔ سورۂ عنکبوت، ۶۹.

دوسرا وسیلہ

فضائل اور مکارم اخلاق کی تربیت

تربیت نفس اور اسے منزل کمال تک پہنچانے، سیر وسلوک اور تقرب الٰہی کے راہوں میں سے ایک راہ فضائل اور مکارم اخلاق کی پرورش اور اس میں رشد ونمو ہے جن کی جڑ انسان کے وجود میں ہوتی ہے اور اچھے اخلاق وہ اقدار ہیں جو انسان کی ملکوتی روح سے مماثلت رکھتے ہیں اور ان کی تربیت و پرورش کے ذریعہ انسان کی انسانیت کامل اور کامل تر ہوتی ہے یہاں تک کہ قرب الٰہی کے بلند ترین مقام تک پہونچ جاتی ہے۔ پروردگار عالم کی مقدس ذات تمام کمالات کا سرچشمہ اور منبع ہے اور انسان چونکہ عالم بالا سے آیا ہے اور انسانی کمالات اپنی پاک اور غیر آلودہ فطرت جو کہ عالم بالا سے تعلق رکھتی ہے کو اچھی طرح پہچانتا ہے اور فطری طور پر ان کی طرف رجحان رکھتا ہے اسی لئے ہر زمانہ میں تمام انسان نیک اور اچھے اخلاق اختیار کرتے ہیں مثلاً عدل، ایثار، سچائی امانتداری، احسان و نیکو کاری، شجاعت، بہادری، صبر، پائیداری، علم، خیر خواہی، محروموں کا دفاع، شکر اور شکر گزاری۔ جود وسخاوت، وعدہ وفائی، توکل، تواضع وانکساری، معافی ودرگذر، نرم مزاجی، لوگوں کی خدمت وغیرہ۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا ہے۔ پھر بدی اور تقوی کی ہدایت دی ہے۔ بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا۔ اور وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے آلودہ کردیا ہے۔ (۱)

جب اخلاقی امور کی تکرار ہوتی ہے تو وہ نفس میں راسخ ہوجاتے ہیں اور ملکہ کی صورت میں اس

۱۔ سورۂ شمس، ۹۔

کے وجود میں رچ بس جاتی ہے اور انسان کے جسم کا حصہ بن جاتے ہیں۔اس کے سنوار نے ،کس طرح رہنے یہاں تک کہ کیا ہونے میں اثر انداز ہوتے ہیں

اسی لئے اسلام اخلاق پر خاص توجہ رکھتا ہے۔اسلام کا ایک بہت بڑا حصہ اخلاقیات سے متعلق ہے سیکڑوں اور ہزاروں آیتیں اور حدیثیں اخلاق کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ۔قرآن کریم کی اکثر آیتیں اخلاقیات سے متعلق ہیں ۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کے اکثر واقعات کا مقصد بھی اخلاقی ہے اس طرح کہ قرآن کریم کو ایک کتاب اخلاق کے عنوان سے پہچنوایا جاسکتا ہے۔

قاعدۃً انبیاء کے عظیم مقاصد میں سے ایک مقصد تزکیہ نفس اور مکارم اخلاق کو پروان چڑھانا تھا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل و پرورش بتایا ہے اور فرمایا ہے: میں خدا کی جانب سے بھیجا گیا ہوں تا کہ مکارم اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہونچادوں ۔"(۱)

نیز آپ نے اصحاب سے فرمایا:" میں تمہیں مکارم اخلاق کی وصیت و نصیحت کرتا ہوں کیونکہ خدائے سبحان نے مجھے اسی مقصد کے تحت مبعوث کیا ہے۔"(۲)

نیز ارشاد فرمایا:"قیامت میں کوئی ایسی چیز انسان کے عمل کے ترازو میں نہیں رکھی جائے گی جو کہ حسن خلق سے افضل ہو۔"(۳)

☆☆☆

۱۔مستدرک رج رص ر۲۸۲ ۲۔بحار رج ر۶۹ رص ر۳۷۵
۳۔کافی رج ر۲،ص ر۹۹

تیسرا وسیلہ

عمل صالح

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد عمل صالح، نفس کی تکمیل، خدا سے تقرب، انسانیت کا بلند مرتبہ پر فائز ہونا اور آخرت کی پاک و پاکیزہ زندگی کے لیے اہم وسیلہ ہے۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''جو شخص بھی عمل صالح انجام دے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ایسی حالت میں کہ وہ ایمان رکھتا ہو، میں اس کو پاک و پاکیزہ زندگی عنایت کروں گا اور ان کو ان کے اعمال سے بہتر جزا دوں گا۔''(۱)

مذکورہ آیۂ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے، دنیا کی زندگی کے علاوہ، ایک دوسری پاک و پاکیزہ نئی زندگی وجود میں آسکتی ہے اور وہ نئی زندگی ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ ہوگی۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''جو شخص بھی ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ خدا کی بارگاہ میں پہنچتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو کہ بہت ہی بلند مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔''(۲)

اور فرماتا ہے: ''جو شخص بھی اپنے پروردگار سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ عمل صالح انجام دے اور عبادت خدا میں کوئی شریک قرار نہ دے۔''(۳)

اور فرماتا ہے: ''جو شخص بھی عزت و شہرت چاہتا ہے تو وہ یہ جان لے کہ تمام عزت خدا کے لئے ہے۔ پاکیزہ کلمات اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور عمل صالح انھیں بلند کرتے ہیں۔''(۴)

خدائے سبحان اس آیت میں فرماتا ہے: تمام عزتیں اور قدرتیں خدا کی ملکیت ہیں اور اسی

۱۔ سورۂ نحل، ۹۷۔ ۲۔ سورۂ طہ، ۷۵۔

۳۔ سورۂ کہف، ۱۱۱۔ ۴۔ سورۂ فاطر، ۱۰۔

کے پاس ہیں اور کلمہ طیب یعنی اللہ کو ایک ماننے والے انسان کی پاک جان اور توحید کا پاک عقیدہ، خدا کی طرف اوپر اٹھاتا ہے اور عمل صالح اس کو اوپر اٹھانے والا ہوتا ہے۔

عمل صالح نیت اور خلوص کے راستہ سے نیک عمل کرنے والے کے نفس پر اثر ڈالتے ہیں اور اس کو ہدایت کرتا ہے اور تکمیل کرتا ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ پاک و پاکیزہ حیات اور آخرت کی بھلائی اور ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں عمل صالح کی بہت زیادہ تاکید کی ہے اور صرف عمل صالح کو ہی سعادت اور فلاح کا وسیلہ جانا ہے۔ عمل کی صلاحیت کا میزان اور معیار، شریعت اور وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان اور دنیا کا خالق انسان کی پیدائش کی غرض و غایت سے واقف ہے اور اس کی سعادت اور کمال کے راستے کو جانتا ہے اور ان راستوں کو وحی کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ کے اختیار میں دیا ہے تاکہ وہ لوگوں تک پہنچائیں اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہیں، جس وقت خدا اور رسولؐ تم کو کسی چیز کی طرف بلائیں جو تمھیں زندگی بخشتی ہیں، انہیں قبول کرلو۔''(۱)

عمل صالح وہ عمل ہے، جس کو شریعت میں واجب یا مستحب کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے اور سالک ان واجبات یا مستحبات پر عمل کر کے اللہ کی قربت کو حاصل کر سکتا ہے۔ صرف یہی ایک راستہ ہے اور ہر دوسری راہ، بے راہ ہے جو کہ سالک کو مقصد تک نہیں پہنچاتی ہے۔ سالک کو چاہئے کہ وہ پوری طرح سے شریعت کا مطیع و فرمانبردار ہو اور قربت الٰہی اختیار کرنے کے لیے سوائے شریعت کے راستہ کے کسی دوسرے راستہ کو اختیار نہ کرے اور جن ادعیہ و اذکار اور حرکات کی شریعت میں کوئی شرعی دلیل و مدرک نہیں ہے، اس سے پوری طرح بچتا رہے کیونکہ یہ صرف سالک کو مقصد تک ہی نہیں پہنچاتے، بلکہ اس کو مقصد سے بہت دور کر دیتے ہیں اور شریعت سے تجاوز کرنا بدعت اور گناہ ہے۔

سالک کو سب سے پہلے مرحلہ میں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ دینی واجبات اور فرائض کو صحیح طریقہ سے اور شریعت کے بتائے ہوئے دستور کے مطابق انجام دے کیونکہ فرائض اور واجبات کو ترک کر دینے سے بلند مقامات تک نہیں پہنچا جا سکتا ہے خواہ وہ مستحبات ذکر، ورد کرنے میں کوشاں بھی رہے۔

۱۔ سورۂ انفال، ۲۴۔

دوسرے مرحلہ میں مستحبات اور ذکر کی نوبت آتی ہے۔ سالک اس مرحلہ میں اپنی روحی اور فطری استعداد کے مطابق مستحب کاموں کو انجام دے سکتا ہے۔ اگر چہ وہ جتنا زیادہ کوشاں ہوگا اتنا ہی زیادہ بلند مقامات تک پہنچے گا۔ مستحبات بھی، فضیلت کے حساب سے ایک مرتبہ کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان میں کچھ، دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ افضل ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ زیادہ بہتر اور جلدی خدا کے قریب پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ دعاؤں اور احادیث کی کتابوں میں ان باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سالک اللہ کو چاہئے کہ نمازوں، دعاؤں، اور ادعیہ واذکار کو اُن کتابوں سے انتخاب کرے اور اس کو ہمیشہ انجام دیتا رہے۔ وہ ان کو جتنا زیادہ اور بہتر طریقہ سے انجام دے گا، اتنا ہی اس میں پاکی اور نورانیت پیدا ہوگی اور بلندترین مقامات تک پہنچائے گا۔

ہم اس جگہ پر کچھ اعمالِ صالح کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور باقی کے لیے تمام کتابوں کی طرف رجوع کرنے کے لیے سفارش کرتے ہیں لیکن لازم یہ ہے کہ ہم پہلے یہ سمجھ لیں کہ فرائض، نوافل، ذکر اور دعائیں عمل صالح کی صورت میں اس وقت مقرب خدا ہوتی ہیں جبکہ وہ خلوص کے ساتھ واقع ہوں۔ عمل کی صلاحیت اور اس کا مقرب ہونا، اس کے عمل کے خلوص کے حساب سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہم شروع میں خلوص کی بحث کرتے ہیں۔ اس کے بعد اعمال صالحہ کی تعداد کی طرف اشارہ کریں گے۔

اخلاص (خلوص):

خلوص کا مقام، کمال اور سیر وسلوک کے بلندترین مراحل میں سے ایک ہے۔ خلوص کے اثر کی وجہ سے، دل اللہ کے نور کی چمک کا مرکز بن جاتا ہے اور دل سے حکمت و دانش کی باتیں زبان پر جاری ہو جاتی ہیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''جو شخص بھی چالیس دن خدا کے لیے خلوص سے مخصوص کر دے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے ابل کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔''(۱)

۱۔ بحار رج ر ۶۷، ص ر ۲۴۲

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''کہاں ہیں وہ لوگ جو اپنے اعمال کو صرف خدا کے لیے انجام دیتے ہیں اور اپنے دلوں کو اللہ کی توجہ کا مرکز بنانے کے لیے پاک وصاف رکھتے ہیں۔''(۱)

حضرت زہراؑ نے فرمایا: ''جو شخص اپنی خالص عبادت اللہ کی طرف بھیجتا ہے اس کے لیے خدا بھی اپنی بہترین مصلحت نازل فرماتا ہے۔''(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''بندوں کا پاک وپاکیزہ دل، خدائے سبحان کی نظر کرم کا مرکز ہوتا ہے لہٰذا جس شخص نے بھی اپنے دل کو پاک وپاکیزہ کیا تو وہ خدائے سبحان کی نظر کرم کا مرکز قرار پائے گا۔''(۳)

رسولؐ خدا نے جبرئیلؑ سے نقل کیا ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا: ''خلوص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں ہر اس شخص کے دل میں ودیعت کر دیتا ہوں جس کو میں دوست رکھتا ہوں اپنے بندوں میں سے۔''(۴)

خلوص کے مختلف مراتب اور درجات ہیں۔ اس کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ انسان اپنی عبادتوں کو شرک، ریاکاری، خودنمائی سے پاک وصاف رکھے اور انھیں صرف خدا کے لیے انجام دے۔ خلوص کی اتنی مقدار تو عبادت کے صحیح ہونے کی شرط ہوتی ہے اور اس کے بغیر خدا کا قرب حاصل نہیں ہوسکتا۔ عمل کی اہمیت، شرک وریا سے پاک وصاف نیت پر موقوف ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''خدا تمہاری صورت اور عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔''(۵)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ خدائے متعال فرماتا ہے: ''میں ہر شخص کا بہترین شریک عمل ہوں جو دوسرے کو اپنے عمل میں شریک قرار دیتا ہے تو میں تمام عمل کو اس کے سپرد کر دیتا ہوں۔ میں خالص عمل کے علاوہ کسی دوسرے عمل کو قبول نہیں کرتا۔''(۶)

۱۔ غرر الحکم ص/۱۷۲
۲۔ بحار ج/۷۰، ص/۲۴۹
۳۔ غرر الحکم ص/۵۳۸
۴۔ بحار ج/۷۰، ص/۲۴۹
۶۔ بحار ج/۷۰، ص/۲۴۸
۶۔ بحار ج/۷۰، ص/۲۴۳

16

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدائے متعال لوگوں کو قیامت میں ان کی نیتوں پر محشور کرے گا۔''(۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''خوش نصیب ہے وہ شخص جو اپنی عبادت اور دعا کو صرف خدا کے لیے انجام دیتا ہے اور اپنے دل کو جو کچھ کہ وہ اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے، اس میں مشغول نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے جو کچھ اس کے کان تک پہنچتا ہے وہ خدا کے ذکر اور عبادت کو فراموش نہیں کرتا اور جو چیز کسی دوسرے کو دی جاتی ہے، اس سے وہ افسردہ نہیں ہوتا۔''(۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''عمل میں خلوص، سعادت اور خوشبختی کی علامتوں میں سے ہے۔''(۳)

بارگاہ خدا میں وہ عبادت قبول ہوتی اور قرب وکمال کا سبب قرار پاتی ہے جو ہر طرح کی ریاکاری، خود پسندی اور خودنمائی سے پاک وپاکیزہ ہو اور صرف خدا کے لیے انجام دی جائے۔ عمل کی قبولیت اور قیمت کا معیار خلوص ہے۔ جتنا خلوص زیادہ ہوگا اتنا ہی عمل کامل اور قیمتی ہوگا۔ عبادت کرنے والوں کے کئی دستے ہیں۔

(۱) پہلا دستہ ان لوگوں کا ہے جو عذاب الٰہی اور آتش جہنم کے خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا دستہ ان لوگوں کا ہے جو جنت کی نعمتوں اور آخرت کے ثواب کے لیے اللہ کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس طرح کے مقاصد، ان کے عمل کے صحیح ہونے میں کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ ان کا عمل ٹھیک ہے اور تقرب الٰہی اور ثواب کا باعث ہے کیونکہ قرآن و حدیث نے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ان ہی دو طریقوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ خود پیغمبر اکرمؐ، ائمہ اطہارؑ اور اولیاء اللہ بھی خدا کے عذاب سے ڈرتے تھے اور بہشت اور اس کی نعمتوں کے لیے شوق اور امید کا اظہار کیا کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا دستہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کی نعمتوں کے شکرانہ مین اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس طرح کا قصد و ارادہ خلوص کا مخالف ہے جو اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے۔۔ اسی لئے حدیثوں میں اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ ان کا پاس ولحاظ، انھیں اطاعت خداوندی پر

۱۔ بحار رج ر۷۰، ص ر۲۰۹ ۲۔ بحار رج ر۷۰، ص ر۲۲۹
۳۔ غرر الحکم رص ر۴۳

آمادہ کرے۔ یہاں تک کہ خود پیغمبرؐ اور ائمہؑ اطہار بھی کبھی کبھی عبادت میں کوشش کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے: اَفَلا اَکُونُ عَبداً شَکُوراً ''کیا ہم اللہ کے شکرگزار بندے نہ ہو جائیں؟''

اگر چہ ان تینوں گروہوں کا عمل قبولیت کے لائق ہوتا ہے لیکن تیسرے دستہ کا عمل زیادہ قابل قبول ہوتا ہے کیونکہ ان میں خلوص زیادہ ہوتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''جو لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ تین طرح کے ہیں: کچھ لوگ آخرت کے ثواب کے لیے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کا طریقہ ہے، کچھ لوگ عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں اور اس طرح کی عبادت غلاموں اور نوکروں کی عبادت ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اللہ کی نعمتوں کے شکرانہ میں عبادت کرتے ہیں اور یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔''(۱)

(۴) چوتھا دستہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفس کے کمال اور روح کی پرورش و تربیت کے لیے عبادت کرتے ہیں ایسا قصد و ارادہ خلوص میں مانع نہیں ہوتا ہے جو کہ عمل کی صحت کے لیے شرط ہے۔

(۵) پانچواں دستہ اللہ کے ان مخصوص اور ممتاز بندوں کا ہے جو خدا کو خوب پہچانتے ہیں اور اس کو تمام کمالات اور نیکیوں کا سرچشمہ اور منبع جانتے ہیں۔ لہٰذا اس کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی بے انتہا عظمت اور قدرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور سوائے اس کے کسی دوسرے کو مؤثر نہیں جانتے ہیں لہٰذا صرف اسی کو عبادت اور پرستش کے لائق جانتے ہیں، اسی وجہ سے وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں اور اس کی قدرت اور عظمت کے سامنے خضوع و خشوع کرتے ہیں۔ یہ خلوص کا بلند ترین مرتبہ ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''عبادت کرنے والوں کے تین گروہ ہیں: ایک گروہ ثواب کی امید میں خدا کی عبادت کرتا ہے، یہ لالچیوں کی عبادت ہے جن کی غرض لالچ ہوتی ہے۔ دوسرا گروہ، آتش دوزخ کے خوف سے خدا کی عبادت کرتا ہے، یہ عبادت غلاموں کی عبادت ہے جو خوف کی وجہ

۱۔ بحار، ج ۷۰، ص ۱۹۶

سے ہوتی ہے لیکن میں چونکہ خدا کو دوست رکھتا ہوں، اس لیے اس کی عبادت کرتا ہوں۔ اور اس طرح کی عبادت بزرگوں اور شریفوں کی عبادت ہے۔ جس کا سبب امن اور اطمینان ہے۔ خدائے متعال فرماتا ہے!''وَ هُم مِن فَزَعٍ يَومَئِذٍ آمِنُون ''''وہ لوگ قیامت کے ڈر سے امن و امان میں ہوں گے۔'' اور فرماتا ہے:''قُل اِن كُنتُم تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحبِبكُمُ اللهُ وَ يَغفِر لَكُم ذُنُوبَكُم ''اے رسولؐ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا لہٰذا ہر وہ شخص جو خدا کو دوست رکھتا ہے، اس کو خدا بھی دوست رکھتا ہے اور وہ امن و امان میں ہوگا۔''(۱)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:''پروردگارا! میں تیری عبادت نہ آتش دوزخ کے خوف سے اور نہ جنت کی لالچ میں کرتا ہوں بلکہ تجھ کو عبادت و پرستش کے لائق پاتا ہوں، اس لیے عبادت کرتا ہوں۔''(۲)

مذکورہ سارے دستے مخلص ہیں اور ان کے اعمال بھی قابل قبول ہوں گے لیکن خلوص کے اعتبار سے مرتبہ میں فرق ہے کچھ کامل اور کچھ کامل تر ہیں اور پانچواں دستہ بلندترین مرتبہ پر فائز ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو عبادت کے بلندترین مرتبہ تک پہنچتے ہیں، وہ کم مرتبہ والے بھی ہوتے ہیں بلکہ وہ اس مرتبہ کے علاوہ بلندترین مرتبہ بھی رکھتے ہیں۔ صدیقین سچے لوگ اور اللہ کے خاص بندے بھی خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے لطف و کرم کی امید رکھتے ہیں۔ اس کی نعمتوں پر شکر گزار ہوتے ہیں اور اللہ کے معنوی قرب کو بھی چاہتے ہیں لیکن ان کی عبادت کا سبب صرف یہی نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ خدا کی اعلیٰ ترین معرفت رکھتے ہیں، اس لیے اس کی پرستش اور عبادت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے ممتاز اور برگزیدہ بندے ہیں، چونکہ جو بلند مقامات تک پہنچ جاتے ہیں وہ اپنے نچلے مقامات کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں کیونکہ جو انسان کمال حاصل کرنے کے لیے حرکت کرتا ہے، وہ جب بلندترین مقام تک پہنچ جاتا ہے تو وہ سب سے نچلے مقام کو بھی پانے والا ہوتا ہے۔

اب تک جو کچھ بھی کہا گیا ہے، وہ عبادت میں خلوص سے متعلق تھا لیکن خلوص، صرف

۱۔ بحار، ج۷۰، ص۱۹۷ ۲۔ بحار، ج۷۰، ص۱۹۷

عبادت تک محدود نہیں ہوتا ہے بلکہ سالک رفتہ رفتہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ خود اپنے اور اپنے دل کو خدا کے لیے خالص کر لیتا ہے اور ہر غیر خدا کو خانۂ دل سے نکال دیتا ہے۔ اس طرح سے وہ اپنے تمام اعمال، حرکات اور افکار کو خدا سے مخصوص کر دیتا ہے اور سوائے رضائے الٰہی کوئی کام انجام نہیں دیتا، وہ اُس کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا اور اس کے علاوہ کسی دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتا۔ اس کی دوستی، خدا کے لیے اور اس کی دشمنی بھی خدا کے لیے ہوتی ہے اور یہ خلوص کا بلندترین مرتبہ ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''خوش نصیب ہے وہ شخص کہ جس کا عمل، علم، محبت، دشمنی، لینا، چھوڑنا، بات کرنا اور چپ رہنا صرف خدا کے لیے ہو۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جس شخص کی محبت، عداوت، انفاق اور امساک خدا کے لیے ہو، وہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کا ایمان کامل ہے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدا کوئی چیز بھی اپنے بندے کو عطا نہیں کرتا جو اس سے زیادہ اچھی ہو کہ اس کے دل میں سوائے خدا کے کچھ بھی نہ ہو۔''(۳)

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''کہاں ہے وہ دل جو اللہ کو بخش دیا گیا ہو اور اس کی اطاعت کا عہد و پیمان لیا گیا ہو۔''(۴)

جب سالک اس مقام تک پہنچتا ہے تو خدائے سبحان اس کو اپنا خاص بندہ قرار دیدیتا ہے اور اپنی تائید، فیض اور نور کے ذریعہ اس کو گناہوں سے محفوظ اور دور رکھتا ہے۔ ایسا ہی بندہ، مخلص جانا جاتا ہے اور مخلص لوگ ہی اللہ کے ممتاز بندوں میں سے ہوتے ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے: ''ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے خالص قرار دے دیا ہے۔''(۵)

قرآن کریم حضرت موسیٰؑ کے بارے میں فرماتا ہے: ''یقینی طور پر وہ خالص ہو گیا ہے کیونکہ وہ رسول اور پیغمبر تھا۔''(۶)

۱۔ غرر الحکم/ص/۳۶۲
۲۔ بحار/ج/۷، ص/۲۴۸
۳۔ بحار/ج/۷، ص/۲۴۹
۴۔ غرر الحکم/ص/۱۷۲
۵۔ سورۂ ص، ۴۶
۶۔ سورۂ مریم، ۵۱

اللہ کے مخلص بندے ایسے مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ شیطان ان کو گمراہ کرنے سے مایوس ہوجاتا ہے۔قرآن شریف، شیطان کی بات کونقل کرتا ہے کہ اس نے خدائے متعال سے کہا: ''مجھے تیری عزت وجلال کی قسم کہ میں تمام اولادآدم کو گمراہ کروں گا سوائے مخلص بندوں کے کہ ان میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔''(۱)

اختتام میں ایسے اس بات کی یاددہانی ضروری ہے کہ ایسے بلند مقامات آسانی سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے تہذیب نفس اور عبادات میں جدوجہد ضروری ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''خلوص، عبادت کا ثمرہ ہے۔''(۲)

جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ چالیس دن تک عبادت و ذکر میں مشغول رہنا اور اس کی پابندی، باطن کی پاکیزگی، نورانیت اور مقام خلوص تک رسائی کے لیے مؤثر اور مفید ہوسکتا ہے لیکن یکبارگی نہیں بلکہ آہستہ آہستہ اور خلوص کے مرحلوں کو طے کرنے سے ہے۔

۱۔سورۂ صافات،۸۳ ۲۔غررالحکم،ص،۱۷

بعض اعمال صالحہ

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ صرف وہ راستہ جو انسان کو کمال عطا کر سکتا ہے اور قربِ الٰہی کے مقام تک پہنچا جا سکتا ہے وہ وحی (قرآن) کی پیروی کرنا اور اسی راہ کو طے کرنا ہے جو انبیاء کے بنائے ہوئے ہیں اور خود انہوں نے اس راہ کو طے کیا ہے اور اسے فرائض و نوافل اور مستحبات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ نیک اعمال بھی یہی ہیں۔ عملِ صالح یعنی تمام واجبات اور مستحبات جو کہ شریعتِ اسلام میں آئے ہیں اور قرآن، احادیث اور دعاؤں کی کتابوں میں درج کئے گئے ہیں، آپ انھیں پہچان سکتے ہیں اور ان راستوں کو طے کرنے میں ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن ہم یہاں پر ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

اول: واجب نمازیں

معنوی سیر و سلوک اور تقرب الٰہی کے لیے نماز ایک بہترین عمل ہے۔

امام علی رضاؑ نے فرمایا: "نماز ہر پرہیزگار انسان کے لیے تقرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔"(۱)

معاویہ بن وہب نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا: "وہ بہترین عمل جو کہ بندوں کو خدا کے نزدیک کرتا ہے اور خدا اس کو دوست رکھتا ہے، کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: خدا کی معرفت کے بعد، میں نماز سے بہتر کسی چیز کو نہیں جانتا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا کے نیک بندے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: جب تک ہم زندہ ہیں، خدا نے ہم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔"(۲)

۱۔ کافی ر ج ر ۳، ص ر ۲۶۵ ۲۔ کافی ر ج ر ۳، ص ر ۲۶۴

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل نماز ہے۔ انبیاء کی آخری وصیت نماز ہے۔ کتنا اچھا ہے کہ انسان غسل کرے یا مکمل طور پر وضو کرے، اس وقت ایک ایسے گوشہ میں جائے کہ کوئی شخص اسے نہ دیکھ رہا ہو اور اپنے رکوع اور سجود پر خاص توجہ رکھے۔ جب بندہ سجدہ میں جاتا ہے اور اپنے سجدہ کو طول دیتا ہے تو شیطان چیخ اٹھتا ہے: واویلاہ! یہ بندہ خدا کی اطاعت کر رہا ہے اور میں نے گناہ کیا، اس نے سجدہ کیا اور میں نے انکار کیا۔''(۱)

امام علی رضاؑ نے فرمایا: ''بندہ اس وقت خدا سے بہت زیادہ نزدیک ہوتا ہے، جس وقت وہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ خدائے متعال فرماتا ہے: ''وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِب'' اور تم سجدہ کرو میں تمہارے قریب ہوں گا۔''(۲)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جس وقت انسان نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اس پر آسمان سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس کے چاروں طرف ملائکہ احاطہ کر لیتے ہیں اور ایک فرشتہ کہتا ہے: اگر یہ نماز ادا کرنے والا بندہ نماز کی اہمیت کو جان جائے تو کبھی بھی نماز سے روگردانی نہیں کرے گا۔''(۳)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''جب کوئی بندۂ مومن نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو خدا اس کی طرف نظر کرتا ہے، جب تک وہ نماز سے فارغ نہیں ہو جاتا ہے آسمان سے خدا کی رحمت اس کا احاطہ کئے ہوتی ہے اور ملائکہ اس کو گھیرے میں لے لیتے ہیں اور خدا ایک فرشتہ اس کے لیے معین کرتا ہے تا کہ وہ کہے: اے نمازی اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ تو کس کی توجہ کا مرکز قرار پایا ہے اور کس سے مناجات کر رہا ہے تو کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں کرتا اور کبھی بھی اس حالت سے جدا نہیں ہوتا۔''(۴)

نماز میں حضورِ قلب

نماز ایک روحانی اور ملکوتی مرکب ہے جس کے ہر جزء میں ایک راز چھپا ہوا ہے۔ نماز خدا سے رابطہ کا وسیلہ اور پروردگار سے راز و نیاز اور انس و محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ کمال، بلندی

۱۔ کافی ر ج ر ۳۔ ص ر ۲۶۴
۲۔ کافی ر ج ر ۳، ص ر ۲۶۵
۳۔ کافی ر ج ر ۳، ص ر ۲۶۵
۴۔ کافی ر ج ر ۳، ص ر ۲۶۵

اور خدا کے قریب ہونے کا بھی بہترین وسیلہ ہے۔ یہی مومن کی معراج اور برائیوں اور خرابیوں سے روکنے والی ہے۔ یہی نورانیت اور معنویت کا صاف وشفاف چشمہ ہے۔ جس میں وہ شخص جو دن اور رات میں پانچ مرتبہ داخل ہوتا ہے۔ وہ نفسانی گندگیوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ یہ اللہ کی بہت بڑی امانت اور اعمال کے قبول ہونے کا ترازو ہے۔ نماز آسمانی راز اور اسرار سے پُر ایک مرکب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ روح اور زندگی رکھتا ہو اور نماز کی روح، حضورِ قلب اور خدا کی طرف توجہ اور اس کے سامنے خضوع وخشوع ہے۔ ذکر، قرأت، رکوع، سجدہ، تشہد اور سلام، سب مل کر نماز کی صورت اور پیکر کو تشکیل دیتے ہیں اور توجہ اور حضور قلب، روحِ نماز جیسی ہوتی ہے۔ جیسے شکل وصورت بغیر روح کے مردہ اور بے خاصیت، ٹھیک اسی طرح سے بغیر حضورِ قلب کے نماز بھی۔ اگرچہ وہ تکلیف شرعی کو ختم کردیتی ہے۔ لیکن نماز گزار کو بلند مقامات تک نہیں پہنچاتی ہے۔ اصولاً شرعی طور پر نماز کی سب سے بڑی غرض خدا کی یاد اور ذکر ہے۔

خداوند عالم، پیغمبر اکرمؐ سے فرماتا ہے: ''نماز کو ہماری یاد کے لیے قائم کرو۔''(۱)

قرآن کریم میں، نمازِ جمعہ کو ذکر کے عنوان سے تعارف کرایا گیا ہے: ''اے ایمان والو! جس وقت تمہیں نماز جمعہ کے لیے آواز دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف جلدی کرو۔''(۲)

نماز کے قبول ہونے کا معیار حضور قلب کی مقدار پر ہوتا ہے۔ جس قدر حضور قلب ہوگا، نماز بھی اسی قدر قبولیت پائے گی۔ اسی لیے حدیثوں میں، حضور قلب کے عمل کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''کبھی آدھی نماز قبول ہوتی ہے، کبھی اس کی ایک تہائی، کبھی ایک چوتھائی اور کبھی پانچواں حصہ۔ یہاں تک کہ اس کے ایک بٹے دس حصہ تک۔ بعض نمازیں پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نماز پڑھنے والے کے سر پر ماردی جاتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح سے تمہاری نماز بھی اتنی ہی مقدار میں قبول کی جائے گی کہ جتنی تمہارے قلب کی توجہ خدا کی طرف ہوگی۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جس وقت بندہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو خدائے متعال اس کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنی توجہ کو اس کی طرف سے نہیں ہٹاتا جب وہ تین مرتبہ خدا کی یاد

۱۔ سورۂ طہ، ۱۴۔ ۲۔ سورۂ جمعہ، ۹۔ ۳۔ بحار، ج ۸۴، ص ۲۶۰۔

سے غافل ہو جاتا ہے تو خدائے سبحان بھی اس کی طرف سے توجہ ہٹا لیتا ہے۔"(۱)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: "سستی اور کاہلی کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ نماز کی حالت میں اپنی فکر نہ کرو، کیونکہ تم خدا کے حضور میں کھڑے ہو۔ یہ بات درست ہے کہ بندہ کی نماز اسی مقدار میں قبول ہوتی ہے کہ جتنی مقدار میں اس کا قلب خدا کی طرف توجہ رکھتا ہے۔"(۲)

رسولِ خدا نے فرمایا: "ہر وہ بندہ جو کہ نماز کی حالت میں غیرِ خدا کی طرف متوجہ ہو تو خدا اس سے کہتا ہے: اے میرے بندے کس شخص کا قصد و ارادہ کرتے ہو اور کس کو طلب کرتے ہو؟ کیا میرے علاوہ کسی دوسرے پروردگار اور نگہبان کو تلاش کرتے ہو؟ کیا میرے علاوہ کسی دوسرے بخشنے والے کو طلب کرتے ہو؟! ایسی صورت میں کہ کرم کرنے والوں میں سب سے زیادہ کرم کرنے والا اور تمام بخشنے والوں میں سب سے زیادہ بخشنے والا اور بہترین عطا کرنے والوں میں سب سے زیادہ عطا کرنے والا میں ہوں۔ میں تم کو اتنا ثواب عطا کروں گا کہ جو تمہارے شمار میں نہیں آئے گا۔ میری طرف توجہ رکھو کیونکہ میں اور میرے فرشتے تمہاری طرف توجہ رکھتے ہیں لہٰذا اگر نماز گزار خدا کی طرف توجہ کرے تو اس کے پچھلے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اگر وہ دوبارہ غیر خدا کی طرف توجہ کرتا ہے تو خدائے متعال اس کو دوبارہ پہلے کی طرح خطاب کرتا ہے۔ اگر اس نے نماز کی طرف توجہ کر لی تو اس کا نماز سے غفلت کا گناہ بخش دیا جاتا ہے اور اس کے اثرات مٹ جاتے ہیں۔ اگر تیسری مرتبہ پھر وہ نماز کی طرف سے توجہ ہٹاتا ہے تو خدائے متعال پھر پہلے کی طرح خطاب کرتا ہے۔ اگر وہ نماز کی طرف توجہ کر لیتا ہے تو اس بار پھر اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے اور اگر چوتھی مرتبہ پھر نماز کی طرف سے توجہ ہٹا لے تو خدا اور ملائکہ اس کی طرف سے توجہ ہٹا لیتے ہیں اور خدا اس سے کہتا ہے: میں نے تجھے اسی کی حاکمیت اور سرپرستی میں چھوڑ دیا ہے کہ جس سے تو لو لگائے رکھتا ہے۔"(۳)

نماز کی قدر و قیمت، حضورِ قلب اور خدا کی طرف توجہ سے ہے۔ حضورِ قلب کی مقدار کے مطابق ہی باطنی صفائی اور تقربِ الٰہی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ بلا وجہ بزرگ انبیاء، ائمہ اطہارؑ اور اولیاء خدا نماز کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے۔

۱۔ بحار، ج ۸۴، ص ۲۴۱ ۲۔ بحار، ج ۸۴، ص ۲۳۹ ۳۔ بحار، ج ۸۴، ص ۲۴۴

امیرالمومنینؑ کے بارے میں لکھا ہے: ''جس وقت نماز کا وقت ہوجاتا تھا تو آپؑ کے بدن میں لرزہ طاری ہوجاتا اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ جب آپؑ سے اس اضطراب و بے چینی اور چہرہ کے رنگ بدلنے کا سبب پوچھا گیا تو آپؑ نے جواب میں فرمایا: امانت کے ادا کرنے کا وقت آپہنچا جو کہ آسمانوں اور زمین پر پیش کی گئی تھیں لیکن وہ ڈر گئے تھے اور انہوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کردیا لیکن انسان نے اس بڑی امانت کو اٹھانے کی ذمہ داری قبول کرلی۔ میرا ڈر اور خوف اسی وجہ سے ہے کہ کیا ہم اس امانت کو ادا کرنے کی ذمہ داری نبھا پائیں گے یا نہیں؟''(۱)

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے حالات میں کہا گیا ہے: ''نماز کے وقت ان کے چہرہ کا رنگ زرد اور سرخ ہوجاتا تھا۔ نماز کی حالت میں اس طرح ہوتے تھے کہ گویا اس شخص سے مناجات کررہے ہوں کہ جس کو دیکھ رہے ہیں۔''(۲)

حضرت سجادؑ کے بارے میں لکھا ہے: ''جس وقت وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا اور ایک حقیر و ذلیل بندہ کی طرح خدا کے سامنے کھڑے ہوجاتے تھے۔ آپ کے بدن کے اعضاء خوف سے لرزتے تھے۔ آپ کی نماز ہمیشہ آخری نماز کی طرح ہوتی تھی۔ اس طرح سے کہ گویا اس کے بعد آپ کوئی نماز نہ پڑھ سکیں گے۔''(۳)

حضرت زہراؑ کے بارے میں لکھا ہے: ''نماز کی حالت میں، خوف کی شدت سے آپ کی سانس گننے میں آجاتی تھی۔''(۴)

امام حسنؑ کے حالات زندگی میں لکھا گیا ہے کہ: ''نماز کی حالت میں آپ کا بدن لرزتا تھا۔ جب جنت یا دوزخ کی یاد کرتے تو سانپ کے کاٹے ہوئے شخص کی طرح سے تڑپتے۔ خدا سے جنت کی خواہش کرتے اور دوزخ سے پناہ مانگتے تھے۔''(۵)

عائشہ رسولؐ خدا کے بارے میں اس طرح فرماتی ہیں: ''جب میں رسولؐ خدا سے گفتگو میں مشغول ہوتی اور نماز کا وقت آجاتا تو آپ اس طرح منقلب ہوجاتے تھے کہ گویا آپ مجھ کو پہچانتے

۱۔ بحار/ ج/۸۴، ص/۲۴۸
۲۔ بحار/ ج/۸۴، ص/۲۴۸
۳۔ بحار/ ج/۸۴، ص/۲۵۰
۴۔ بحار/ ج/۸۴، ص/۲۵۸
۵۔ بحار/ ج/۸۴، ص/۲۵۸

ہی نہیں اور ہم بھی آپ کو نہیں پہچانتے۔''[۱]

امام سجادؑ کے بارے میں لکھا ہے: '' آپ نماز کی حالت میں مشغول تھے کہ آپ کے دوش مبارک سے عبا گر گئی لیکن آپ متوجہ نہیں ہوئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے ایک صحابی نے عرض کیا: یابن رسول اللہ! نماز کی حالت میں آپ کے کندھے سے عبا گر گئی لیکن آپ نے توجہ نہیں کی؟! آپ نے فرمایا: تمہارے اوپر افسوس ہے کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا تھا؟ اسی فکر نے مجھ کو عبا کے گرنے کی توجہ سے روکے رکھا تھا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بندہ کی نماز صرف اتنی مقدار میں قبول ہوتی ہے کہ جتنا وہ خدا کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ سائل نے عرض کیا: یابن رسولؐ اللہ! پھر تو ہم لوگ ہلاک ہو جائیں گے! آپؑ نے فرمایا: نہیں، اگر تم نوافل (مستحب نمازیں) پڑھو تو خدا اس کے وسیلہ سے تمہاری نماز کو مکمل کر دے گا۔''[۲]

رسولؐ خدا کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ نماز کی حالت میں آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور آپ کے سینے سے کھولتی ہوئی دیگ سے نکلنے والی آواز کی طرح آواز سنائی دیتی تھی۔ جب آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو زمین پر پڑے ہوئے کپڑے کے مانند بے حرکت ہوتے ہیں۔[۳]

حضور قلب کے مراتب

حضور قلب کے مختلف درجات و مراتب ہیں، کچھ کامل ہیں تو کچھ کامل تر ہیں۔ سالک الی اللہ ان مراتب کو آہستہ آہستہ طے کر کے قرب و شہود کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ یہ بہت ہی لمبا راستہ اور اس کے متعدد مقامات ہیں۔ اس کی توضیح و شرح مجھ جیسے ہیچ مداں شخص کیلئے مناسب نہیں ہے کہ جس نے اس کا دور سے نظارہ کیا ہے اور حسرت و یاس کی آگ میں جل رہا ہے لیکن پھر بھی اجمالی طور پر چند مراتب کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جو سالکین کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

پہلا مرتبہ: حضور قلب کا پہلا مرحلہ اور مرتبہ یہ ہے کہ نمازی پوری نماز یا اس کے کچھ حصہ میں

۱۔ بحار رج ۸۴، ص ۲۵۸ ۲۔ بحار رج ۸۴، ص ۲۶۵ ۳۔ بحار رج ۸۴، ص ۲۴۸

اجمالی طور پر اس بات کی طرف متوجہ رہے کہ وہ پروردگار عالم کے سامنے کھڑا ہوا ہے، اس سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہے اگر چہ وہ الفاظ کے معانی کی طرف متوجہ نہ ہو اور بالتفصیل نہ جانتا ہو کہ کیا کہہ رہا ہے۔

دوسرا مرتبہ۔ حضور قلب کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ نمازی علاوہ بریں کہ اپنے آپ کو حالت نماز میں خدا کی بارگاہ میں حاضر اور اس سے گفتگو کی حالت میں سمجھے، اذکار کے معانی کی طرف بھی متوجہ ہو اور یہ اس بات کو درک کرے کہ خدا سے کیا کہہ رہا ہے، الفاظ کو اس طرح ادا کرے کہ گویا ان کے معانی کو اپنے آپ کو سمجھا رہا ہے بالکل اس ماں کی طرح جو اپنے بچے کو کلمات ادا کرنے کا طریقہ سکھاتی ہے اور اس کے معنی کی تعلیم دیتی ہے۔

تیسرا مرتبہ۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ نمازی گذشتہ مراتب کے علاوہ، تکبیر، تسبیح، تقدیس، توحید، تمجید، کی حقیقت اور سبھی اذکار کے معانی کو بخوبی سمجھے اور علمی دلیلوں کے ذریعہ ان سے مطلع ہو اور حالت نماز میں ان کی طرف متوجہ رہے کہ کیا کہہ رہا ہے، کیا چاہتا ہے اور کس ذات والا صفات سے باتیں کر رہا ہے۔

چوتھا مرتبہ۔ چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ نمازی گذشتہ مراحل کے علاوہ اذکار کی حقیقت، معارف ومعانی کو مکمل طور پر جو اس باطن میں نفوذ کر گئے ہیں ان پر یقین وایمان کامل رکھے۔ اس وقت زبان دل کی پیروی کرے گی۔ جب دل ان حقائق پر ایمان رکھے گا تو زبان کو ان اذکار کی ادائیگی پر آمادہ کرے گا۔

پانچواں مرتبہ: نمازی اس مرحلہ میں گذشتہ مراحل کے علاوہ کشف وشہود اور بارگاہ خدا میں مکمل حاضری کے مرتبہ تک پہونچ جاتا ہے۔ اللہ کے اسماء، صفات اور کمالات کو باطنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ وہ خدا کے علاوہ کسی دوسری چیز کو نہیں دیکھتا یہاں تک کہ وہ خود اپنے افعال، حرکات اور اذکار کی طرف بھی متوجہ نہیں رہتا۔ وہ خدا سے باتیں کرتا ہے یہاں تک کہ وہ متکلم اور کلام سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ''انا'' کو بھی بھلا کر حق تعالیٰ کے جمال کے مشاہدہ میں محو ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں بھی مختلف مقامات اور درجات ہیں جو سالکین کی نسبت الگ الگ ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا مقام ایک بہت گہرا سمندر ہے، کتنا بہتر ہے کہ میں محروم اس سمندر میں نہ اتروں اور میں

اسے اسکے اہل کے حوالہ کردوں: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حَلَاوَۃَ ذِکْرِکَ وَ مُشَاھَدَۃَ جَمَالِکَ ...... پروردگار ہمیں اپنے ذکر کی مٹھاس اور اپنے جمال کے مشاہدہ کی توفیق عطا فرما۔

حضورِ قلب میں موثر چیزیں

حضورِ قلب جتنی اہمیت کا حامل ہے اتنا ہی مشکل اور دشوار بھی ہے۔ انسان جب نماز شروع کرتا ہے تو شیطان دل میں برے برے خیالات لانے اور وسوسہ ڈالنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ دل کو ادھر ادھر بہکاتا ہے اور طرح طرح کے افکار و خیالات میں مشغول رکھتا ہے۔ حساب و کتاب کرتا ہے، منصوبہ بناتا ہے، گذشتہ اور آئندہ کے مسائل کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے، علمی مسائل کو حل کرتا ہے اور زیادہ تر باتیں جنھیں وہ بھول چکا ہوتا ہے نماز میں یاد آجاتی ہیں اور اس وقت ہوش میں آتا ہے جب نماز ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اگر اس حالت میں ذرا سا نماز کی فکر میں پڑتا ہے تو فوراً منصرف ہو جاتا ہے۔

تعجب اور افسوس کا مقام ہے!! ہم کیا کریں کہ اس سرکش اور لاابالی نفس پر قابو پائیں؟ ہم کس طرح نماز کی حالت میں پراگندہ خیالات کو اپنے سے دور اور اپنے آپ کو صرف خدا کی یاد میں مشغول رکھ سکتے ہیں؟ جن لوگوں نے اس راہ کو طے کرلیا اور توفیق پا گئے، وہ ہماری بہتر طریقے سے راہنمائی کر سکتے ہیں اور بہتر تھا کہ ان ہی کے ہاتھ میں قلم ہوتا لیکن مجھ جیسا محروم اور حقیر بندہ بھی ان مطالب کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو حضورِ قلب کو حاصل کرنے کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔

۱۔ خلوت: اگر فرادیٰ نماز یا مستحب نماز پڑھے تو بہتر ہے کہ خلوت کو چنے تاکہ شور وغل رکاوٹ نہ ڈالے۔ نماز کی جگہ فوٹو یا کوئی دوسری چیز نہ ہو جو ممکن ہے کہ نمازی کی توجہ اپنی طرف کھینچے۔ عمومی مقامات پر نہ ہو۔ بہتر ہے کہ گھر میں بھی، نماز کے لیے جائے خلوت منتخب کرے اور ہمیشہ اسی جگہ نماز پڑھے۔ نماز کی حالت میں صرف سجدہ گاہ کی طرف نگاہ رکھے یا اپنی آنکھوں کو بند رکھے۔ ان دونوں میں سے جس کو بھی حضورِ قلب کے لیے زیادہ مفید سمجھے، اس کا انتخاب کرے۔ بہتر ہے کہ چھوٹے کمرہ یا دیوار کے نزدیک نماز پڑھے تاکہ زیادہ دور تک دکھائی نہ دے۔ اگر نماز کو جماعت سے پڑھے تو صرف سجدہ گاہ پر نگاہ رکھے اور اگر امام بلند آواز میں پڑھے تو اس کی قرأت کو غور سے سنے۔

۲۔ رکاوٹوں کو دور کرنا: نماز شروع کرنے سے پہلے حضورِ قلب سے مانع چیزوں کو دور کرے، اس کے بعد نماز میں مشغول ہو۔ مثلاً اگر پیشاب یا پاخانہ تیز لگ رہا ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو۔ اس کے بعد وضو کرے اور نماز میں مشغول ہو۔

اگر بہت زیادہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے اس کو آرام نہ ملتا ہو تو پہلے بھوک اور پیاس کو دور کرے اس کے بعد نماز پڑھے، اسی طرح سے اگر بہت زیادہ کھانے کی وجہ سے نماز پڑھنے کے لئے طبیعت آمادہ نہ ہو تو تھوڑا صبر کرے تا کہ آمادگی کی کیفیت پیدا ہو سکے۔

اگر بہت زیادہ تھکے ہونے یا نیند کا غلبہ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنے کا دل نہ چاہتا ہو تو پہلے تھکاوٹ اور نیند کو دور کرے، پھر نماز پڑھنے کے لیے تیار ہو۔

اگر کسی مطلب کے واضح ہونے یا حادثہ کے رونما ہونے کی وجہ سے پریشان ہو تو امکان کی صورت میں کوشش کرے کہ نماز سے پہلے ان پریشانی کے اسباب کو دور کرے، اس کے بعد نماز میں مشغول ہو۔

رکاوٹوں میں سے ایک بڑی رکاوٹ، دنیاوی امور سے بہت زیادہ لگاؤ اور وابستگی ہے۔ مثلاً مال، جاہ و منصب، عورت و بچے۔ ان باتوں سے لگاؤ کی وجہ سے انسان کی فکر، نماز کی حالت میں ان تمام چیزوں کی طرف پلٹتی رہتی ہے اور خدا کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اسی لئے نمازی کو چاہئے کہ ان باتوں سے قطع تعلق کرلے تا کہ اس کے لیے حضور قلب اور خدا کی طرف توجہ آسان ہو جائے۔

۳۔ ایمان کی تقویت: خدا کی طرف انسان کی توجہ خدا کی معرفت بھر ہوتی ہے۔ اگر ایمان یقین کی حد تک پہنچا ہوا ہو اور معبود کی عظمت، قدرت، حضور، احاطہ اور علم کا پوری طرح سے یقین ہو تو فطری طور پر اسی مقدار میں انسان کا خضوع و خشوع بھی ہوگا اور غفلت اور بھول چوک کی کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی۔ جو شخص بھی خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر اور اپنے آپ کو اس کے حضور میں سمجھتا ہے تو حالت نماز جو خدا سے گفتگو کی حالت ہے اس میں کبھی بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی طاقت ور بادشاہ سے کوئی بات کہہ رہا ہے تو اس کے حواس پوری طرح سے یکجا ہوتے ہیں اور وہ جانتا ہے کہ کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟ اگر خدا کو بھی عظمت و قدرت کے ساتھ پہچانتا ہے تو نماز کی حالت میں اس سے غفلت نہیں کرے گا۔ اس لیے انسان کو ایمان کو تقویت پہنچانے، قوت بخشنے اور

پوری طرح سے معرفت حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنی چاہئے تا کہ نماز کی حالت میں زیادہ اور اچھی طرح سے حضورِ قلب پیدا کرے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''اس طرح خدا کی عبادت کرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔''(۱)

ابان بن تغلب کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: میں نے علیؑ بن الحسینؑ کو دیکھا کہ نماز کی حالت میں ان کا رنگ بدلتا رہتا تھا)؟!

آپؑ نے فرمایا: ''ہاں وہ معبود کو کہ جس کے سامنے وہ کھڑے ہوتے تھے، پوری طرح سے پہچانتے تھے۔''(۲)

۴۔ **موت کی یاد:** تمام باتوں میں سے ایک بات جو کہ اس حالت کے پیدا ہونے اور حضورِ قلب کے لیے مفید ہوسکتی ہے موت کا یاد کرنا ہے۔ اگر انسان مرنے کی فکر میں ہو اور اس بات کی طرف توجہ رکھتا ہو کہ اسے نہ موت کا وقت معلوم ہے اور نہ ہی اس کے حالات اور ہر لمحہ اور ہر حالت میں موت کا واقع ہونا ممکن ہے، یہاں تک کہ ممکن ہے کہ یہی نماز، اس کی آخری نماز ہو تو اس وقت وہ نماز کو غفلت کے ساتھ نہیں پڑھے گا۔ بہتر ہے کہ نمازی، نماز پڑھنے سے پہلے موت کی فکر میں پڑ جائے، اس طرح تصور کرے کہ اس کی موت قریب آگئی ہے اور ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لیے حاضر ہوگئے ہیں اور اس کے پاس ایک گھنٹہ یا چند لمحے سے زیادہ نہیں رہ گئے ہیں، اس کے بعد اس کے کارنامۂ اعمال بند ہو جائیں گے اور وہ ہمیشہ رہنے والی دنیا میں داخل ہو جائے گا۔ وہاں اس کے اعمال کا حساب و کتاب لیا جائے گا اور اس کے نتیجہ میں یا تو اس کو ہمیشہ کے لیے سعادت اور اچھی زندگی اللہ کے قریب ترین بندوں کے ساتھ گزارنا ہوگی یا دوزخ کے گڑھے میں جکڑے ہوئے بدبختی، سختی اور عذاب میں ہوں گے۔ مرنے کا تصور اور تجسم کے ذریعہ اچھی طرح حالت حضور حاصل ہوسکتی ہے اور خود کو پروردگار کے سامنے دیکھ سکتا ہے اور نماز کو خشوع و خضوع کے ساتھ اور آخری نماز سمجھ کر پڑھ سکتا ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے، ایسی حالت پیدا کرے اور پوری نماز میں اس کو باقی رکھے۔

۱۔ نہج الفصاحۃ، ص ۶۵ ۲۔ بحار، ج ۸۴، ص ۲۳۶

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''واجب نماز کو اس کے وقت پر پڑھو، اس شخص کی طرح سے جو کہ آخری نماز پڑھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اس کے بعد نماز پڑھنے کی توفیق نہیں پائے گا اور نماز کی حالت میں سجدہ گاہ پر نگاہ رکھو۔ اگر احساس کرو کہ کوئی شخص تمہارے نزدیک ہے اور تمہاری نماز کو دیکھ رہا ہے تو اپنی نماز کو اچھی طرح سے پڑھو گے۔ جان لو کہ تم اس کے سامنے حاضر ہو جو تمہیں دیکھ رہا ہے لیکن تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو۔''(۱)

۵۔ آمادگی: نماز گزار جس وقت اپنی تمام رکاوٹیں دور کر لے تو تنہائی اور مناسب جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے تیار ہو جائے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے خدا کی بے پایان عظمت و قدرت اور اپنی کمزوری و ناتوانی کو یاد رکھے اور یہ یاد کرے کہ وہ پروردگار عالم اور مالک الملوک کے سامنے کھڑا ہے اور اس سے گفتگو کر رہا ہے۔ اس زبردست اور عظیم قدرت کے سامنے کھڑا ہے جو کہ تمام چیزوں یہاں تک کہ چھپی ہوئی فکر سے بھی آگاہ ہے۔

موت، حساب و کتاب، جنت اور دوزخ کو اپنی نگاہوں کے سامنے مجسّم رکھے۔ گمان رکھے کہ اس کی موت بہت قریب ہے اور یہاں تک کہ یہی نماز، اس کی آخری نماز ہوگی۔ اس فکر پر اس شدت سے عمل کرے کہ اس کا نفس مطیع و فرمانبردار ہو جائے اور خصوصی حالت اور توجہ پیدا کر لے۔ اس کے بعد پوری توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ اذان اور اقامت کہے۔ اس کے بعد دعائے تہیہ پڑھے۔

''اَللّٰھُمَّ اِلَیۡکَ تَوَجَّھۡتُ وَمَرۡضَاتَکَ طَلَبۡتُ وَثَوَابَکَ اِبۡتَغَیۡتُ وَبِکَ آمَنۡتُ وَعَلَیۡکَ تَوَکَّلۡتُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَافۡتَحۡ مَسَامِعَ قَلۡبِیۡ لِذِکۡرِکَ وَثَبِّتۡنِیۡ عَلٰی دِیۡنِکَ وَدِیۡنِ نَبِیِّکَ وَلَا تُزِغۡ قَلۡبِیۡ بَعۡدَ اِذۡھَدَیۡتَنِیۡ وَھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَدُنۡکَ رَحۡمَةً اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ''

''اے اللہ ہم نے تیری طرف توجہ کی، تیری رضا کو چاہا، تیرے ثواب کی امید باندھی، تیرے اوپر ایمان لایا اور تیرے ہی اوپر توکل کیا پالنے والے محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج، میرے قلب کے سوراخوں کو اپنے ذکر سے کھول دے اور اپنے دین اور اپنے نبیؐ کے دین پر مجھے ثابت قدم رکھ اور میری ہدایت کے بعد میرے دل کو مت پلٹا اور اپنی رحمت سے مجھ کو بخش دے، بیشک تو بڑا

۱۔ بحار، ج ۸۴، ص ۲۳۳

17

بخشنے والا ہے۔"

دعا پڑھتے وقت اس کے معانی کی طرف پوری طرح توجہ رکھے۔اس کے بعد کہے! یَــا مُـحْسِنُ قَـدْاَتَاکَ الْمُسِئیُ یَا مُحْسِنُ اَحْسِنْ اِلَیّ اے گناہگاروں پراحسان کرنے والے، اے احسان کرنے والے میرے اوپر احسان کر۔

جب توجہ اور خضوع وخشوع پیدا ہوجائے تو تکبیرۃ الاحرام کہے اور نماز پڑھنے میں مشغول ہوجائے لیکن اگر احساس کرے کہ ابھی تیار نہیں ہوا ہے اور حالت میں تبدیلی کا احساس نہ کرے تو استغفار کرے اور شیطانی وسوسوں سے خدا سے پناہ مانگے اور پہلے والی بات کو اتنا زیادہ دھرائے کہ آمادگی کا احساس ہوجائے۔

اسی حال میں حضور قلب اور توجہ کے ساتھ تکبیرۃ الاحرام کے معنی کو.کہے اور نماز میں مشغول ہوجائے لیکن اس بات کی طرف متوجہ رہے کہ وہ کس ذات سے بات کررہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟ اس بات کی طرف متوجہ رہے کہ زبان اور قلب ساتھ ساتھ ہوں اور جھوٹ نہ بولے۔کیا تم جانتے ہو کہ ''اللہ اکبر'' کے معنی کیا ہیں؟ یعنی خدا اس سے زیادہ بزرگ تر اور بڑا ہے کہ جتنی اس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔پوری طرح توجہ کرے کہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا واقعی جو کچھ کہتا ہے،اس پر ایمان رکھتا ہے؟

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:''جس وقت تم نماز کے ارادہ سے قبلہ رخ کھڑے ہوتو اس وقت دنیا اور جو کچھ بھی اس میں ہے اور لوگ، ان کے حالات اور کاموں کو پوری طرح سے بھلا دو اور وہ کام جو تم کو خدا کی یاد سے روکے اپنے دل سے نکال دو اور باطنی نگاہوں سے خدا کی عظمت وجلالت کو دیکھو۔اپنے کو خدا کے سامنے اس دن حاضر جانو کہ جس دن کے لیے ہر انسان نے اپنے اعمال بھیج رکھے ہیں اور اس کے سامنے اس کے اعمال ظاہر ہیں اور خدا کی طرف رجوع کئے ہیں۔

نماز کے دوران،خوف اور امید کی حالت میں رہو۔تکبیرۃ الاحرام کہنے کے وقت جو کچھ بھی زمین اور آسمان کے درمیان ہے،معمولی شمار کرو کیونکہ جس وقت نماز گزار تکبیر کہتا ہے تو خدا اس کے قلب کی طرف نگاہ کرتا ہے لہٰذا اگر وہ تکبیر کی حقیقت کی طرف توجہ نہیں رکھتا تو خدا اس سے کہتا ہے: اے جھوٹے! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھ کو دھوکا دے؟ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں تجھ کو اپنے ذکر کی

لذت سے محروم رکھوں گا اور اپنے قرب اور اپنی مناجات کی لذت سے محروم رکھوں گا۔"[۱]

نماز سے پہلے اس طرح کی تیاری، نیت اور تکبیرۃ الاحرام کی حالت میں، حضورِ قلب میں بہت زیادہ اثر رکھتی ہے لیکن اس سے زیادہ اہم اس حالت کو باقی رکھنا ہے۔ اگر عمل میں تھوڑی سی غفلت آئی تو نفس ادھر ادھر بھٹکنے لگے گا اور حضور قلب اور توجہ ختم ہو جائے گی۔

لٰہذا نماز گذار کو چاہئے کہ وہ پوری نماز میں اپنے نفس کی حفاظت کرتا رہے، اپنے دل کے دروازہ کو غیر خدا پر بند رکھے اور پراگندہ افکار کو دل میں داخل ہونے سے روکے رکھے۔ اپنے آپ کو خدا کے سامنے حاضر و ناظر رکھے اور اس طرح سے نماز پڑھے کہ وہ خدا سے باتیں کر رہا ہے اور اس کے سامنے رکوع اور سجدہ کر رہا ہے، کوشش کرے کہ قرأت کی حالت میں ذکر کے معانی کی طرف توجہ رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کیا کہہ رہا ہے اور کس بزرگ ذات سے گفتگو کر رہا ہے۔ اس حالت کو آخرِ نماز تک باقی رکھے۔ البتہ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن اس کی نگہبانی اور کوشش کے اثر سے بہت زیادہ آسان ہے۔ وَ الَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُم سُبُلَنَا جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں کہ ہم انہیں ہدایت کریں تو ہم انہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اگر ابتدا میں توفیق نہ ملے تو مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ چاہئے کہ پوری اور قطعی کوشش کے ساتھ عمل میں داخل ہو تا کہ دھیرے دھیرے نفس پر غلبہ حاصل کر لے۔ اپنے مختلف خیالات کو دل سے نکالے اور اس کو خدا کی طرف متوجہ کرے۔ اگر ایک روز یا چند ہفتہ یا چند ماہ میں یہ ممکن نہ ہو تو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ بہر حال یہ ممکن ہے۔ اگر چہ انسانوں کے درمیان ایسے بزرگ لوگ تھے اور ہیں کہ جو اولِ نماز سے آخرِ نماز تک پوری طرح سے حضورِ قلب رکھتے ہیں اور نماز کی حالت میں بالکل غیرِ خدا کی طرف توجہ نہیں رکھتے۔

ہمیں بھی اس بلند مقام تک نہ پہنچنے سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ہم کمال کے مرتبہ تک نہیں پہنچ پائے تو ہم کوشش کریں کہ کم از کم جتنا ممکن ہے، اس حد تک پہنچ جائیں کیونکہ وہی مقدار ہمارے لیے غنیمت ہے۔[۲]

۱۔ بحار ر ج ۸۴ر، ص ر ۲۳۰

۲۔ ہم اپنی نماز میں حضور قلب اور خلوص پیدا کرنے کے لیے عالم ربانی، رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی (قدس سرہ الشریف) کی کتاب "سر الصلوٰۃ" (جو نماز کے اسرار سے متعلق لکھی گئی) جیسی کتاب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

۲۔ مستحبات:

پہلے کہا جا چکا ہے کہ نماز، سیر وسلوک، اللہ سے تقرب اور اس کے ذکر کا بہترین راستہ ہے۔ خدائے سبحان انسان کی پیدائش کی خصوصیت کے لحاظ سے اور اس کے کمال حاصل کرنے کے راستوں کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ اچھی طرح سے جانتا ہے۔ نماز کو شریعت میں رکھا اور پیغمبرؐ کے وسیلہ سے انسانوں کے اختیار میں دیا تا کہ وہ اپنی سعادت اور کمال کے لیے اس سے فائدہ اٹھائیں، نماز ایک خاص حد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے ہر زمانے، ہر مکان اور ہر شرائط میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر نماز کی دو قسمیں ہیں واجب اور مستحب۔

واجب نمازیں چھ ہیں:

(۱) نماز یومیہ صبح، ظہر، عصر، مغرب، عشاء

(۲) نمازِ آیات سورج گہن، چاند گہن، طوفان، زلزلہ وغیرہ کے موقع پر

(۳) نمازِ میت

(۴) نمازِ طواف واجب

(۵) وہ نماز جو نذر، قسم، عہد کی وجہ سے انسان پر واجب ہوئی ہو

(۶) باپ کی قضا نمازیں جو بڑے بیٹے پر واجب ہوتی ہیں

روزانہ کی واجب نمازیں ہر مکلّف پر واجب ہیں لیکن دوسری واجب نمازیں اپنے مخصوص زمانے اور خاص شرائط پر ہی واجب ہوتی ہیں۔ وہ انسان جو کمال چاہتا ہے اس کو سب سے پہلے چاہیئے کہ وہ فرائض اور واجبات کو شرعی اعتبار سے انجام دے اور اگر وہ ان کو خلوص اور حضورِ قلب کے ساتھ انجام دے تو یہ بہترین تقرب الٰہی کا سبب ہوتی ہیں۔ واجبات کو ترک کر کے مستحبات کے ذریعہ تقربِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص خیال کرتا ہے کہ وہ فرائض و واجبات کو ترک کر کے، مستحبات، ذکر اور دعاؤں کے وسیلہ سے کمال کے راستے کو طے کر سکتا ہے اور بلند مقامات تک پہنچ سکتا ہے تو یقینی طور پر وہ غلطی کرتا ہے لیکن فرائض کو انجام دینے کے بعد نوافل اور مستحبات کے وسیلہ سے

تقربِ الٰہی کو تلاش کرسکتا ہے اور بلند مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔

مستحب نمازیں بہت ہیں، مجموعی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں۔ یومیہ نماز کے نوافل اور دیگر مستحب نمازیں۔

یومیہ نماز کے نوافل، پینتیس (۳۵) رکعتیں ہیں! نافلۂ ظہر آٹھ رکعت، نافلۂ عصر آٹھ رکعت، نافلۂ مغرب چار رکعت، نافلۂ عشاء دو رکعت، نافلۂ صبح دو رکعت اور نماز شب گیارہ رکعت۔

حدیث کی کتابوں میں، یومیہ نماز کے نوافل کو پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس کا ثواب اور اس کے اثرات مقرر کیئے گئے ہیں اور انہیں واجب نمازوں کے مکمل ہونے والا بتایا گیا ہے لیکن یومیہ نماز کے نوافل کے علاوہ، دوسری نمازوں کے بھی خاص وقت، شرائط اور جگہ بیان کیئے گئے ہیں اور ان کے ثواب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ تم مستحب نمازوں کی قسموں، اس کے ثواب اور فائدوں کو حدیث اور دعا کی کتابوں میں پڑھ سکتے ہو اور اس سے اللہ کی طرف آگے بڑھنے، تقربِ الٰہی پیدا کرنے اور نفس کے کمال کے لیے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اس کے علاوہ نماز ہر زمان، ہر مکان اور ہر حال میں مستحب ہے اور سالک اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ فائدہ اٹھانے کا راستہ، اس وسیلہ سے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ انسان ہر زمان، ہر مکان اور ہر حال میں اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور خدائے سبحان سے ربط پیدا کرسکتا ہے۔

حضرت ابوالحسنؑ نے فرمایا: ''نافلہ نماز مومن کے لیے تقربِ الٰہی کا سبب ہوتی ہے۔''[1]

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''یہ سچ ہے کہ بندہ کی نماز کبھی آدھی، کبھی تہائی، کبھی چوتھائی یا کبھی پانچواں حصہ قبول ہوتی ہے، صرف اسی مقدار میں نماز قبول ہوتی ہے یعنی اوپر جاتی ہے کہ جتنی مقدار میں اس کا قلب حاضر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم سے نافلہ نمازوں کا مطالبہ کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم واجب نمازوں کی کمیوں کو پورا کریں۔''[2]

رسولِ خدا نے فرمایا: ''خداوند عالم فرماتا ہے: میرا بندہ، میرا محبوب ترین بندہ بننے کے لیے، اس سے بہتر کوئی چیز نہیں رکھتا ہے کہ وہ اپنے واجبات پر عمل کرے۔ وہ نوافل کو انجام دے کے اس قدر میرا

۱۔ بحار رج ر۸۷، ص ر۳۶ ۲۔ بحار رج ر۸۷، ص ر۲۸

محبوب ترین بندہ ہوجاتا ہے کہ گویا میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس کے وسیلہ سے وہ سنتا ہے، گویا میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس کے وسیلہ سے وہ دیکھتا ہے، گویا میں اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس کے وسیلہ سے وہ بات کرتا ہے، گویا میں اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس کے وسیلہ سے وہ چیزوں کو لیتا ہے اور گویا میں اس کے پیر ہوجاتا ہوں جس کے وسیلہ سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ کو پکارے تو میں اس کی بات کو قبول کرتا ہوں، اگر وہ کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں۔ میں نے کسی چیز میں پس و پیش نہیں کیا ہے جتنا مؤمن کی روح قبض کرنے میں تر دد کیا ہے۔ وہ مرنے کو پسند نہیں کرتا اور میں بھی اس کے رنجیدہ ہونے کو پسند نہیں کرتا ہوں۔"(۱)

۳۔ نماز شب:

نوافل میں سب سے زیادہ فضیلت نماز شب کی ہے۔ قرآن واحادیث میں اس کے متعلق بہت زیادہ تاکید اور سفارش کی گئی ہے۔

خداوند عالم پیغمبرؐ سے فرماتا ہے: "رات کے تھوڑے حصہ میں تہجد کی نماز پڑھا کرو یہ تمہارے لیے مستحب ہے، شاید خدا تم کو ایک مخصوص اور چنے ہوئے مقام تک پہنچادے۔"(۲)

اللہ اپنے خاص بندوں کی تعریف میں کہتا ہے: "اور جو لوگ رات اپنے پروردگار کے لیے سجدہ اور قیام کی حالت میں گزارتے ہیں۔"(۳)

اور مومنین کی تعریف میں فرماتا ہے: "رات میں اپنے کو خواب کے بستر سے الگ کر لیتے ہیں اور خوف وامید میں خدا کو پکارتے ہیں اور ان کو ہم جو کچھ بھی دیتے ہیں، اس میں سے خرچ کرتے ہیں لہٰذا کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ کتنی نعمتیں ہیں جو کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنیں گی جو ان کے اعمال کے نتیجہ میں جمع ہوگئی ہیں۔"(۴)

رسولؐ خدا نے فرمایا: خداوند عالم نے دنیا کو وحی کی کہ اپنی خدمت کرنے والوں کو مصیبت اور مشقت میں ڈال اور تارکین دنیا کی خدمت کر۔ جب خدا کا بندہ رات کی تاریکی میں تنہائی

۱۔ بحار، ج ۸۷، ص ۳۱
۲۔ سورۂ اسراء، ۷۹
۳۔ سورۂ فرقان، ۶۴
۴۔ سورۂ سجدہ، ۱۶۔

میں اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے تو خدا اس کے قلب کو نورانی کر دیتا ہے۔

جب وہ یَارَبِّ یَارَبِّ! کہتا ہے تو خدا کی طرف سے لَبَّیْکَ یَا عَبْدِی کی آواز آتی ہے جو کچھ بھی تو چاہتا ہے طلب کرتا کہ میں عطا کروں، مجھ پر توکل کرتا کہ میں تیری کفایت کروں۔ اس کے بعد خدا اپنے فرشتوں سے کہتا ہے: میرے بندہ کو دیکھو کس طرح رات کی تاریکی اور تنہائی میں مجھ سے مناجات کر رہا ہے جبکہ باطل پرست لہو ولعب میں سرگرم ہیں اور غافل لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ تم سب گواہ رہنا کہ میں نے اپنے اس بندہ کو بخش دیا۔ (۱)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''میری امت میں سب سے بہتر و برتر لوگ وہ ہیں جو حافظان قرآن اور عابد شب زندہ دار ہیں۔''(۲)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''نماز شب سے متعلق جبرئیل نے مجھے اس قدر تاکید کی کہ میں نے خیال کیا کہ میری امت کے نیک لوگ اب رات میں سوئیں گے ہی نہیں۔''(۳)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''آدھی رات میں دو رکعت نماز پڑھنا، میرے نزدیک دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔''(۴)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''نماز شب، چہرہ کو نورانی، اخلاق کو اچھا اور انسان کو معطر کرتی ہے، رزق میں اضافہ اور قرض کی ادائیگی کا سبب بنتی ہے، غم واندو کو دور کرتی ہے اور آنکھوں کو روشنی بخشتی ہے۔(۵)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز شب خدا کی خوشنودی اور ملائکہ کی دوستی کا وسیلہ ہے۔ نماز شب انبیاء کی سنت، معرفت کا نور اور ایمان کی جڑ ہے (اس لئے کہ نماز شب کے ذریعہ ایمان کو قوت حاصل ہوتی ہے) بدن کو آرام دیتی ہے، شیطان کو غضبناک کرتی ہے دشمنوں کے خلاف اسلحہ ہے اور دعا و اعمال کے قبولیت کا ذریعہ ہے، روزی میں زیادتی کرتی ہے۔ ملک الموت اور نمازی کے درمیان شفیع ہوتی ہے، قبر کے لئے چراغ اور فرش ہے، منکر ونکیر کا جواب ہے۔ قبر میں قیامت تک کے لئے

۱۔ بحار رج ر۸۷، ص ر۱۳۷
۲۔ بحار رج ر۸۷، ص ر۱۳۸
۳۔ بحار رج ر۸۷، ص ر۱۳۹
۴۔ بحار رج ر۸۷، ص ر۱۴۸
۵۔ بحار رج ر۸۷، ص ر۱۵۳

مونس وغمخوار ہے۔نمازی کی زیارت کرنے والی ہے، جب قیامت بپا ہوگی اور نمازی اور آتش جہنم کے درمیان حائل ہوگی۔نماز شب خدا کے نزدیک مومن کیلئے ایک حجت ہے اور میزان اعمال کے وزنی ہونے کا وسیلہ، صراط سے گذرنے کا اجازت نامہ اور جنت کی کنجی ہے۔اس لئے کہ نماز تکبیر ہے اور حمد، تسبیح، تمجید، تقدیس تعظیم قرائت اور دعا۔ بے شک جو نماز وقت بروقت ادا کی جاتی ہے وہ تمام اعمال سب سے زیادہ بافضیلت ہے۔[1]

نماز شب کی فضیلت میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔نماز شب پڑھنا انبیائے خدا اور اولیائے الٰہی کی سیرت ہے، رسول اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ نماز شب کا خاص اہتمام فرماتے۔اولیائے خدا اور اور عرفاء نماز شب اور وقت سحر ذکر و دعا کی پابندی کے ذریعہ ہی بلند مقامات پر فائز ہوئے ہیں۔کتنا اچھا اور فرحت بخش ہے کہ بندہ وقت سحر نیند سے بیدار ہو، نرم اور آرام دہ بستر کو چھوڑے، وضو کرے اور رات کی تاریکی میں جب ساری آنکھیں سوئی ہوئی ہیں وہ بارگاہ پروردگار عالم میں کھڑا ہو اور اس سے راز و نیاز کی باتیں کرے اور اس روحانی معراج کے ذریعہ عالم بالا کی طرف صعود و سفر کرے اور آسمان کے فرشتوں کا ہم صدا ہو جائے اور خدا کی تسبیح و تقدیس اور تمجید میں مشغول ہو جائے، اس وقت اس کا دل نور الٰہی کی تابش اور اشراقات پروردگار کا مرکز قرار پاتا ہے اور خدائی کشش کے ذریعہ مقام قرب کی بلندیاں حاصل کرتا ہے۔ھنیاً لاھلہ - مبارک ہو ان لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں!

نماز شب کا طریقہ

مجموعی طور پر نماز شب گیارہ رکعت ہیں، جو دو۔دو رکعت کر کے نماز صبح کی طرح پڑھی جاتی ہیں۔ان میں سے چار بار دو رکعتی نمازیں، نمازِ شب کی نیت سے، ایک دو رکعتی نماز، نمازِ شفع کی نیت سے اور ایک رکعت، نمازِ وتر کی نیت سے پڑھی جاتی ہے۔نمازِ شب کے لیے آداب اور دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں کہ جنہیں دعاؤں اور حدیثوں کی کتابوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

۱۔ بحار رج ر ۸۷، ص ر ۱۶۱

چوتھا وسیلہ

جہاد اور شہادت

اسلام کو وسعت دینے ،کلمۂ توحید کو بلند و بالا کرنے ، اسلام کی شوکت و عزت سے دفاع کرنے ،قرآن کے قوانین واحکام کو نافذ کرنے ،ظلم وزیادتی سے مقابلہ کرنے اور محرومین و مستضعفین کی حمایت کے لیے خدا کی راہ میں جہاد کرنا، ایک بہت بڑی عبادت ،نفس کے کمال کا سبب اور خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے۔اس کی فضیلت میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں ۔مثال کے طور پر:

خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے:''جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی نیز اپنی جان اور مال کے ذریعہ راہ خدا میں جہاد کیا، وہ خدا کے نزدیک بلند و بالا مقام رکھتے ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں ۔ان کا پروردگار انہیں بشارت دیتا ہے اپنی رحمت، رضوان اور دائمی نعمتوں والی جنت کی ۔وہ بہشت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور بیشک خدا کے پاس ان کے لئے اجر عظیم ہے۔''(۱)

نیز فرماتا ہے:'' خداوند عالم نے مجاہدین کو قاعدین پر ثواب عظیم کے ذریعہ برتری دی ہے۔''(۲)

رسولؐ خدا نے فرمایا:'' بہشت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام بابِ مجاہدین ہے۔ جب مجاہدین بہشت کی طرف روانہ ہوں گے دروازہ کھل جائے گا،ایسی حالت میں کہ انہوں نے تلواریں اٹھا رکھی ہوں گی ،جبکہ ابھی لوگ میدان محشر میں کھڑے ہوں گے اور ملائکہ ان کو خوش آمدید کہہ رہے ہوں گے۔''(۳)

....

۱۔سورۂ توبہ،۲۰ ۲۔سورۂ نساء،۹۵. ۳۔وسائل رج ر۱۱،ص ر۵

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''ہر نیکی کے اوپر ایک نیکی ہے۔ یہاں تک کہ انسان اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے کہ اب اس سے برتر کوئی نیکی نہیں ہے۔''(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے تو خدائے سبحان اسے اس کا کوئی بھی گناہ یاد نہیں دلائے گا۔''(۲)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''خدا شہید کو سات چیزیں عطا کرتا ہے:

۱) جس وقت اس کے بدن سے خون کا پہلا قطرہ گرتا ہے تو خدا اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

۲) شہادت کے بعد اس کے سر کو دو حوروں کے دامن میں قرار دیتا ہے جو اس کے چہرے سے گرد و غبار کو صاف کرتی ہیں اور کہتی ہیں آفرین آفرین تمہارے اوپر، وہ بھی جواب میں مبارک باد دیتے ہیں۔

۳) اسے بہشتی کا لباس پہنایا جاتا ہے۔

۴) پاسداران بہشت، اسے مختلف قسم کے عطر اور خوشبو پیش کرتے ہیں تا کہ وہ ان میں سے جس کا چاہے انتخاب کرے۔

۵) شہادت کے وقت وہ بہشت میں اپنا مقام دیکھتا ہے۔

۶) شہادت کے بعد اس کی روح کو خطاب ہوتا ہے کہ جنت میں جہاں چاہو آؤ جاؤ۔

۷) شہید جمال خدا کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کام میں ہر پیغمبرؐ اور شہید کو آرام و سکون حاصل ہوتا ہے۔''(۳)

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: ''خدا نے مومنین کے نفسوں اور مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے اور انھیں جنت دیدی ہے، وہی مومنین جب راہِ خدا میں جنگ کرتے ہیں، پھر دشمنوں کو مارتے ہیں اور خود مارے جاتے ہیں۔ خدا کا ان سے ایک برحق وعدہ ہے جو کہ توریت، انجیل اور قرآن میں لکھا گیا ہے اور کون خدا سے زیادہ اپنے وعدہ کو پرا کرنے والا ہے۔ پس تمہیں یہ معاملہ

۱۔ وسائل رج ۱۱ر، ص ۱۰ر ۲۔ وسائل رج ۱۱ ص ۹ر ۳۔ وسائل رج ۱۱ر، ص ۹ر

مبارک ہو جو تم نے خدا سے کیا ہے۔ بیشک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"(۱)

مذکورہ آیۂ کریمہ قرآن کی تمام آیتوں میں سے ایک بہت ہی لطیف آیت ہے جو لوگوں کو بہت ہی لطیف اور ظریف انداز سے جہاد کا شوق دلاتی ہے۔ شروع میں ہے کہ خدا نے مومنین کے نفسوں اور مالوں کو خرید لیا ہے اور اس کے عوض میں انہیں جنت دی ہے، کتنا اچھا سودا ہے؟! خریدار خدا ہے، جو کہ غنی علی الاطلاق (یعنی پوری طرح سے غنی) اور مالک کائنات ہے۔ بیچنے والے مومنین ہیں جو کہ خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور مقام خرید و فروخت میں جو چیز ہے وہ مؤمنین کے مال اور نفس ہیں اور اس معاملہ کا عوض، دائمی جنت ہے۔ پھر اس کے بعد فرماتا ہے: "خداوند عالم توریت، انجیل اور قرآن یعنی تین بڑی آسمانی کتابوں میں اس وعدہ کو لکھ رکھا ہے"۔ نیز فرمایا ہے: "وہ کون ہے جو خدا سے زیادہ بہتر طریقہ سے اپنے وعدہ پر عمل کرے۔" آخر میں خداوند عالم ایسے قیمتی معاملہ کی مومنین کو خوشخبری دیتا ہے اور فرماتا ہے: "یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

قرآن کریم ان لوگوں کے لیے جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے، بلندترین مقامات کو ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے: "ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے، مردہ گمان نہ کرنا، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے روزی پاتے ہیں۔"(۲)

جملۂ عِندَ رَبِّهِم "اپنے رب کی طرف سے" یہ شہید کے بلند و بالا مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ موت کے بعد انسان کی روح کا زندہ رہنا شہید سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام انسان ایسے ہی ہیں لیکن شہداء کی بلندی اس میں یہ ہے کہ "عِندَ رَبِّهِم" یعنی بلندترین مقامات میں اپنی زندگی کو جاری رکھتا ہے اور اسی بلندترین مقام سے وہ روزی پاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقام پر روزی پانے والے دوسرے لوگوں کی روزی کے مقابلہ میں ایک جیسے نہیں ہیں۔

خدا کی راہ میں جہاد اور شہادت بہت ہی عظیم اور اہم عبادت ہے اور سالک اس ممتاز راستے میں، بلندترین مقامات پر فائز ہوتا ہے۔ جو چیز اس عظیم عبادت کو دیگر تمام عبادتوں سے ممتاز کرتی ہے وہ دو طرح کی ہیں:

۱۔ سورۂ توبہ، ۱۱۱۔ ۲۔ سورۂ آل عمران، ۱۶۹۔

۱۔مجاہد کا بلند ترین مقصد:

مجاہد کی غرض و غایت، اپنے آپ کو یا اپنے وابستگان کو فائدہ پہونچانا نہیں ہوتا۔ وہ کوتاہ نظر اور خودخواہ نہیں ہوتا ہے بلکہ خدا خواہ ہے۔ مجاہد، اسلام کی توسیع ،کلمۂ توحید کی بلندی، ظلم وزیادتی اور استکبار سے مقابلہ اور محرومین اور مستضعفین کا دفاع اور اجتماعی عدل وانصاف کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ وہ بلند ترین مقاصد رکھتا ہے، لٰہذا وہ بلند ترین مقامات پر فائز ہوگا۔

۲۔ایثار وقربانی کی مقدار:

مجاہد اللہ کی طرف سیر وسلوک اور اپنے مقصد تک پہونچنے کے لیے قیمتی سے قیمتی چیزوں کو قربان کر دیتا ہے۔ اگر انسان صدقہ دیتا ہے تو اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنے تھوڑے سے مال سے صرفِ نظر کرتا اور اگر عبادت کرتا ہے تو اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہے کہ وہ اپنے وقت اور طاقت میں سے تھوڑی سی طاقت اور وقت کو اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ لیکن مجاہد اپنی تمام چیزوں سے درگذر کرتا ہے۔ ان سب میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ وہ اپنی جان سے بھی درگذر کرتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو پورے خلوص کے ساتھ خدا کے سپرد کر دیتا ہے وہ اپنے مال، جاہ ومنصب، اہل وعیال اور عزیز واقارب سے چشم پوشی کرتا ہے اور یکا یک اپنی جان کو اپنے پروردگار کے سپرد کر دیتا ہے۔ وہ کام جو عرفاء اور دیندار افراد اپنی پوری زندگی میں انجام دیتے ہیں مجاہد، ان سب کو اور اس سے بھی زیادہ بہت تھوڑی سی مدت میں انجام دے دیتا ہے۔ مادی اور مادیات سے بھری ہوئی دنیا، عظیم اور نورانی روح رکھنے والے مجاہد کے لیے تنگ ہوجاتی ہے۔ اسی لئے وہ غضبناک شیر کی طرح مادی پنجرے کو توڑ ڈالتا ہے اور تیز اڑان بھرنے والے کبوتر کی طرح وسیع اور نورانی عالم میں رضائے الٰہی کے لیے پرواز کرتا ہے اور بلند ترین مقامات کے لئے اپنے پروردگار کے نزدیک جا پہنچتا ہے۔

اگر خدا کے دوسرے اولیاء رفتہ رفتہ اور اپنی پوری زندگی میں محبت، عشق اور شہود کے مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں تو شہید مجاہد ایک رات ہی میں اس سو سال کے طولانی راستے کو طے کرتا ہے اور مقام لقا پر فائز ہوجاتا ہے۔

اگر خدا کے دوسرے بندے، ذکر الٰہی، دعاؤں، قیام اور قعود کے ذریعہ تقرب الٰہی کو تلاش کرتے ہیں تو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا زخموں، دردوں، سختیوں، گولیوں اور بمباری کی زحمتوں کو برداشت کرتے ہوئے نہایت ایثار وقربانی کے ساتھ اپنی جان کو قربان کر کے تقرب الٰہی کو تلاش کرتا ہے اور ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ جنگ اور جہاد کا میدان ایک خاص قسم کی معنویت اور نورانیت رکھتا ہے۔ یہ جذبہ، حرکت، عشق اور ایثار وقربانی کا میدان ہے۔ یہ امتحان کا میدان، اپنے محبوب کی راہ میں قربان ہونے کے مقابلہ اور دائمی حیات کے لئے میدان ہے۔ سرحد پر تعینات سپاہیوں کی مناجات کی آوازیں ایک خاص نورانیت اور جاذبیت رکھتی ہیں جن کی نظیر، مسجدوں اور عبادت گاہوں میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

☆☆☆

پانچواں وسیلہ

مخلوقات پر احسان اور ان کی خدمت

اسلام کی نظر میں عبادت اور خدا کا تقرب صرف نماز، روزہ، حج، زیارت، ذکر الٰہی اور دعا میں ہی نہیں ہے اور نہ ہی مسجدوں، عبادت گاہوں اور مزاروں میں محدود ہے بلکہ اجتماعی ذمہ داریوں کو انجام دینے اور خدا کے بندوں کے ساتھ احسان، نیکی اور خدمت کرنے میں بھی ہے۔ ایسی صورت میں جب یہ کام قربت کے قصد وارادہ کے ساتھ انجام دئے جائیں تو یہ سب کے سب بہترین عبادت میں شمار ہوں گے جو کردار کے بنانے سنوارنے، کمال حاصل کرنے، نفس کو پروان چڑھانے اور خدا کا تقرب حاصل کرنے کا سبب ہو سکتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں، عبادت اور سیر وسلوک، لوگوں سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی نہیں ہے بلکہ اجتماعی ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہوئے، اجتماعی زندگی گزارنا ہے۔ خیر اور احسان میں مدد کرنا، نیکی کرنا، مومنین کی حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرنا اور ان کو خوش کرنا ہے، محروم اور کمزور لوگوں کا دفاع کرنا، مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرنا، ان کو قید و بند سے آزاد کرنا، ان کی مشکلوں کو حل کرنا اور خدا کے بندوں کی مدد کرنا، اسلامی نقطۂ نظر سے بڑی عبادتوں میں شمار ہوتی ہیں کہ جن کا ثواب دسیوں قبول ہونے والے حج اور عمرہ سے بھی زیادہ ہے۔ اس بارے میں سیکڑوں حدیثیں پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ سے وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا: ''بندے میری اولاد ہیں پس میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب لوگ وہ ہیں، جو ان پر زیادہ مہربان ہوں اور ان کی حاجتوں کو پورا کرنے میں زیادہ کوشش کرتے ہوں۔''(۱)

۱۔ کافی ر ج ۲ر ص ر ۱۹۹

رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''لوگ خدا کی اولاد ہیں۔لہٰذا خدا کے نزدیک محبوب ترین شخص وہ ہے جو اپنے فائدہ کو خدا کی اولاد تک پہنچائے اور اس کے گھر والوں کے دل کو خوش رکھے۔''(۱)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''مومن بھائی کے سامنے مومن کا مسکرانا، نیکی میں شمار ہوتا ہے اور ان کی مشکلوں کو دور کرنا بھی نیکی ہے۔خدا کے نزدیک کسی مومن کے دل کو خوش کرنے سے زیادہ پسندیدہ کوئی بھی عبادت نہیں ہے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''جو شخص کسی مومن کو خوش کرتا ہے وہ مجھے خوش کرتا ہے اور جس شخص نے مجھے خوش کیا، اس نے رسولؐ خدا کو خوش کیا اور جس شخص نے رسولؐ خدا کو خوش کیا اس نے خدا کو خوش کیا اور جس شخص نے خدا کو خوش کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدا کے نزدیک کسی مومن کی حاجت کو پورا کرنا ایسے بیس حجوں سے زیادہ محبوب ہے کہ جس نے ہر حج میں لاکھوں روپئے خرچ کئے ہوں۔''(۴)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''مسلمان کی حاجت کو پورا کرنے کی کوشش کرنا، ستر مرتبہ خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔''(۵)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ لوگ اپنی حاجتوں کو ان کی پناہ میں لے جاتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو قیامت میں خدا کے عذاب سے حفظ و امان میں ہوں گے۔''(۶)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خدا کے بندوں کے ساتھ احسان، نیکی اور خدمت اور ان کی مشکلوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا، اسلام کی نگاہ میں بہت بڑی عبادتوں میں شمار ہوتی ہیں اگر قربت کے قصد و ارادہ سے انجام دی جائیں تو یہ اس کے نفس کی تربیت، کمال اور اللہ کے راستے پر آگے بڑھنے اور تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہوتی ہیں۔افسوس ہے کہ اکثر انسان اسلام کی حقیقی معرفت نہ ہونے کی وجہ سے اس بہت بڑی اور اہم اسلامی عبادت سے غافل ہیں اور عبادت و سیر و سلوک کو صرف نماز، روزہ، زیارت، دعا، ذکر الٰہی اور ورد تک ہی محدود جانتے ہیں۔

☆☆☆

۱۔کافی رج ر۲، ص ر۱۶۴ ۲۔کافی رج ر۲، ص ر۱۸۸ ۳۔بحار رج ر۷۴، ص ر۳۱۳

۴۔کافی رج ر۲، ص ر۱۹۳ ۵۔بحار رج ر۷۴، ص ر۳۱۱ ۶۔بحار رج ر۷۴، ص ر۳۱۸

چھٹا وسیلہ

دعا

نفس کا کمال اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے تمام عبادتوں میں سے ایک بہترین عبادت 'دعا' ہے۔ اسی وجہ سے خدائے سبحان اپنے بندوں کو دعا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

قرآن حکیم میں خدا فرماتا ہے: ''تمہارا پروردگار تم سے کہتا ہے: مجھے پکارو تاکہ میں تمہاری بات کو پورا کروں۔ جو لوگ میری عبادت میں تکبر سے کام لیتے ہیں وہ بہت جلد، ذلت اور خواری کی حالت میں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل ہوں گے۔''(۱)

اور فرمایا: ''گریہ وزاری کی حالت میں اور چھپ کر اپنے پروردگار سے مانگو۔ یقیناً خدا حد سے گذر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔''(۲)

اور فرمایا: ''جس وقت ہمارے بندے ہم سے سوال کرتے ہیں تو میں ان لوگوں کے قریب ہوں۔ اگر وہ مجھ کو پکارتے ہیں تو ہم ان کی بات کو پورا کرتے ہیں۔''(۳)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''دعا، عبادت کی روح اور مغز ہے۔''(۴)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: دعا، عبادت ہے اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ الَّذِینَ یَستَکبِرُونَ عَن عِبَادَتِی'''' بے شک جو لوگ ہماری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔'' تم خدا کو پکارو اور یہ نہ کہو کہ تمام کام ختم ہو چکے ہیں۔(۵)

۱۔ سورۂ مومن، ۶۳۔ ۲۔ سورۂ اعراف، ۵۵۔ ۳۔ سورۂ بقرہ، ۱۸۳۔
۴۔ صحیح ترمذی رج ۲ر ص ر۲۶۶ ۵۔ کافی رج ۲ر ص ر۴۶۷

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''کبھی بھی دعا کو ترک نہ کرو اس لئے کہ تمہارے پاس ایسا کوئی عمل نہیں ہے جو دعا کے مثل تقرب الٰہی کا سبب ہو۔ یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی خدا سے چاہو اور ان کے معمولی ہونے کی وجہ سے دعا کو مت چھوڑو۔ کیوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا مالک بھی وہی ہے جو بڑی بڑی باتوں کا مالک ہے۔''(۱)

بندۂ خدا کو چاہئے کہ وہ دعا کرے کیونکہ وہ پورے وجود میں خدا کا محتاج ہے بلکہ پوری طرح فقیر و محتاج ہے اور اگر ایک لمحہ بھی خدا کا فیض و کرم منقطع ہو جائے تو وہ برباد اور مٹ جائے گا۔ جو کچھ بھی بندہ تک پہنچتا ہے، وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ اس ہونے والی اور فطری احتیاج کا اظہار اپنی زبان سے کرے اور اپنی فقیری، بندگی اور محتاجی کو عملی طور پر ثابت کرے۔ مفہوم عبادت اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

انسان حالت دعا میں، یاد خدا میں مشغول رہتا ہے اور اس کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اور تضرع و زاری کے ساتھ جو بندگی کا ایک طریقہ ہے، اپنی حاجتوں کو غنی مطلق کے سامنے پیش کرتا ہے۔ پوری دنیا سے فقیری اور محتاجی کی امید کو منقطع کر لیتا ہے اور تمام خیرات و کمالات کے مرکز سے تعلق پیدا کرتا ہے فقیری کے عالم سے پرواز کرتا ہے اور اپنی باطنی نگاہوں سے خدا کے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ دعا اور خدا سے راز و نیاز کی باتیں، بندہ کے حالات میں، ایک بہت ہی لذت بخش اور بہترین حالت ہوتی ہے۔ جس کا خدا کے اولیاء کسی بھی قیمت میں سودا نہیں کرتے ہیں۔ صحیفۂ سجادیہ اور دعاؤں کی دوسری کتابوں کی طرف رجوع کیجئے کہ کس طرح سے ائمہ اطہارؑ خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے۔ خدا سے مربوط ہونا اور دعا کے قبول ہونے کی امید، دعا کرنے والے کے دل کو کتنا آرام اور گرمی بخشتا ہے۔ اگر انسان پریشانیوں کو دور کرنے اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے خدا کی پناہ میں نہ جائے تو وہ کس طرح سے مشکلات کو برداشت کر سکتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو گرم رکھ سکتا ہے۔

دعا مومن کا اسلحہ ہے وہ جس کے وسیلہ سے حسرت و یاس اور ناامیدی کا مقابلہ کرتا ہے اور مشکلات کے حل کے لیے غیبی مدد کو تلاش کرتا ہے۔ تمام پیغمبرؑ اور ائمہ اطہارؑ اسی اسلحہ سے فائدہ اٹھاتے

۱۔ کافی ر ج ر ۲، ص ر ۴۶۷

18

تھے اور اسی سے فائدہ اٹھانے کے لیے مومنین کو وصیت کرتے تھے۔

امام علی رضاؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''نبیوں کے اسلحے سے فائدہ اٹھاؤ: کہا گیا: انبیاءؑ کا اسلحہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دعا۔''(۱)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ''خدا اپنے مومن بندوں میں اس شخص کو دوست رکھتا ہے جو زیادہ دعا کرتا ہے اور ہم تم کو وصیت کرتے ہیں کہ سحر کے وقت سے سورج نکلنے تک دعا کیا کرو کیونکہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور لوگوں کا رزق تقسیم ہوتا ہے اور بڑی بڑی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔''(۲)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''دعا مومن کا اسلحہ، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور ہے۔''(۳)

دعا ایک عبادت بلکہ عبادتوں کی روح ہے اور آخرت میں جزا ہے۔ مومن کی معراج عالم قدس کی طرف ہے جو روح کو کمال دیتی، تربیت کرتی اور قرب خداوندی کے مرتبہ پر فائز کرتی ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ''دعا سعادت اور نیکی کی کنجی ہے۔ بہترین دعا وہ ہے جو پاک و پاکیزہ اور پرہیزگار دل سے صادر ہو۔ خدا سے مناجات کرنا نجات کا سبب ہوتی ہے اور خلوص کے وسیلہ سے نجات حاصل ہوتی ہے لہٰذا جس وقت پریشانیوں میں اضافہ ہو جائے تو چاہئے کہ خدا کی پناہ میں چلا جائے۔''(۴)

لہٰذا دعا وہ عبادت ہے کہ اگر اس کے شرائط موجود ہوں اور بحسن وخوبی سے انجام پائے تو نفس کے کمال اور تقربِ الٰہی کا سبب ہوتی ہے۔ یہ دعا کا یقینی اثر ہے۔ اسی لیے خدا کے بندہ کو نہیں چاہئے کہ وہ کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں اس عظیم عبادت سے غفلت کرے۔ کیونکہ دعا کبھی بھی بے اثر نہیں ہوتی، اگرچہ اس کا ظاہری اور فوری اثر نہ ہو۔ ممکن ہے کبھی دعا کرنے والے کی حاجت دیر سے پوری ہو یا دنیا میں بالکل پوری ہی نہ ہو لیکن وہ بھی بغیر مصلحت کے نہیں ہوگی کیونکہ کبھی مومن کی دنیاوی حاجتوں کو پورا کرنے میں اس کی بھلائی نہیں ہوتی ہے اور خدائے حکیم، بندہ سے بہتر اس کی حقیقی بھلائیوں کو جانتا ہے۔ لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنے دست نیاز کو قادر مطلق خدا کے سامنے پھیلائے اور

۱۔ کافی ر ج ر۲، ص ر۴۶۸ — ۲۔ کافی ر ج ر۲، ص ر۴۷۸

۳۔ کافی ر ج ر۲، ص ر۴۷۸ — ۴۔ کافی ر ج ر۲، ص ر۴۶۸

اپنی حاجتوں کواسی سے طلب کرے۔اگراس کی مصلحت اور بھلائی ہوگی تواسی دنیا میں اس کی حاجتیں پوری ہوں گی لیکن کبھی خدااس میں مصلحت سمجھتا ہے کہ بندہ کی حاجت کو پورا کرنے میں دیراورتاخیر کرتا ہے تاکہ بندہ اس سے زیادہ سے زیادہ مناجات اورراز ونیاز کی باتیں کرےاورمزید بلند مقامات پر فائز ہوکبھی بندہ کی مصلحت اور بھلائی اس میں دیکھتا ہے کہ اس کی حاجتوں کواس دنیا میں پورانہ کرے تاکہ وہ ہمیشہ یادخدامیں رہےاورآخرت میں اس کوبہترین جزاعنایت فرمائے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: خدااس بندہ پراپنی رحمت نازل کرے جواپنی حاجتوں کوخدا سے چاہے اس کی حاجت رواہویا،نہ اس موقع پرآپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَ اَدعُـو رَبِّـی عَسَیٰ اَلَّا اَکُونَ بِدُعَاءِ رَبِّی شَقِیًّا. ”میں اپنے پروردگارکوپکارتاہوں کہ کہیں ایسانہ ہوکہ میں اپنے پروردگار کی دعا سے محروم نہ ہوجاؤں۔“(۱)

امام جعفرصادقؑ نے فرمایا: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندۂ مومن اپنی حاجت روائی کے لئے اللہ کو پکارتا ہےلیکن خدااپنے فرشتوں کوحکم دیتا ہے کہ میرے بندے کی حاجت کو پورا کرنے میں تاخیر کرو کیونکہ وہ دوست رکھتا ہے کہ اس بندہ کی آواز اور دعا کوزیادہ زیادہ سے زیادہ سنے۔لہٰذا پروردگار قیامت میں اس بندہ سے کہے گا: اے میرے بندے !تو نے مجھے پکارالیکن میں نے تیری حاجت روائی میں تاخیرکی،اب میں اس کےعوض تجھے یہ یہ ثواب عطا کرتا ہوں،تونے فلاں فلاں مقام پر مجھے پکارالیکن میں نے اجابت میں تاخیر کی اوراب تیراثواب یہ یہ ہے۔اس وقت وہ مومن بہترین اجرو ثواب کودیکھ کر یہ تمنا کرے گا کہ اے کاش دنیامیں اس کی کوئی دعا بھی قبول نہ ہوتی۔(۲)

امام صادقؑ نے فرمایا: دعاکےآداب کاخیال رکھواوراس بات کی طرف متوجہ رہوکہ کس سے باتیں کررہے ہو،اسے کس طرح پکاررہے ہواورکس لئے پکاررہے ہو۔خدا کی عظمت وکبریائی کویادکرو اوراپنے دل سے مشاہدہ کروکہ جوکچھ بھی تمہارے دل میں ہے اسے وہ جانتا ہے،وہ تمہارے دل کے رازوں سے واقف ہےاورتمہارے دل میں جوبھی حق یاباطل چھپا ہوا ہے اس سے باخبر ہے،اپنی ہلاکت اورنجات کے راستوں کوپہچان لوکہیں ایسانہ ہوکہ تم خدا سے ایسی چیز مانگ بیٹھوجس میں تمہاری

۱۔کافی رج ر۲،ص ر۴۷۵ ۲۔کافی رج ر۲،ص ر۴۹۰

ہلاکت ہو جب کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ اس میں تمہاری نجات ہے۔

خدا قرآن حکیم میں فرماتا ہے: کبھی انسان خیر کے بدلے اپنے لئے شر کو چاہتا ہے اور انسان اپنے کاموں میں بہت جلد باز ہے لہٰذا اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا سے کیا مانگ رہے ہو؟ اور کس لئے مانگ رہے ہو؟

دعا ہمارے پورے وجود اور ہستی کے ساتھ خدا کی استجابت ہے اور مشاہدہ پروردگار میں دل کو پگھلانا ہے، سارے اختیارات کو چھوڑنا اور سارے امور کو خدا کے سپرد کرنا ہے۔ پس اگر تم نے دعا کی شرطوں پر عمل نہیں کیا ہے تو قبولیت کے انتظار میں مت رہو اس لئے کہ خدا تمہارے راز و نیاز سے بھی زیادہ مخفی شے سے باخبر ہے۔ شاید تم خدا کو کسی چیز کے لئے پکارو اور اس سے دعا کرو جبکہ وہ جانتا ہے کہ تمہاری نیت اس کے برخلاف ہے۔ (۱)

۱۔ حقائق فیض، ص ۲۴۴۔

ساتواں وسیلہ

روزہ

تمام عبادتوں میں ایک بہت بڑی عبادت جو نفس کے تزکیہ، تربیت اور اس کے بنانے سنوارنے میں بہت زیادہ اثر رکھتی ہے، وہ روزہ ہے۔ روزہ کی فضیلت میں بہت زیادہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ نمونہ کے طور پر:

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''روزہ جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے ایک سپر ہے۔''(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: روزہ میرے لیے ہے اور میں روزہ دار کو جزا دوں گا۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''روزہ دار جنت کے باغوں میں پھرتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، فرشتے افطار کے وقت تک اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔''(۳)

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: ''جو شخص ثواب کے لیے، ایک دن مستحبی روزہ رکھے، اس کی بخشش لازمی ہوتی ہے۔''(۴)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''روزہ دار کا سونا عبادت، اس کی خاموشی تسبیح، اس کا عمل مقبول اور اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔''(۵)

رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: ''نیک بندوں کے تمام اعمال کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے مگر روزہ جو مجھ سے مخصوص ہے اس کا ثواب میں دوں گا لہٰذا روزہ

۱۔ وسائل رج ر ۷، ص ر ۲۸۹ — ۲۔ وسائل رج ر ۷، ص ر ۲۹۰ — ۳۔ وسائل رج ر ۷، ص ر ۲۹۶

۴۔ وسائل رج ر ۷، ص ر ۲۹۳ — ۵۔ وسائل رج ر ۷، ص ر ۲۹۴

کے ثواب کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔"(۱)

امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے شب معراج عرض کیا: پروردگارا! پہلی عبادت کیا ہے؟ خدا نے فرمایا: پہلی عبادت خاموشی اور روزہ ہے۔ آپ نے عرض کیا: "پروردگارا! روزہ کا اثر کیا ہے؟ خدا نے فرمایا: روزہ کا اثر حکمت و دانائی ہے اور حکمت، معرفت کا سبب بنتی ہے اور معرفت یقین کا باعث ہوتی ہے۔ جب انسان یقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ سختی میں زندگی بسر کرے یا آسائش و آرام میں۔"(۲)

روزہ ایک مخصوص عبادت ہے جو دو پہلو نفی اور اثبات سے مل کر بنی ہے۔

پہلا پہلو: کھانے پینے، جائز جنسی عمل نیز خدا اور رسولؐ پر بہتان باندھنے اور ان چیزوں کو ترک کرنا جو فقہی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں۔

دوسرا پہلو: خلوص نیت اور قصد قربت ہے جو اس عبادت کی روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ روزہ کی حقیقت سے مراد یہ ہے کہ انسان قصد قربت کے ساتھ اپنے آپ کو مادی لذتوں سے روکے رکھنے کا پکا ارادہ کرے کہ کھانا پینا، جنسی عمل اور خدا اور رسول پر بہتان باندھنا روزہ کو باطل کر دینے والی چیزوں میں سے ہے۔

فقہی کتابوں میں روزہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص قصد قربت کے ساتھ مذکورہ باتوں یعنی کھانا، پینا، جماع کرنا، استمناء کرنا، خدا اور رسولؐ پر بہتان باندھنا، حقنہ کرنا، پانی میں غوطہ لگانا، حالت جنابت پر باقی رہنا، ان چیزوں سے اجتناب کرے تو اس کی عبادت صحیح ہے اور قضا و کفارہ نہیں ہے۔ یہ عام لوگوں کا روزہ ہے۔

لیکن حدیثوں میں امساک اور دور رہنے کا دائرہ مذکورہ حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کی سطح اور دائرہ بہت ہی وسیع تر بیان کیا گیا ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ روزہ دار ہونا۔ صرف کھانے پینے کو ترک کر دینا نہیں ہے بلکہ حقیقی روزہ دار وہ ہے کہ جو اپنے تمام اعضاء و جوارح کو گناہوں سے روکے رکھے۔ یعنی آنکھ کو، آنکھوں سے مربوط گناہوں سے، نیز کان، زبان ہاتھ، پیر اور تمام اعضاء

۱۔ وسائل رج ر۷، ص ر۲۹۵ ۲۔ مستدرک رج ر۱، ص ر۵۹۰

وجوارح کوان سے مربوط گناہوں سے روکے رکھے۔ یہ خدا کے خاص بندوں کا روزہ ہے۔

اس سے زیادہ بلند تر روزہ، خواص الخواص کا روزہ ہے اور وہ اس طرح ہے کہ روزہ دار، کھانے پینے اور گناہوں کو چھوڑنے کے علاوہ اپنے قلب کو بھی ہر طرح کی فکر سے جو کہ اس کو خدا کی یاد سے روکے رکھتی ہے، خالی رکھے۔ وہ ہمیشہ خدا کی یاد میں رہے اور اس کو حاضر و ناظر جانے اور خود کو خدا کا مہمان اور اس سے ملاقات کے لیے تیار رہے۔

نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل حدیثوں پر توجہ فرمائیے:

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''روزہ صرف کھانے، پینے کو چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے۔ جب روزہ رکھو تو تمہارے کان، آنکھ، زبان، شکم، شرم گاہ بھی روزہ دار ہوں۔ جب تم روزہ سے ہو تو اپنے ہاتھ اور شرمگاہ کو بھی گناہوں سے محفوظ رکھو۔ خاموش رہو۔ سوائے اچھے اور مفید کلام کے کوئی بات نہ کرو اور اپنے خدمت گذاروں سے نرمی سے پیش آؤ۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''روزہ دار کا وقار اور آبرو تمہارے اوپر ظاہر ہو سوائے ذکر خدا کے جہاں تک ممکن ہو تم خاموش رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا روزہ والا دن تمہارے روزہ نہ رکھنے والے دن جیسا ہو۔''(۲)

رسولؐ خدا نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''جو شخص ماہِ رمضان میں خاموشی کی حالت میں روزہ رکھے اور اپنے کان، آنکھ، زبان، شرمگاہ اور بدن کے اعضاء کو قصد قربت کے ساتھ جھوٹ، غیبت اور دیگر حرام کاموں سے روکے رکھے تو خدا اس کو اپنا مقرب بندہ قرار دے گا اور وہ خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کا ہم نشین ہوگا۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''روزہ صرف نہ کھانا اور نہ پینا نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ اور شرطیں ہیں۔ جن کی رعایت کرنی چاہیئے تا کہ روزہ پورا اور مکمل ہو جائے۔ روزہ سے مراد اندرونی خاموشی ہے۔ کیا تم نے جناب عمرانؑ کی بیٹی حضرت مریمؑ کا قول نہیں سنا کہ انہوں نے لوگوں کے جواب میں فرمایا: میں نے خدا کے لیے روزہ کی نذر کی ہے لہٰذا آج میں کسی شخص سے بات نہیں کروں گی۔

۱۔ وسائل رج ر۷، ص ر۱۱۸ ۲۔ وسائل رج ر۷، ص ر۱۱۷ ۳۔ وسائل رج ر۷، ص ر۱۱۷

چونکہ روزہ سے ہوں لہٰذا مجھے خاموش رہنا چاہئے؟ اس لئے جب تم روزہ رکھو تو اپنی زبان کو جھوٹ بولنے سے بچائے رکھو، غصہ نہ کرو، گالی نہ دو، بدزبانی اور بدکلامی نہ کرو، لڑائی جھگڑا نہ کرو، ظلم وستم سے بچتے رہو، جہالت، بداخلاقی اور ایک دوسرے کو بدظن اور دور کرنے سے پرہیز کرو، خدا کے ذکر اور نماز سے غافل نہ رہو، خاموشی، غوروفکر، صبر، سچائی اور برے لوگوں سے دوری کا خیال کرو۔ باطل کلام، جھوٹ، بہتان، دشمنی، سوءِظن، غیبت وچغل خوری سے بچو اور آخرت کی طرف توجہ رکھو اور ان دنوں کے آنے کے انتظار میں رہو کہ جن میں اللہ کا وعدہ پورا ہو اور اللہ کی ملاقات کے لیے زادراہ مہیا کرلو۔

جس طرح کوئی غلام اپنے مولا سے ڈر کر اپنے سکون واطمینان اور خضوع وخشوع کو باقی رکھتا ہے اسی طرح تم بھی ان باتوں کا خیال رکھو۔ خوف ورجا اور یاس وامید کی حالت میں رہو۔ اگر تمہارا قلب عیبوں سے پاک اور تمہارا باطن دھوکا دینے سے محفوظ اور تمہارا بدن گندگیوں سے پاک وپاکیزہ ہو اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بیزاری کرو اور اس کی ولایت وسرپرستی کو روزہ کے وسیلہ سے حاصل کرو اور اپنے ظاہر وباطن کو ہر اس چیز سے دور رکھو کہ جس سے خدا نے منع کیا ہے اسے قبول کرو اور خدا کے خوف وخشیت کے حق کو، ظاہر وباطن میں ادا کرو اور روزہ کے دنوں میں اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کردو اور اپنے دل کو خدا کے لیے خالی کرلو اور اسے حکم دو کہ وہ خدائے تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے۔ اگر مذکورہ بالا طریقہ سے روزہ رکھا، تو تم واقعی روزہ دار ہو اور تم نے اپنے فریضہ پر عمل کیا ہے اور اس میں جتنی مقدار میں کمی کروگے اتنی ہی مقدار میں تمہارا روزہ بھی ناقص ہوگا کیونکہ روزہ صرف کھانے پینے کو ترک کردینے کا نام نہیں ہے بلکہ خدا نے روزہ دار کو روزہ باطل کرنے والے ہر قول وفعل سے منع فرمایا ہے۔ پس روزہ رکھنے والے کتنے کم ہیں اور بھوکے رہنے والے کتنے زیادہ؟(۲)

تہذیب نفس میں روزہ کا اثر

روزہ بہت ہی اہم اور عظیم عبادت ہے۔ اگر وہ تمام مخصوص شرائط وآداب اور تمام ان کیفیات کے ساتھ انجام پا جائے کہ جس طرح شارع مقدس اسلام حضرت محمد مصطفیؐ نے چاہا ہے تو وہ

ا۔ وسائل رج ر ۷، ص ر ۱۱۹

اپنے کردار کو بنانے وسنوارنے، نفس کو برائیوں سے دور رہنے اور نفس کو پاک وصاف کرنے کے لیے بہت زیادہ اثر رکھتا ہے۔ روزہ گناہوں اور برے اخلاق سے نفس کو خالی کرنے اور اس کو کمال پر پہچانے اور الٰہی نور سے فائدہ اٹھانے اور حالات کے ٹھیک ہونے میں پوری تاثیر رکھتا ہے۔ روزہ دار گناہوں کو ترک کر کے نفس امارہ کو لگام دیتا ہے اور اپنے اختیار میں رکھتا ہے۔ روزہ کا دن گناہ کو چھوڑنے اور نفس کی ریاضت کے لیے مشق کا دن ہوتا ہے۔ جہاد کے دوران اپنے نفس اور خود اپنی حفاظت کی مشق ہوتی ہے۔ اس دوران، نفس گناہوں اور آلودگیوں سے پاک ہونے کے علاوہ تمام شرعی و جائز چیزوں مثلاً کھانے اور پینے سے بھی اپنے کو بچاتا ہے اور اس وسیلہ سے اپنے نفس کو پاکیزگی اور نورانیت عطا کرتا ہے کیونکہ بھوک باطن کی صفائی اور خدا کی طرف توجہ کا سبب ہوتی ہے۔ انسان بھوک کی حالت میں غالباً خوشی کی حالت پیدا کرتا ہے اس لئے کہ معدہ بھرا ہونے کی حالت میں خوشی کی حالت پیدا نہیں ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روزہ تقویٰ حاصل کرنے میں زیادہ موثر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں تقویٰ حاصل کرنے کے لیے روزہ کے واجب ہونے کو ایک خاص عنوان کے ذریعہ سے پہنچوایا ہے۔

قرآن کریم میں آیا ہے: ''اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے تمہارے اوپر روزہ واجب کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر واجب کیا گیا، شاید کہ تم اس وسیلہ سے متقی ہو جاؤ۔''(۱)

جو شخص رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھے اور جب روزہ دار ہو تو پورے مہینے وہ تمام گناہوں اور برے اخلاق سے بچا رہے اور اپنے نفس پر پورا اختیار رکھے تو وہ ماہ رمضان کے بعد بھی گناہوں کو چھوڑنے کی مداومت کرتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ بھی کہا گیا، وہ روزہ کے اثر سے متعلق تھا جو کہ باطن کو نفسانی گناہوں اور برائیوں سے صاف اور پاک کرتا ہے لیکن نفس کو کامل کرنے اور باطن کے اچھے ہونے اور خدا کے قریب ہونے میں، اس کی بہت ساری مثبت تاثیر بھی ہیں کہ جن کی طرف اجمالی طور پر اس طرح اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ سورۂ بقرہ، ۱۸۳۔

۱۔ روزہ یعنی نفس کو روکے رکھنا اور روزہ کو توڑنے والی چیزوں سے بچائے رہنا ایک عبادت ہے جو خلوص اور قربت کے ارادہ سے نفس کے پروان چڑھانے، کمال حاصل کرنے اور اللہ کی قربت حاصل کرنے کا دوسری عبادتوں کی طرح سبب بنتی ہے۔

۲۔ شرعی اور حلال لذتوں اور گناہوں کے ترک کرنے سے روزہ دار کا قلب پاک وصاف ہوجاتا ہے، خدا کے علاوہ ہر طرح کی فکر وذکر سے فارغ ہوجاتا ہے۔ اس وسیلہ اور ذریعہ سے اللہ کی معرفت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور لقاء اللہ کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرلیتا ہے۔ ایسی حالت میں خدا کی عنایات اور لطف وکرم میں شامل ہوجاتا ہے اور اللہ کی کشش کی وجہ سے تقرب الٰہی کے درجہ پر فائز ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے حدیثوں میں آیا ہے کہ روزہ دار کا سانس لینا اور سونا بھی عبادت کا ثواب رکھتا ہے۔

۳۔ روزے کے دن عبادت، نماز، دعا، قرآن کو پڑھنا، خدا کا ذکر، صدقہ وخیرات اور پاکیزگی حاصل کرنے کا بہترین دن ہوتا ہے کیونکہ نفس خدا کی طرف توجہ، خلوص اور دل کو حاضر رکھنے کے لیے، دوسرے زمانے کے مقابلہ میں زیادہ آمادہ وتیار رہتا ہے۔ رمضان کا مبارک مہینہ عبادت کی بہار اور خدا کی طرف توجہ کا بہترین زمانہ ہے۔ اسی وجہ سے حدیثوں میں رمضان کے مہینہ کی فضیلت اور اس زمانہ کی عبادت کی بہت تاکید اور سفارش کی گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر:

جب ماہ رمضان آتا تھا تو حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے فرزندوں سے فرماتے تھے کہ عبادت میں کوشش کرو کیونکہ اس مہینہ میں لوگوں کا رزق تقسیم ہوتا ہے اور اس کی موت لکھی جاتی ہے۔ اس مہینہ میں جو لوگ خدا کے پاس پہنچیں گے، ان کو معین کیا جاتا ہے۔ رمضان کے مہینہ میں ایک رات ایسی ہے کہ اس رات کا عمل ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ (۱)

امیر المومنینؑ نے لوگوں سے فرمایا: ''ماہ رمضان میں دعا زیادہ پڑھو اور توبہ و استغفار کرو کیونکہ دعا کے وسیلہ سے بلا تم سے دور ہوتی ہے اور توبہ واستغفار کے وسیلہ سے تمہارے گناہ محو کر دیئے جاتے ہیں۔'' (۲)

۱۔ وسائل رج ۷، ص ۲۲۱ ۲۔ وسائل رج ۷، ص ۲۲۳

امیر المومنینؑ نے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے ایک دن ہم لوگوں کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا کہ:

اے لوگو! خدا کا مہینہ برکت، رحمت اور مغفرت کے ساتھ تمہاری طرف آیا ہے۔ یہ مہینہ خدا کے نزدیک بہترین مہینوں میں سے ہے۔ اس کے دن بہترین دنوں میں سے ہیں، اس کی راتیں بہترین راتوں میں سے ہیں۔ اس کی گھڑیاں بہترین گھڑیوں میں سے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں خدا کی طرف سے تمہیں مہمانی کی دعوت دی گئی ہے اور خدا کی طرف سے کرامت و بزرگی والے لوگوں میں قرار دیے گئے ہو۔ تمہاری سانسیں، تسبیح و عبادت کا ثواب رکھتی ہیں اور تمہارا سونا عبادت کا ثواب رکھتا ہے۔ اس مہینہ میں تمہارے اعمال مقبول اور تمہاری دعائیں قبول ہوتی ہیں، لہٰذا سچی نیت اور پاک دل کے ساتھ خدا کو پکارو کہ وہ تمہیں روزہ رکھنے اور قرآن پڑھنے کی توفیق عطا کرے، کیونکہ وہ شخص بدقسمت ہے کہ جو اس مبارک مہینہ میں خدا کی بخشش سے محروم رہے۔ اپنی بھوک اور پیاس سے قیامت کی بھوک اور پیاس کو یاد کرو، فقیروں اور غریبوں کو صدقہ و خیرات دو، بزرگوں کا احترام کرو، چھوٹوں پر رحم کرو اور اپنے رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کرو اپنی زبان کی حفاظت کرو، حرام چیزوں سے اپنی آنکھوں کو بند رکھو، بری باتوں کے سننے سے اپنے کان بند رکھو۔ یتیم لوگوں پر رحم کرو تا کہ وہ تمہارے یتیموں پر مہربانی کرے، اپنے گناہوں سے توبہ کرو، نماز پڑھنے کے وقت اپنے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھاؤ، کیونکہ یہ گھڑیاں بہترین گھڑیوں میں سے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے۔ ان کی مناجاتوں اور دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور ان کی آوازوں پر لبیک کہتا ہے۔ جس وقت وہ سوال کرتے ہیں ان کو عطا کرتا ہے اور ان کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اے لوگو! تمہاری جانیں تمہارے اعمال کی قیدی ہیں لہٰذا استغفار و توبہ کے ذریعہ ان کو آزاد کراؤ۔ تمہاری پیٹھ گناہوں کے بوجھ سے بھاری ہوگئی ہے لہٰذا اپنے سجدوں کو طول دے کر اس بوجھ کو ہلکا کرو۔ جان لو کہ خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر عذاب نہ کرے گا اور ان کو قیامت میں دوزخ کی آگ کے ذریعہ نہ ڈرائے گا۔

اے لوگو! جو شخص بھی اس مہینہ میں روزہ دار مومن کو افطار کرائے گا، خدا اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا کرے گا اور اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ پوچھا گیا: یا رسولؐ اللہ! ہم سب یہ قدرت نہیں رکھتے ہیں کہ ہم روزہ دار کو افطار دیں۔ آپ نے فرمایا:

دوزخ کی آگ سے بچو، چاہے وہ ایک خرمایا ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو۔ اے لوگو! جو شخص بھی اس مہینہ میں اپنے اخلاق کو بہتر کرے گا، اسے قیامت میں صراط مستقیم پار کرنے کا

جواز عطا ہوگا۔ جوشخص بھی اس مہینہ میں اس کے بندہ کا کام آسان کرے گا، خدا قیامت میں اس کے حساب و کتاب کو آسان کرے گا۔

جوشخص بھی اس مہینہ میں اپنی برائی کو لوگوں سے دور رکھے گا تو خدا قیامت میں اپنے غضب کو اس سے دور رکھے گا۔ جوشخص بھی یتیموں کی عزت کرے گا، خدا قیامت میں اس کو عزت دے گا۔ جوشخص بھی صلۂ رحم کرے گا، خدا قیامت میں اس کو اپنی رحمت سے قریب کرے گا اور جو شخص قطع رحم کرے گا، خدا قیامت میں اس کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا۔ جوشخص بھی اس مہینہ میں مستحب نماز پڑھے گا خدا اس کے لیے جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کے لیے پروانہ لکھ دے گا۔ جوشخص بھی اس مہینہ میں واجب عمل انجام دے گا اس کو خداوند عالم ان ستر واجبی کاموں کے ثواب کے برابر ثواب عطا کرے گا جو کہ دوسرے مہینوں میں انجام دئے جائیں۔ جوشخص بھی اس مہینہ میں مجھ پر زیادہ درود وسلام بھیجے گا خداوند عالم قیامت میں اس کے نامۂ اعمال کو زیادہ وزنی قرار دے گا اور جوشخص بھی اس مہینہ میں قرآن کی ایک آیت بھی پڑھے گا تو خداوند عالم اسے اس پورے قرآن کے ثواب کے برابر ثواب عطا کرے گا جو کہ دوسرے مہینہ میں پڑھا جائے۔

اے لوگو! اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں لہٰذا خداوند عالم سے چاہو کہ وہ ان کو تمہارے اوپر بند نہ کرے، جہنم کے دروازے بند ہوتے ہیں لہٰذا خداوند عالم سے چاہو کہ وہ ان کو تمہارے لیے نہ کھولے۔ شیطانوں کو اس مہینہ میں زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے لہٰذا خدا سے چاہو کہ وہ شیطانوں کو تم پر غلبہ نہ دے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: میں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اس مہینہ میں بہترین عمل کیا ہے؟ رسولؐ خدا نے فرمایا:

اے ابوالحسنؑ! اس مہینہ میں سب سے افضل عمل محرمات الٰہی سے بچتے رہنا ہے۔ (۱)

جیسا کہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ رمضان برکتوں اور فضیلتوں والا مہینہ ہے۔ یہ عبادت، خود کو سنوارنے، دعا، نفس کی تربیت و پرورش اور اس کو کمال تک پہنچانے کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ کی عبادت کا ثواب دوسرے مہینوں میں کی گئی عبادتوں کے ثواب سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ مومن کا سونا اور سانس لینا بھی عبادت کا ثواب رکھتا ہے۔ اس مہینہ میں مومنین کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ کے فرشتے مسلسل

۱۔ وسائل رج ر۷، ص ر۲۲۷

لوگوں کو خدا کی عبادت کے لیے بلاتے ہیں۔ خصوصی طور پر صبح اور شبِ قدر کے وقت کیونکہ اس موقع پر جاگ کر عبادت کرتے رہنا ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے۔ خدا نے اس مہینہ میں ایک عام دستر خوان بچھایا ہے اور تمام مومنین کو اپنی مہمانی میں بلایا ہے۔ اس دعوت کا پیغام تمام پیغمبرؐ لائے ہیں۔ میزبان سب سے بڑا سخی ہے، اللہ کے مقرب فرشتے خادم اور مومنین مہمان ہوتے ہیں۔ اللہ کی نعمتوں کا خوان بچھا ہوتا ہے اور وہ خوان مختلف قسم کی ایسی نعمتوں اور برکتوں سے سجا ہوتا ہے کہ جس کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال پیدا ہوگا۔ ساری کی ساری نعمتیں موجود ہوں گی۔ اللہ کی توفیق ہر طرح سے آمادہ ہے۔ دیکھیں ہماری ہمت ولیاقت کیا ہے؟ اگر ہم غفلت سے کام لیں گے تو قیامت میں شرمندہ ہوں گے اس دن کہ جب حسرت، پشیمانی اور شرمندگی سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

ماہِ رمضان المبارک کے اعمال اور دعاؤں کو مفاتیح الجنان اور دوسری دعاؤں کی کتابوں سے پڑھ سکتے ہیں اور پورے خلوص، توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ ان دعاؤں کے ذریعہ اللہ کی قربت حاصل کی جاسکتی ہے۔

آخر میں ہم یاد دلا دیں کہ نماز، روزہ، ذکر اور دعا کی طرح سے دوسری عبادتیں بھی تہذیب نفس، خودسازی اور اسے کمال تک پہنچانے میں مؤثر اور مفید ثابت ہوتی ہیں لیکن یہاں پر اختصار کو مدنظر رکھا گیا ہے اس لیے اس کی تشریح وتوضیح سے پرہیز کیا گیا ہے۔

روحانی بھائیوں سے چند باتیں

روحانی بھائیوں سے میری مراد وہ حضرات ہیں جنھوں نے علم دین حاصل کیا ہے اور کسی دینی کام میں مشغول ہیں یا طالب علم ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں یا ادبیات، صرف ونحو، منطق و معانی اور قواعد وفلسفہ کا درس دینے میں مشغول ہیں۔ یا فقہ واصول دینی و مذہبی بحثیں اور ان پر حاشیہ لگانے اور کتاب لکھنے میں مشغول ہیں۔ یا مرجع تقلید یعنی اعلم ہیں اور طلاب دینی کے درمیان وظیفہ کی تقسیم، دینی مسائل کے جواب دینے اور دینی درسگاہوں کے کاموں میں مشغول ہیں یا منطق، فلسفہ اور عرفان یا اخلاق کا درس دیتے ہیں یا وعظ ونصیحت کرتے، خطابت کرتے ہیں اور مجلسیں پڑھتے ہیں یا امام جمعہ و جماعت ہیں یا کتاب لکھنے اور مقالہ لکھنے میں مشغول ہیں۔

ان میں سے بعض طلاب آخر عمر تک اسی طرح طالب علم رہتے ہیں اور بجائے کسی کام میں مشغول ہونے کے آخر عمر تک دینی دروس، دینی وعلمی بحثوں میں شریک رہتے ہیں اور اس کو غور سے سنتے ہیں اور اس طرح سے اپنی زندگی گزارتے ہیں اور سہم امام اور دیگر رقوم شرعیہ سے روزی فراہم کرتے ہیں۔

یہ حضرات روحانی ومذہبی علماء، خدمت گذار اور دین کے مبلغ شمار کیے جاتے ہیں اور غالباً انھیں راستوں اور رقوم شرعیہ، سہم امامؑ سے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں چونکہ وہ اپنے کو دینی کاموں میں مشغول رکھتے ہیں۔ لہٰذا خصوصی احترام کے حامل ہوتے ہیں اور لوگ ان سے بہت زیادہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے لیے نذر ونیاز کرتے ہیں، ہدیہ دیتے ہیں، ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں، ان سے شفاعت کی امید رکھتے ہیں اور ان سے برکت اور وسیلہ سمجھتے ہیں۔

افسوس ہے کہ خود پسندی، لوگوں کے اظہارِ عقیدت اور علم اور علماء کی فضیلت میں وارد ہونے والی بہت سی حدیثیں ہماری غفلت اور غرور کا سبب بن گئی ہیں، جبکہ ہم اپنے کو ممتاز لوگوں میں شمار کرتے ہیں اور اپنی روح کی پاکیزگی، نفس کی پاکیزگی، خودسازی اور روح کی تربیت و کمال سے غافل ہیں۔ گویا دوزخ سے آزادی دلانے اور بہشت کے دروازوں کی کنجیاں ہمارے ہی ہاتھوں میں ہیں لہٰذا ہمیں عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا سروکار قرآن، احادیث اور علم دین سے ہے اور ہم ان تمام خوبیوں کا پہلے ہی اپنے آپ کو جامع اور حامل سمجھتے ہیں۔

البتہ یہ علم اسلام کی نگاہ میں قیمت رکھتا ہے۔ علم اور علماء کی فضیلت میں بہت ساری حدیثیں آئی ہیں اور خود علم ہی نفس کو کمال تک پہنچانے اور اللہ کا تقرب دلانے میں مددگار ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے قربت کا قصد و ارادہ ہو اور دوسرے یہ کہ عمل بھی ساتھ ساتھ ہو۔ اگر علم اور علماء کے بارے میں بہت ساری حدیثیں ہیں تو فاسق عالم جو عمل نہیں کرتا، اس کی مذمت میں بھی بہت ساری حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر:

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

يَا حَفصُ يُغفَرُ لِلجَاهِلِ سَبعُونَ ذَنباً قَبلَ اَن يُغفَرَ لِلعَالِمِ ذَنبٌ وَاحِد.

''اے حفص! یاد رکھو کہ عالم کا ایک گناہ معاف ہونے سے پہلے جاہل کے ستر گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔''(۱)

''امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جناب عیسیٰؑ نے ارشاد فرمایا:

وَيلٌ لِلعُلَمَاءِ السُّوءِ كَيفَ تَلَظَّى عَلَيهِ النَّار''

''بدکردار علماء پر لعنت ہو کہ جہنم کے شعلے کس طرح ان پر جھپٹتے ہیں۔''(۲)

امام محمد باقرؑ نے آیہ کریمہ ''فَكُبكِبُوا فِيهَا هُم وَ الغَاوُونَ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زبان سے عدل و انصاف کی تعریف کی اور بعد میں دوسروں کے ساتھ اس کے برعکس عمل کیا۔(۳)

۱۔ کافی ج۱، ص۴۷ ۲۔ کافی ج۱، ص۴۷ ۳۔ کافی ج۱، ص۴۷

''حضرت علیؑ نے رسول خداؐ کی ایک حدیث کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: علماء دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ عالم جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ نجات پانے والا ہے دوسرا وہ عالم جو اپنے علم کو چھوڑ دیتا ہے یہ ہلاک ہونے والا ہے بے شک اہل جہنم بھی بے عمل عالم کی بد بو سے اذیت میں رہیں گے جن میں سب سے زیادہ حسرت اور ندامت کرنے والا شخص وہ ہوگا جو کسی دوسرے شخص کو خدا کی طرف بلائے اور وہ اس کی دعوت کو قبول کرے اور خدا کی اطاعت و بندگی کرے اور وہ اسے جنت میں داخل کر دے اور دعوت دینے والے کو اپنے علم پر عمل نہ کرنے، خواہشات نفس کی پیروی کرنے اور لمبی لمبی آرزوؤں کی وجہ سے جہنم میں ڈال دے۔ بے شک خواہشات نفس کی پیروی انسان کو حق سے روک دیتی ہے اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔''(۱)

حضرت علیؑ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! جب کسی بات کو جان لو تو اس پر عمل کرو کہ شاید تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ، اپنے علم پر عمل نہ کرنے والا عالم اس حیران و سرگردان جاہل کے مانند ہے جو خواب جہل سے بیدار نہیں ہوتا بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ اپنے علم پر عمل نہ کرنے والے عالم پر اتمام حجت بہت عظیم اور اس کی حسرت زیادہ طولانی مدت ہوتی ہے اس جاہل کی بہ نسبت جو اپنی جہالت و نادانی میں حیران و سرگردان رہتا ہے اور یہ دونوں حیران و پریشان رہتے ہیں۔ اپنے اندر شک و گمان کو راستہ نہ دو کہ شک کا شکار ہو جاؤ گے اور شک نہ کرو کہ کافر ہو جاؤ گے اور اپنے آپ کو زیادہ چھوٹ نہ دو کہ سستی اور کاہلی میں جکڑ جاؤ گے اور حق کے سلسلہ میں سستی نہ کرو کہ گھاٹا اٹھاؤ گے۔ حق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ (فقہ) سوچ سمجھ سے کام لو اور فقہ یہ ہے کہ دھوکا نہ کھاؤ۔ تم میں سے اپنے نفس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہ ہے جو اپنے پروردگار کی زیادہ سے زیادہ اطاعت کرے اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ دھوکا دینے والا وہ ہے جو اپنے پروردگار کی زیادہ سے زیادہ مخالفت کرے جو اللہ کی اطاعت کرے گا وہ امن و امان اور خوشحالی میں رہے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ گھاٹے اور ندامت میں رہے گا۔ (۲)

امام جعفر صادقؑ نے آیہ کریمہ ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ'' کی تفسیر بیان

ا۔ کافی ج ۱، ص ۴۴ ۲۔ کافی ج ۱، ص ۴۵

کرتے ہوئے ارشادفرمایا: ''یہاں پرعلماء سے مراد وہ افراد ہیں جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرے اور جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہے۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک صحابی سے ارشادفرمایا: ''ہمارے چاہنے والوں کو ہمارا اسلام کہو اور انھیں یہ بتاؤ کہ ہم عمل کے بغیر انھیں کسی چیز سے بے نیاز نہیں کریں گے اور وہ ہماری ولایت تک نہیں پہنچ سکتے مگر عمل یا پرہیز گاری کے ذریعہ بے شک روز قیامت سب سے زیادہ حسرت اٹھانے والا وہ شخص ہے جو اپنی زبان سے عدل کی تعریف کرے پھر دوسرے کے ساتھ اس کے برخلاف عمل کرے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے ارشادفرمایا:

اَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً عَالِمٌ لا یَنْتَفِعُ مِن عِلْمِهِ بِشَیْءٍ.

''لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جو اپنے علم سے ذرا سا بھی فائدہ نہ اٹھائے۔''(۳)

رسول خداؐ نے ارشادفرمایا:

مَثَلُ الَّذِی یَعْلَمُ الْخیرَ وَ لا یَعْمَلُ بِهِ مَثَلُ السِّرَاجِ یُضِیْءُ لِلنَّاسِ وَیُحْرِقُ نَفسَهُ

''دوسروں کو خیر اور اچھائی سکھانے والا اور خود اس پر عمل نہ کرنے والا اس چراغ کے مانند ہے جو لوگوں کو روشنی پہنچاتا ہے اور اپنے آپ کو جلاتا ہے۔''(۴)

امام جعفر صادقؑ نے ارشادفرمایا:

تَعَلَّمُوا فَلَن یَنْفَعَکُم اللّٰهُ بِالعِلمِ حَتّیٰ تَعمَلُوا بِهِ لِاَنَّ الْعُلَمَاءَ هِمَّتُهُمُ الرُّعَایَةُ وَ السُّفَهَاءُ هِمَّتُهُمُ الرِّوَایَة.

''علم حاصل کرو، جب تک کہ اپنے علم پر عمل نہ کروگے خدا تمہارے عمل سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اس لیے کہ علماء کی ساری کوشش اور ہم وغم دین کے لئے ہوتی ہے اور بے وقوفوں کی ساری فکر روایت اور نقل کرنا ہوتی ہے۔''(۵)

۱۔ کافی ج۱، ص۳۶ ۲۔ بحار ج۲، ص۲۸ ۳۔ بحار ج۲، ص۳۸
۴۔ بحار ج۲، ص۳۷ ۵۔ کافی ج۱، ص۴۶

19

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

''جب تم کسی ایسے عالم کو دیکھو جو اپنی دنیا کا دلدادہ ہے تو تم اپنے دین کے سلسلہ میں اسی سے ڈرو اس لیے کہ ہر دلدادہ اپنی محبوب چیزوں کے درمیان گھرا ہوتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند عالم نے جناب داؤد کی طرف وحی کی کہ میرے اور اپنے درمیان ایسے عالم کو قرار نہ دو جو دنیا میں گرفتار ہے کہ وہ تمہیں میری محبت سے روک دے گا اس لیے کہ وہ میرے طاعت گذار بندوں کے لیے راہزن ہے۔ سب سے ادنیٰ کام جو میں ان کے ساتھ انجام دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں ان کے دلوں سے اپنی مناجات کی حلاوت وشیرینی کو نکال لیتا ہوں۔''(۱)

امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا:

مَن طَلَبَ العِلمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ العُلَمَاءَ اَو يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَو يَصرِفَ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيهِ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقعَدَهُ مِنَ النَّارِ اِنَّ الرِّيَاسَةَ لا تَصلَحُ اِلَّا لِاَهلِهَا.

''جو شخص علماء پر فخر ومباہات یا سفہاء (نادانوں) سے لڑائی جھگڑا یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس لیے کہ ریاست وسرداری صرف اس کے اہل کے لئے ہوتی ہے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

مَن اَرَادَ الحَدِيثَ لِمَنفَعَةِ الدُّنيَا لَم يَكُنْ لَهُ فِي الآخِرَةِ نَصِيبٌ وَمَن اَرَادَ بِهِ خَيرَ الآخِرَةِ اَعطَاهُ اللّٰهُ الدُّنيَا وَ الآخِرَةَ.

'جو شخص دنیاوی منفعت حاصل کرنے کی غرض سے علم حاصل کرے تو آخرت میں اس کا کوئی حصہ (اجر) نہ ہوگا اور جو حصول علم سے آخرت کے خیر کا ارادہ کرے گا خداوند عالم اسے دنیا اور آخرت دونوں جہان میں خیر عطا کرے گا۔''(۳)

امام علیؑ نے ارشاد فرمایا: ''علم حاصل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں لہٰذا تم انہیں ان کے صفات وخصوصیات سے پہچانو۔ پہلی قسم ان طلاب کی ہے جو ریاکاری اور جہالت کے لیے علم حاصل

۱۔ کافی رج ر۱، ص ر۴۷ ۲۔ کافی رج ر۱، ص ر۴۶ ۳۔ بحار رج ر۲، ص ر۴۶

کرتے ہیں اور دوسری قسم ان طلاب کی ہے جو رعب جتانے اور دھوکا دینے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور تیسری قسم ان طلاب کی ہے جو فہم وفراست، سمجھ بوجھ یعنی فقہ اور عقل کو تیز کرنے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں لیکن جو لوگ ریاکاری اور جہالت والے ہیں تو تم انہیں دیکھوگے کہ وہ موذی گدھے کی طرح اپنے خیالات ونظریات کے ساتھ لوگوں کے سامنے نظر آتے ہیں اور وہ خضوع وخشوع (خوف) اور زہد وورع (پرہیزگاری) کا لباس اوڑھے رہتے ہیں تو اللہ ان سے مردانگی اور غصہ کو ختم کردیتا ہے اور جو لوگ رعب جتانے اور دھوکا دینے والے ہوتے ہیں وہ دوسروں کی شکل (یعنی عالموں کی شکل) وصورت اختیار کر کے اسی میں کھوئے رہتے ہیں اور غنی (یعنی دولت وثروت رکھنے والے) لوگوں سے تواضع وخاکساری سے کام لیتے ہیں اور ان کی میٹھی میٹھی چیزیں ہضم کرتے ہیں اور ان کے دین کو توڑ ڈالتے ہیں (یعنی برباد کردیتے ہیں اسی وجہ سے اللہ ان کی بصارت کو ختم کردیتا اور علماء کے زمرہ سے اس کے ہر اثر کو مٹا دیتا ہے لیکن فقہ اور عقل کو حاصل کرنے والے لوگ وہ تمہیں سنجیدگی اور حزن کا پیکر نظر آئیں گے وہ سیاہ رات میں کھڑے رہتے ہیں اور اپنے لباس میں انکساری اختیار کرتے ہیں اور ہر وقت خوف الٰہی کے ساتھ عمل کرتے اور ہر ایک کے کام آتے ہیں مگر یہ کہ ایمانی بھائیوں کے ساتھ برتاؤ میں تقویٰ وپرہیزگاری کا رویہ اختیار کرتے ہیں لہٰذا اللہ ان کے اعصاب اور عزائم اور ارادوں کو مضبوط کرتا ہے اور انہیں قیامت کے روز اپنا دامن عطا کرے گا۔"(۱)

رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: "جو خدا کے لیے علم حاصل کرتا ہے علم کے وہ کسی باب کو نہیں سیکھتا مگر یہ کہ اس کے اندر انکساری، لوگوں کے درمیان تواضع اور پروردگار سے خوف اور دین پر مزید سعی وکوشش میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو اپنے علم سے فائدہ اٹھاتا ہے بس اسے چاہئے کہ علم حاصل کرتا رہے اور جو شخص دنیا، لوگوں کے درمیان مقام ومنزلت اور حاکم سے قربت کے لیے علم حاصل کرتا ہے وہ علم کے کسی باب کو نہیں سیکھتا مگر یہ کہ اس کے اندر عظمت وبزرگی، لوگوں پر برتری، پروردگار کو دھوکا دینے اور دین پر ظلم کرنے میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا پر اسے چاہئے کہ اسی پر اکتفا کرے اور اپنے آپ کو روز قیامت، اپنے اوپر حجت قائم ہونے اور ندامت ورسوائی سے روک لے۔"(۲)

۱۔ بحار رج ۲، ص ۳۴

۲۔ بحار رج ۲، ص ۵۶

امام علیؑ نے ارشاد فرمایا:

مَن نَصَبَ نَفسَهُ لِلنَّاسِ اِمَاماً فَعَلَيهِ اَن يَبْدَءَ بِتَعلِيمِ نَفسِهِ قَبلَ تَعلِيمِ غِيرِهِ وَ لُيَكُن تَأدِيبِهِ بِسِيرَتِهِ قَبلَ تَأدِيبِهِ بِلِسَانِهِ وَ مُعَلِّمُ نَفسِهِ وَ مُؤَدِّبُهَا اَحَقُّ بِالْاِجلالِ مِن مُعَلِّمِ النَّاسِ وَ مُؤَدِّبِهِم.

''جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کا امام اور رہنما بنا کر پیش کرتا ہے اسے چاہئے کہ دوسروں کو سکھانے سے پہلے اپنے آپ کو سکھائے اور اسے زبان کے ذریعہ دوسروں کی تادیب کرنے سے پہلے اپنی سیرت و کردار کے ذریعہ ان کی تادیب کرنا چاہئے۔ اپنے آپ کو تعلیم دینے والا اور ادب سکھانے والا لوگوں کو تعلیم دینے والے اور ادب سکھانے والے سے زیادہ عزت و احترام کا حقدار ہوتا ہے۔''(۱)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لاتَفْعَلُونَ ☆ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لاتَفْعَلُونَ

''ایمان والو آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔''(۲)

نیز ارشاد فرمایا:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلاتَعْقِلُونَ .

''کیا تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو جب کہ کتاب خدا کی تلاوت بھی کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس عقل نہیں ہے؟''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا: ''علماء میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے علم کو ذخیرہ بنانا چاہتے ہیں اور اس میں سے کچھ لیتے ہیں (اس پر عمل نہیں کرتے) وہ جہنم کے پہلے طبقہ میں ہوں گے اور علماء میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جن کو نصیحت کی جاتی ہے تو انکار کرتے ہیں اور جب خود نصیحت کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں، ایسے علماء جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوں گے کچھ ایسے علماء

۱۔ بحار رج ۲/ ص ۱۰۸/ ۲۔ سورۂ صف، ۲۔ ۳۔ سورۂ بقرہ، ۴۴

بھی ہیں جو اپنے علم کو صاحبان ثروت وشرف کے پاس رکھنا چاہتے ہیں اور فقراء کے پاس رکھنے کے لیے انہیں کوئی جگہ نہیں ملتی ہے وہ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوں گے۔ کچھ ایسے علماء بھی ہیں جو اپنے علم کے سلسلہ میں بادشاہوں اور ستمگروں کی روش پر بھی عمل کرتے ہیں کہ اگر ان کی کوئی بات رد کر دی جائے یا جس چیز کا حکم دیا ہے اس میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ غضبناک ہو جاتے ہیں۔ وہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوں گے۔ کچھ ایسے علماء بھی ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں کی باتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ اپنے علم کو زیادہ کریں اور اسے زیادہ سے زیادہ بیان کریں ایسے افراد جہنم کے پانچویں طبقہ میں ہوں گے۔ کچھ ایسے علماء بھی ہیں جو اپنے آپ کو فتویٰ دینے کے مقام میں رکھتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ مجھ سے سوال کرو اور شاید کہ اس نے ایک حرف بھی صحیح نہ کہا ہو۔ خداوند عالم اپنے آپ کو زحمت وتکلیف میں ڈالنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ ایسے لوگ جہنم کے چھٹے طبقہ میں ہوں گے اور کچھ ایسے بھی علماء ہیں جو اپنے علم کو مروت اور زنجیر سمجھتے ہیں وہ جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوں گے۔''(۱)

امام علیؑ نے ارشاد فرمایا:

''دنیا کے دو افراد نے میری کمر توڑ دی: ایک وہ شخص جو زبان کا تو عالم ہے لیکن فاسق ہے۔ دوسرے وہ شخص جو دل سے جاہل ہے لیکن عبادت گذار ہے۔ یہ اپنی زبان کے ذریعہ فسق سے روکتا ہے اور وہ اپنی عبادت کے ذریعہ اپنے جہل سے۔ فاسق علماء اور جاہل ونادان عبادت گذاروں سے بچو، یہ سب فتنہ اور آزمائش میں گرفتار لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش ہیں۔ میں نے رسول خداؐ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے علیؑ! میری امت کی ہلاکت وتباہی منافق اور زبانی عالم کے ہاتھوں میں ہے۔ (۲)

امام علیؑ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک جہنم میں ایک چکی ہے جو پیستی ہے۔ کیا تم لوگ مجھ سے یہ سوال نہ کرو گے کہ اس میں پسنے والی چیز کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یا امیر المومنینؑ! اس میں پسنے والی چیز کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: فاجر علماء، فاسق قاریان قرآن، ظالم حکمراں، خیانت کار وزراء، جھوٹے عرفاء۔

۱۔ بحار رج ر۲، ص ر۱۰۷   ۲۔ بحار رج ر۲، ص ر۱۰۷

بے شک دوزخ میں ایک شہر ہے جسے ''حصینہ'' کہا جاتا ہے۔ کیا تم لوگ سوال نہ کروگے کہ اس میں کیا ہے؟ سوال کیا گیا: یا امیر المومنینؑ! اس میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ناکثین کے ہاتھ یعنی بیعت کر کے بیعت توڑنے والوں کے ہاتھ۔''(۱)

رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاء وَ اِنَّ خَیرَ الْخَیرِ خِیَارُ الْعُلَمَاء.

''آگاہ ہوجاؤ کہ بدترین شر، علماء کے شر ہیں اور بہترین خیر، علماء کی نیکیاں ہیں۔''(۲)

امام علیؑ نے ارشاد فرمایا:

لا یَکُونُ السَّفَهُ وَ الْغِرَّةُ فِی قَلبِ الْعَالِمِ

''عالم کے دل میں سفاہت یعنی بے وقوفی اور دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔''(۳)

چنانچہ مذکورہ احادیث میں چند اہم مطالب کی طرف زیادہ اشارہ کیا گیا ہے۔

۱) ہر وہ شخص، جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا، وہ ائمہ علیہم السلام کی اصطلاح میں اصلاً عالم شمار نہیں ہوگا اور ان علماء کا مصداق نہیں ہوگا کہ جن کے لیے قرآن اور احادیث نے تعریف وتوصیف کی ہے۔ اگرچہ باعزت علماء میں زندگی گذارتا ہو اور لوگ اس کو ایک دینی عالم جانتے ہوں۔

۲) ہر وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، اس پر دوزخ میں عذاب ہوگا۔

۳) ہر وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا، وہ جاہل کے مانند ہے چونکہ عالم ہوگیا اور اپنے علم پر عمل نہیں کیا، اس لیے وہ زیادہ ذمہ دار ہوگا اور قیامت میں اس سے زیادہ بازپرس ہوگی۔

۴) فاسق اور عمل نہ کرنے والے عالم پر تمام دوزخیوں سے زیادہ سخت عذاب ہوگا۔ اس حد تک عذاب ہوگا کہ اس کی بدبو سے دوسرے سخت پریشان ہوں گے۔

۵) ہر وہ شخص جو دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لیے علم دین حاصل کرتا ہے قیامت میں اپنے اس علم سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا پائے گا۔

۶) ہر وہ شخص جو اس نیت سے علم حاصل کرے کہ وہ دوسرے علماء پر اپنے علم ودانش کے وسیلہ سے فخر

۱۔ بحار رج ر۲، ص ر۱۱۰ ۲۔ کافی رج ر۱، ص ر۳۶ ۳۔ بحار رج ر۱، ص ر۱۷۷

ومباہات کرے یا بیوقوفوں سے جھگڑا کرے یا علم کے وسیلہ سے دوسروں کو اپنی طرف کھینچے، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

۷) ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ عالم دین ہو اور دین کے ایک منصب پر فائز ہو اور لوگوں کا پیشوا اور لیڈر ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرے اور اپنے آپ کو فضائل سے آراستہ کرے اور اپنے اخلاق، رفتار و گفتار کو اسلامی کرے اور عمل کے ذریعہ لوگوں کو دین کی طرف دعوت دے۔

۸) وہ عالم جو اہل دنیا کی طرح دنیا پر فریفتہ اور عاشق ہو، وہ حق کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے اور اپنے باطل کردار، اخلاق اور گفتار سے لوگوں کو محبت خدا سے پھیرتا ہے اور دنیا کے جاہ و حشم سے جوڑتا ہے۔ لوگوں کو نہیں چاہئے کہ وہ اس طرح کے دکھاوٹی عالم کے فریب میں آئیں۔

۹) علم بغیر عمل کے، صرف قیامت میں ہی انسان کے لیے مفید نہیں ہے بلکہ وہ اس کی حسرت اور ندامت کا سبب بھی ہوتا ہے۔

۱۰) علماء کا گناہ، جاہلوں کے گناہ سے زیادہ دیر میں بخشش کا سبب قرار پاتا ہے۔ اس طرح کہ عالم کا ایک گناہ جتنی دیر میں بخشا جاتا ہے، اتنی دیر میں جاہلوں کے ستر گناہ بخش دیتے جاتے ہیں۔ (۱)

۱۱) وہ عالم جو اپنے علم کا ذخیرہ کرتا ہے لیکن دوسرے کے اختیار میں وہ علم نہیں دیتا وہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوگا۔

۱۲) وہ عالم جو زور اور سختی کے ساتھ لوگوں کو نصیحت کرتا ہے لیکن اگر دوسرے اس کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں تو وہ ناراض ہو جاتا ہے اور سخت کلامی کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔

۱۳) وہ عالم جو اپنے علم کو دولت مند اور شریف لوگوں کے اختیار میں دیتا ہے لیکن ارشادات اور ہدایات کے ذریعہ مسکینوں اور غریبوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، وہ جہنم کے عذاب میں ہوگا۔

۱۴) وہ عالم جو ظالموں اور بادشاہوں کی طرح لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوتاہی کرتا ہے بلکہ ان پر غضب وغصہ کرتا ہے تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

۱۔ بحار رج ر۱، ص ر ۱۷۷

۱۵) ہر وہ عالم جو اپنے علم سے زیادہ اپنے کو فتویٰ دینے کے لائق قرار دے اور اپنی سمجھ سے زیادہ علم کا دعوے دار ہو اور بلا تکلف لوگوں کا جواب دے وہ دوزخ کے عذاب میں ہوگا۔

۱۶) فاسق علماء کا نقصان اور خطرہ اس قدر زیادہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: فاسق عالم میری کمر کو توڑتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی عالم نما زبان کے وسیلہ سے اپنے باطنی فسق کو چھپائے رکھتا ہے اور لوگوں کو دھوکا دیتا ہے نیز حق کو ناحق اور ناحق کو حق ظاہر کرتا ہے۔

۱۷) پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا: میری امت، فاسق علماء کے وسیلہ سے ہلاکت تک پہنچتی ہے۔

ان احادیث کے ذکر کرنے کا مقصد، اس مطلب کی طرف توجہ دلانا تھا کہ اہل علم، دوسرے لوگوں کی طرح سے فرق نہیں رکھتے ہیں بلکہ اپنے عہدہ کی عظیم ذمہ داری رکھتے ہیں۔ اگر وہ لوگوں سے تزکیہ، تہذیب نفس اور نیک عمل کو چاہتا ہے تو وہ لوگ بھی ہم علماء سے اسی طرح کی چیز چاہیں گے۔ اگر گناہ کرنا اور برا اخلاق آخرت میں ہلاکت اور بدبختی کا سبب ہے تو علماء اور غیر علماء میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ ایمان اور عمل صالح ہی صرف حصول سعادت اور تقرب الٰہی کے مرتبہ پر فائز ہونے کا ذریعہ ہے تو علماء کے لیے بھی ان تمام باتوں کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ جنت میں جائیں گے اور کچھ جہنم میں تو بعض علماء بھی دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس وجہ سے اگر ہم اس انتظار میں رہیں کہ نفس کو پاک و پاکیزہ کئے بغیر، نیک اخلاق کو پروان چڑھائے بغیر اور نیک عمل کے بغیر اللہ کے قریب ہونے اور بلند درجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر جنت میں جگہ پا سکتے ہیں تو ہم اس میں سخت اشتباہ کرتے ہیں اور ہم مغرور ہیں۔ صرف علم ہمیں عذاب جہنم سے نجات نہیں دلا سکتا اور نہ ہی خدا کے قریب کر سکتا ہے بلکہ اس کے ساتھ عمل بھی لازم و ضروری ہے۔

ہماری بہت بڑی مشکل

ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم علم کو اصل کی حیثیت دیتے ہیں اور اور اس کو عمل کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ چونکہ ہم عالم دین ہیں اور ہمارا سروکار دینی باتوں سے ہے لہٰذا ساری چیزوں کو

اپنے اندر مجسم تصور کرتے ہیں۔

جب خودسازی، تزکیۂ نفس، تہذیب نفس کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہیں، اچھے اور برے اخلاق کی تشریح کرتے ہیں اور درس اخلاق دیتے ہیں یا کتاب اخلاق لکھتے ہیں تو خود کو پاک و پاکیزہ مہذب اور مکام اخلاق کا جامع تصور کرتے ہیں۔

جب ہم جھوٹ، غیبت، چغل خوری، سخت کلامی، حسن خلق، بداخلاقی، ظلم و زیادتی، وعدہ خلافی، تکبیر، خود پسندی خودخواہی اور دوسرے برے صفات کی مذمت کرتے ہیں تو اپنے کو ان تمام صفات رذیلہ سے مبرا و منزہ سمجھتے ہیں۔ جب معرفت خدا کا درس دیتے ہیں، نفس کے سیر و سلوک کی تشریح کرتے ہیں اور رضائے الٰہی، توکل علی اللہ، ذکر، انس و محبت، کشف و شہود اور فنافی اللہ کی باتیں کرتے ہیں، جبروت و ملکوت اور ناسوت جیسے الفاظ کو زبان پر جاری کرتے ہیں اور صوفیوں کے حالات بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم اپنے آپ کو بھی سالکین الی اللہ اور عرفاء میں شمار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عرفان کے مفاہیم میں سرگرم رکھتے ہیں اور اسی سرگرمی کو عرفان عملی سمجھتے ہیں۔

منبروں سے خطبوں اور تقریروں کے ذریعہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور لوگوں کو حسن اخلاق اور عمل صالح کی دعوت دیتے ہیں اور ہم گناہوں اور برے اخلاق سے بچے رہتے ہیں، سوچتے اور سمجھتے ہیں کہ پند و نصیحت اور تقریر سے اپنے آپ کو صالحین اور پرہیز گاروں میں داخل کرلیں گے۔

ہم فقہ و اصول پڑھنے، الٰہی احکامات معلوم کرنے، مقلدین کی ذمہ داریاں معین کرنے، رسالوں پر حاشیہ لگانے، لوگوں کے مال کا خمس نکلوانے اور اس کو طالب علموں اور شاگردوں میں تقسیم کرنے میں مشغول رہتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ ہم اپنے کردار کو بنانے سنوارنے، نفس کو پاک کرنے اور نفس کی تربیت کرنے اور اسے کمال تک پہنچانے اور ذمہ داریوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے سے پوری طرح غافل ہوں۔ ہم مقلدین کی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں لیکن خود ہوئی و ہوس، دنیاداری، جاہ و حشم، مقام و منزلت کی محبت میں اس طرح اسیر ہوتے ہیں کہ اپنی دن و رات کی مشغولیتوں کو راہ خدا میں آگے بڑھنے کے لئے، بہترین شمار کرتے ہیں اور اپنی شخصی ذمہ داریوں کی فکر اور ان پر عمل کرنے کو دماغ میں بالکل نہیں لاتے ہیں۔

ایسی حالت میں، لوگوں کے اظہار محبت، دست بوسی، التماس دعا کہنا، شفاعت کی امید

رکھنا، لوگوں کی نذرونیاز، زیادہ تر اپنے کو خودسازی اور تہذیب نفس کی ضرورت سے غافل رکھتی ہے۔

یہ بات ہم پھر کہتے ہیں کہ ہماری بنیادی مشکل یہ ہے کہ علم کو عمل کی جگہ پر سمجھتے ہیں، جبکہ علم، عمل نہیں ہے، علم تنہا ہمیں کامیاب نہیں کرتا ہے بلکہ ہمارے لیے عمل لازم ہے، بغیر عمل کے عالم کی مثال اس بیمار کی ہے جو علم طب سے پوری طرح واقف ہو، بیماریوں کو اچھی طرح سے پہچانتا ہو، دواؤں کے اثرات اور مرض کے علاج اور اس کی روک تھام کو اچھی طرح جانتا ہو، علم طب کی بہترین تعلیم دیتا ہو، کتاب لکھتا ہو، بیماروں کو دیکھتا ہو، نسخہ لکھتا ہو لیکن اپنی بیماری سے پوری طرح غافل ہو اور اس کے علاج کی طرف دھیان نہ دے تو معلوم ہوگا کہ اس ڈاکٹر کی قسمت میں سوائے بیماری میں اضافے کے کچھ بھی نہیں ہوتا اور اس کی بیماری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ اس وقت وہ کچھ نہیں کر پاتا۔

اگر وہ دس ہزار بار اس بیماری کا علاج کرے اور سیکڑوں طالب علموں کو تربیت دے، دسیوں کتابیں بھی لکھے تو ان میں سے کوئی بھی اس کی بیماری میں شدت اور موت کی جلدی کو روک نہیں پائے گا۔

ہم صاحبان علم کی حالت بھی ایسی ہی ہوتی ہے اگر سیکڑوں اور ہزاروں دینی گفتگو اور اخلاقی درس دے چکے ہوں۔ سیکڑوں طلباء ہمارے فقہ، اصول، فلسفہ، عرفان، تفسیر، اخلاق کے درس سے فائدہ اٹھا چکے ہوں۔ ہزاروں لوگ ہمارے رسالۂ توضیح المسائل سے استفادہ کر چکے ہوں لیکن جب تک ہم عمل کرنے والوں میں سے نہیں ہوں گے، اور تہذیب نفس نہیں کریں گے اس وقت تک سعادت و کمال اور آخرت کی جاویدانی زندگی نہیں حاصل کر سکتے ہیں۔

البتہ اگر اہل علم، اہل عمل بھی ہوں اور وہ درس و تدریس کو قربت کی نیت سے انجام دیتے ہوں تو وہ بلند اور ممتاز مقام کے حامل ہوتے ہیں اور خدا کے نزدیک بہت زیادہ باعظمت بھی ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اور واقعی سعادت و کمال کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو چاہئے کہ اپنے نفس کی طرف رجوع کریں اور ایک تجربہ کار امین، ایک باانصاف قاضی کی طرح سے اپنے نفسانی صفات، اعمال اور گفتگو پر غور وفکر، تجزیہ اور تنقید کریں۔ اگر پوری طرح سے شرعی احکامات کے مطابق ہے تو یہ خدائے بزرگ کی توفیق ہے۔ جس کی ہمیں قدر کرنی چاہیے اور اسی

راہ پر چلتے رہنا چاہیے لیکن اگر اپنے نفسانی صفات، اعمال اور گفتگو کو اسلامی احکامات کے مطابق نہ پائیں تو اپنی اصلاح میں لگ جانا چاہیے اور جتنا علم ہم رکھتے ہیں، اس کے مطابق تہذیب نفس اور تکمیل نفس کریں۔ سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں۔ اس کے بعد لوگوں کی ہدایت کرنے میں مشغول ہوں۔ پڑھنے، بولنے، لکھنے، مطالعہ کرنے اور غور وفکر کرنے کو عمل کی بنیادی چیز اور نفس کو کمال تک پہنچانے کا ذریعہ قرار دیں نہ کہ فنا ہونے والی دنیا میں، پست ترین چیزوں، جاہ وحشم اور مقام و منزلت کو حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیں۔

اب ہم اپنے نفس کو اور تمام اہل علم دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ سوال کرتے ہیں!

کیا اب تک ہم نے خودسازی، تزکیہ اور کمال نفس کی کوئی فکر کی ہے؟

کیا ہم اپنے درس، بحث، گفتگو، تحریر اور تمام دینی کاموں کو صرف اللہ کے لیے ہی انجام دیتے ہیں؟

کیا ہم نے اپنے نفس پر تسلط حاصل کرلیا ہے یا وہ ہمارے اوپر مسلط ہے؟

کیا ہم نے اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک وصاف کرلیا ہے؟

کیا ہم نے اپنے نفس کو جھوٹ، غیبت، حسد، تہمت، تکبر، غضب وغصہ، کنجوسی، اپنے کو بہت بڑا ماننا، خود پسندی، مال ودولت، جاہ وحشم اور مقام ومنزلت سے لگاؤ، غرور، حیلہ و بہانہ، ریا، نفاق، بغض وعداوت اور تمام برے کاموں سے پاک وصاف کرلیا ہے؟

کیا ہم اسلامی عدالت اور لوگوں کے حقوق کا پوری طرح خیال کرتے ہیں؟

کیا ہم بیت المال اور سہم امامؑ کے خرچ، اسلامی عدل وانصاف میں برابری رکھنے کا خیال رکھتے ہیں؟

کیا ہم اگر کسی مقام ومنصب پر پہنچ جاتے ہیں تو اس سے اپنے، اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے فائدہ کے لیے غلط فائدہ تو نہیں اٹھاتے ہیں۔

کیا ہماری زندگی اسلامی اصول کے مطابق، پیغمبر اکرمؐ اور امیر المومنینؑ کی زندگی کی طرح ہے؟ جیسا کہ انہوں نے بتایا؟

کیا ابھی تک ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ہم اپنی نماز حضور قلب کے ساتھ پڑھیں؟

کیا ہم تہجد، نماز شب اور نوافل کی پابندی کرتے ہیں؟
کیا ہم ذکر و دعا سے لگاؤ رکھتے ہیں؟
کیا ہم ذکر، دعا اور نماز کی حالت میں خدا کی طرف توجہ رکھتے ہیں؟
کیا ہم اپنے خاندان، اپنے لوگوں اور پڑوسیوں کے ساتھ اسلامی روش کو باقی رکھتے ہیں؟
کیا ہم احسان اور انصاف کا خیال رکھتے ہیں؟
کیا ہم مسکینوں، غریبوں محتاجوں اور پریشان حالوں کی مدد اسی طرح کرتے ہیں جیسا کہ وہ چاہتے ہیں؟
کیا ہم اس بات کے لیے تیار رہتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی کے لیے کچھ کریں اور اس کے ذریعہ اس کی مدد کریں یا صرف لوگوں کو احسان نیکی اور مساوات کی دعوت دیتے رہتے ہیں؟
کیا اگر ہمیں کوئی پند و نصیحت کرے یا ہماری تنقید کرے تو ہم بغیر تکلیف کے اس کی بات کو غور سے سنتے ہیں اور اگر وہ ٹھیک ہوتی ہے تو ہم اسے قبول کر لیتے ہیں یا ناراض ہو جاتے ہیں اور بہت سختی کے ساتھ اس کا انکار کرنے پر اتر آتے ہیں؟
کیا ہم سچائی کو قبول کر لیتے ہیں اگر چہ وہ ہمارے اور ہمارے متعلقین کیلئے نقصان دہ ہو؟

مجموعی طور پر

کیا ہم جو کچھ پڑھتے، جانتے، کہتے، لکھتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ کا جواب مثبت ہے تو آپ علمائے ربانی میں ہیں کہ جن کی تعریف و توصیف میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

ایسے لوگ ہی انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور ان حضرات کے ورثہ دار ہوتے ہیں۔ خدا ان کے بارے میں فرماتا ہے: اللہ ان لوگوں کے درجات کو بلند کرتا ہے جو ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا۔ (۱)

۱۔ سورۂ مجادلہ، ۱۱۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ اور دین شناس ابلیس پر ہزار عابدوں سے زیادہ شدید اور طاقتور ہوتا ہے۔ (۱)

نیز ارشاد فرمایا: جب اللہ کسی کے ساتھ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین شناس بنا دیتا ہے۔ (۲)

حضرت علیؑ نے فرمایا: طلب علم میں ڈٹا رہنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے۔ (۳)

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: جس کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ احیائے اسلام کے لئے علم حاصل کر رہا ہو تو جنت میں اس کا اور انبیاء کا ایک مقام ہوگا۔ (۴)

نیز فرمایا: قیامت میں تین طرح کے لوگ اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول بھی ہوگی: انبیاء، علماء اور شہداء۔ (۵)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب اللہ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اور اعمال کو تولنے کیلئے ترازو لگایا جائے تو شہداء کے خون اور علما کی روشنائی کو تولا جائے گا، علماء کی روشنائی کو شہداء کے خون پر ترجیح حاصل ہوگی۔ (۶)

امیر المومنینؑ نے فرمایا: مومن عالم کا اجر راہ خدا میں جہاد کرنے والے روزہ دار نمازی سے زیادہ ہے اور جب وہ مرتا ہے تو اسلام میں ایسا سوراخ ہو جاتا ہے جسے کوئی شے قیامت تک پر نہیں کر سکتی۔ (۷)

نبی کریمؐ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ جہنم سے اللہ کے آزاد کردہ لوگوں کو دیکھے اسے چاہئے کہ متعلمین کو دیکھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی بھی طالب علم عالم کے دروازے پر آمد و رفت نہیں کرتا مگر یہ کہ خداوند عالم اس کے ہر قدم کے بدلہ میں ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور اس کے ہر قدم پر جنت میں ایک شہر تعمیر کرتا ہے، وہ زمین پر چلتا ہے تو

۱۔ بحار رج ۱، ص ۱۷۷ ۲۔ بحار رج ۱، ص ۱۷۷ ۳۔ بحار رج ۱، ص ۱۷۹
۴۔ بحار رج ۱، ص ۱۸۴ ۵۔ بحار رج ۱، ص ۱۸۴ ۶۔ بحار رج ۲، ص ۱۵
۷۔ بحار رج ۲، ص ۱۴

تو اس کے لئے استغفار کرتی ہے۔ وہ بخشش کی حالت میں صبح وشام کرتا ہے اور ملائکہ گواہی دیتے ہیں وہ آتش جہنم سے خدا کے آزاد کردہ بندے ہیں۔ (۱)

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''ہمارے خلفاء پر اللہ کی رحمت ہو۔ تو ان سے کسی نے کہا: یا رسولؐ اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ تو آپ نے کہا جو لوگ ہماری سنت زندہ کرتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔'' (۲)

لیکن اگر ہمارا جواب منفی ہے تو چاہیے کہ ہم اپنے نفس کی اصلاح کے لیے کوشش کریں، اس حقیقت کو پہچاننا بھی بہت مشکل ہے کیونکہ نفس امارہ ہمیں سیکڑوں حیلہ و بہانہ سے دھوکا دیتا ہے اور حقیقت کی پہچان سے روکے رکھتا ہے۔

ممکن ہے کہ اسی طرح سے ہم کو درس، بحث، خطابت، تصنیف و تالیف، دنیاداری اور زندگی کے کاموں میں مشغول رکھے اور ہمارے پاس اتنی فرصت بھی ہو کہ ہم اپنے نفسانی امور کو انجام دے سکیں۔

یہ ممکن ہے کہ علم کو عمل کی جگہ پر دکھائے اور کہے: چونکہ تم عالم ہو اور دین کی خدمت کرتے ہو تو تمہارے گناہ بخش دئے جائیں گے۔ اس لیے تم کو نیک عمل کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

ممکن ہے کہے: تم حجۃ الاسلام ہو، بہترین خطیب اور محترم واعظ ہو، بزرگ استاد ہو، محترم امام جمعہ ہو، عقلمند مؤلف ہو، فقیہ و مجتہد ہو اور تمہاری خدمات اسلام اور مسلمین کے لیے بہت زیادہ ہیں، تمہاری تبلیغات اور وعظ ونصیحت سے لوگ بہشت کی طرف جاتے اور دوزخ سے نجات پاتے ہیں اور لوگ تم سے عقیدت رکھتے ہیں اور شفاعت کی امید رکھتے ہیں اور تم اہلبیّت کے مداح اور مرثیہ خوان ہو، لہٰذا اگر تم گناہگار بھی ہوئے تو تمہارے گناہ بخش دئے جائیں گے اور بہشت کے اعلیٰ درجات میں تمہارا قیام ہوگا۔ کیا امام حسینؑ اجازت دیں گے کہ ان کے ذاکر اور مرثیہ خوان جہنم میں جائیں؟!

نفس امارہ اور شیطان ہم کو اس طرح کے وسوسے اور بہکاوے سے دھوکا دیتے ہیں اور خودسازی تزکیہ وتہذیب نفس اور عمل صالح سے روکے رکھتے ہیں لیکن چاہئے کہ ہم اس سے ہوشیار اور

۱۔ بحار، ج ر۱، ص ر۱۸۴

۲۔ بحار، ج ر۲، ص ر۱۷

خبردار رہیں اور نفس کی فریب کاری سے پورے طور پر محفوظ رہیں۔

اولاً ہم اپنی نیت اور قصد وارادہ کو پوری تجزیہ اور توجہ کا مرکز قرار دیں۔ ہم اچھی طرح غور وفکر کریں کہ اپنے علمی کاموں اور دینی خدمات کو خدا کے لیے انجام دے رہے ہیں یا جاہ وحشم، مقام و منصب، شہرت وعزت، لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے، روپیہ حاصل کرنے اور روزی بڑھانے کے لیے انجام دے رہے ہیں؟

اگر دنیا کو حاصل کرنا مقصد ہوگا تو آخرت میں ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا لہٰذا ابلا وجہ ہمیں اس پر غرور نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر اخلاص رکھتے ہیں تو اگر چہ خود یہ سب سے بہترین عبادتوں میں شمار ہوتی ہیں اور یہ ہمیں نیکی وسعادت اور کمال تک لے جاسکتی ہیں لیکن یہ تمام عبادتوں کی قائم مقام نہیں ہوسکتی اور ہم کو نفس کے تزکیہ وتہذیب سے بے نیاز نہیں کرسکتیں۔

دوسرے ہمیں توجہ رکھنا چاہئے کہ خوش اخلاق بنیں، لوگوں کے اظہار عقیدت اور دانشمند محترم، حجۃ الاسلام اور اسطرح کے دوسرے القاب سے ملقب ہونے سے ہماری آخرت کی سعادت و نیکی اور بلندی میں کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اگر ہمارے اخلاق اور ہمارے اعمال بھی حجۃ الاسلام جیسے ہوں گے تو یہ ہمارے ایمان کیلئے مفید ہے نہ کہ صرف علم۔

تیسرے ہمیں اس نکتہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ ہمارے دروس، تقریریں، تحریریں، مجلسیں منقبت خوانی، نوحہ خوانی، سے سیکڑوں ہزاروں لوگ ہدایت پائیں اور سعادت وکمال کے درجہ پر فائز ہوجائیں لیکن ان لوگوں کی سعادت وکمال ہماری کامیابی وکامرانی کا ذریعہ نہیں ہوگا۔

ہم نے ان لوگوں سے کہا تب ان لوگوں نے عمل کیا اور وہ سعادت وکمال تک پہنچے ہیں اگر ہم خود عمل کرنے والوں میں سے نہیں ہوں گے تو ان کے رشد وہدایت سے ہمارے ایمان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب ہم قیامت میں دیکھیں گے کہ لوگوں نے ہماری گفتگو سے فائدہ اٹھایا اور اس پر عمل کر کے بلند مقامات تک پہنچے ہیں لیکن ہم خود اس سے محروم ہیں تو ہمیں اس سے حسرت ندامت شرمندگی ہوگی۔ البتہ ہم اسبات کے منکر نہیں ہیں کہ علمی مشغولیات روحانی خدمات اور لوگوں کی ہدایت، خود ہی بہترین عبادتوں میں شمار ہوتی ہے ایسی صورت میں جبکہ ہم اسے قربۃً الی اللہ انجام دیتے ہوں تو وہ خود ہمارے اندر کمال پیدا کرنے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے لیکن گناہوں اور

اخلاقی خرابیوں کا جواب نہیں ہے اور نہ ہی وظائف وتکالیف شرعی کو ختم کرنے کے لئے نہیں۔

تقویٰ و پرہیز گاری، خودسازی، تزکیہ نفس، عبادت میں جدو جہد اور عمل صالح کے محتاج ہیں۔لیکن ہماری سب سے بڑی مشکل علمی غرور اور توجیہ وتاویل کی قدرت ہے۔علم و دانش حقیقی انتباہ ،توجہ اور خوف وخشیت کا باعث ہونا چاہئے اور انسان کو عمل میں سعی و کوشش کیلئے آمادہ ہونا چاہئے لیکن افسوس ہے، کبھی یہ غرور اور جہالت کا سبب ہوتا ہے اور کبھی توجیہ پیش کرنے ، بہانہ بازی، اور دھوکا دھڑی کا وسیلہ بن جاتا ہے شیطان جو ہمارے گھات میں بیٹھا ہے وہ تمام دوسرے شیطانوں سے زیادہ حیلہ گر اور مکار ہے۔

ہماری دینی اور علمی منزلت سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور بہترین اعمال کے ذریعہ جو کہ ہمیں جنت میں لے جائیں انھیں کے ذریعہ ہمیں دوزخ میں بھیجتا ہے۔

ہم گناہوں اور برے اخلاق کو اچھی طرح سے پہچانیں اور پوری طرح سے اس کے عذاب و سزا سے واقف ہوں لیکن ہم توجیہ پیش کرنے اور غدر تراشی کے نتیجہ میں دھوکہ کھاجاتے ہیں، ممکن ہے ہم جھوٹ بولتے ہوں، غیبت کرتے ہوں، تہمت لگاتے ہوں، لوگوں کو ذلیل کرتے ہوں، وعدہ خلافی کرتے ہوں لوگوں کے حق کو ضائع کرتے ہوں ، اپنے خاندان والوں کو اذیت دیتے ہوں اور اپنی خواہش کے مطابق اور اپنی شخصیت کی حفاظت کیلئے بیت المال خرچ کرتے ہوں، شخصی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو انجام نہ دیتے ہوں بغیر اس کے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو قبول کریں اور عوام کی خدمت کریں، آخر عمر تک سہم امام سے رزق حاصل کریں۔لیکن اپنی علمی قدرت سے اسکی تاویل وتوجیہ پیش کرتے ہیں لیکن ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ یہ تاویلات وتوجیہات نفس امارہ کے خوبصورت وسوسوں میں سے ہے اور قیامت میں ہمارے ان برے اور خراب اعمال کا کیا حساب و کتاب نہ ہوگا ممکن ہے کہ ہم ان توجیہ وتاویلات سے اپنے ضمیر کو مطمئن کرلیں لیکن قیامت میں خدا کے سوالوں کا جواب کس طرح دیں گے۔

پروردگارا! ہم سب کو شیطانی وسوسوں اور نفس امارہ سے نجات دے اور پوری طرح صراط مستقیم پر چلنے اور اللہ کے راستے پر آگے بڑھنے کی ہدایت فرمائے۔

آمین یارب العالمین

●●●

کتابیات

۱	قرآن کریم	۲	نہج البلاغہ
۳	اصول کافی	۴	اقبال الاعمال
۵	بحارالانوار	۶	تحف العقول
۷	تذکرۃ المتقین	۸	جامع السعادت
۹	حقائق فیض	۱۰	روضۃ المتقین
۱۱	صحیح ترمذی	۱۲	غررالحکم
۱۳	قرۃ العیون	۱۴	کشکول شیخ بہائی
۱۵	مجمع الزوائد	۱۶	محجۃ البیضاء
۱۷	مرصاد العباد	۱۸	مستدرک الوسائل
۱۹	مفاتیح الغیب	۲۰	مناجات العارفین
۲۱	منتہی الآمال	۲۲	وسائل الشیعہ

TANZEEMUL MAKATIB

GOLAGANJ, LUCKNOW, 226018 U.P., INDIA

Ph. 0522 6565982, 2615115,2628923, 2618194

Email: makatib.makatib@gmail.com, makatib@makatib.net

Website: www.makatib.net